کتبخانۂ حسن فی سنہ ستی اعلیٰحضرت نظام
سلطنت حضور عالی مقام خلد اللہ ملکہ

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

پس نوشتم زکلکِ مشک سرشت
نامِ ایں ہشت خانہ ہشت بہشت

مثنوی

ہشت بہشت

حضرت امیر خسرو دہلوی

بہ تصحیح و تنقید و تحشیہ جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب پروفیسر
مدرسۃ العلوم علی گڑھ

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی
مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں طبع ہوئی
۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء

انتساب

یہ سِلسلہ نہایت فخر و مباہات کے ساتھ حسب
اِجازت اعلیٰحضرت بندگانِ عالی متعالی ہز اگزالٹڈ
ہائنس آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ
نوّاب میر سر عثمان علی خاں بہادر
فتح جنگ جی سی ایس آئی، جی سی بی خلد اللہ ملکہ
و سُلطانہ و ادام اقبالہ کے نامِ نامی و اسمِ سامی
کے ساتھ منسوب و معنون کیا جاتا ہے

ہشت بہشت

فہرست مضامین

حضرت امیر خسرو کی شاعری

تمت بالخیر

التماس

فقیر کے جو خدمت کہ سپرد کی گئی تھی اُس میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کے متعلق صرف اسقدر گزارش ہے کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ چاہا اور جیسا کچھ چاہا وہی ہوا۔ اگر مضمون تشنہ ہے یا بیان ناقص تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا اکمال کسی اور کے قلم سے مقدر ہو چکا ہے۔ یہ سعادت جب کہ میرے حصّہ میں نہ تھی تو پھر اُس کا تکملہ میرے ہاتھوں سے کیونکر ہوتا۔ کوئی اللہ کا بندہ لکھ کر طالبین کی پیاس بجھادیگا۔ فقیر گوشہ نشین بھی اُس سے استفادہ کرلیگا۔ اس کے بعد یہ گزارش ہے کہ پہلے محض تنقید ہشت بہشت کا کام سپرد ہوا تھا۔ اُس کے بعد کتاب کی تصحیح متعلق ہوئی۔ لیکن دل یہ چاہتا تھا کہ اس ایک کتاب کی تنقید مفصل اور دیگر اصناف نظم پر خسرو علیہ الرحمہ کے ایک مجمل تبصرہ لکھا جائے۔ اور تبصرہ سے پہلے فارسی شاعری کے ادوار دکھائے جائیں گو بعض اصحاب اس تبصرہ اور ادوار شاعری کے مضمون کو تنقید سے بے تعلق سمجھینگے لیکن کسی نہ کسی حیثیت سے اُن مضامین کا پیوند تنقید سے ضرور صحیح ہو سکتا ہے۔ میں اسی فکر میں تھا کہ شیدائے علم و فن و نقادِ سخن **نواب حاجی محمد اسحٰق خاں** متع اللہ المسلمین بطولِ بقائہٖ نے بھی اس کی تحریک فرمائی۔

اُن حضرات کی خدمت میں جو کسی کتاب کی تنقید کا دائرہ اُسی کتاب میں محدود سمجھتے ہیں اور اُن کی تحقیق میں اُس سے سرِمو تجاوز کرنا یا تعلقات سے بحث ایک ناقابل معافی گناہ ہے؛ یہ گزارش ہے کہ فقیر کو موردِ عتاب نہ قرار دیں اور چین بجبیں نہوں حصص ماقبل کو چھوڑ دیں اور صفحہ ۱۶۹ سے کتاب کا مطالعہ شروع فرمائیں۔ یہ بحث پھر بھی ہو رہیگی کہ تنقید کا کیا مفہوم ہے اور اُس کے اجزاء و لوازم کیا ہیں۔ اس وقت صرف اس ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں ؎

حافظ بخود نپوشید این خرقۂ می آلود ۔۔۔ اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

اب میں مخدوم قوم عالی جناب **نواب حاجی محمد اسحاق خاں** صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے اشفاق و الطافِ گوناگوں نے مجھ جیسے ناکارہ و ہیچ کارہ کو اس سعادت کا موقع دیا۔

اپنی حالت تو اس شعر کی مصداق ہے ؎

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درختِ سایہ دارم ۔۔۔ ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت ما را

ایک وجود معطل ہے جو کام کرنے سے ہمیشہ گریزاں و ترساں رہا۔ حیلہ جو کاہل و سست طبیعت میں کبھی کسی کام کی ہمت ہی پیدا نہ ہوئی۔ پھر ایسا مہتم بالشان کام جس کی نہ اپنے میں قابلیت نہ صلاحیت اس کے انجام کا کیا سامان تھا۔ لیکن ممدوح موصوف الصدر نے اپنے عنایاتِ بزرگانہ کے ایسے مینھ برسائے کہ کاہلی کے خوابِ گراں سے نفس کو مجبوراً بیدار ہی ہونا پڑا اور اپنی عادت کے خلاف کام کرنے پر یہ کہتا ہوا آمادہ ہوا ؎

بے چون ماہ زانو زدمی چون لعل پیش آورد ۔۔۔ تو گوئی تائبم حافظ ز ساقی شرم دار آخر

خسرو علیہ الرحمۃ کا کلام اور اس کے احیاء پر نواب صاحب جیسا علم پرور آمادہ و کمربستہ پھر سستی اور کاہلی! توبہ!! توبہ!!!

آخر کتاب کی تصحیح لغات کا حل مشکلات اشعار کی تشریح سب سے مقدم کی گئی اس کے بعد کتاب کی تنقید تمام کی۔ پھر مقابلہ کی سخت کشاکش سے فرصت ملی۔ اب ایک تبصرہ اجمالی خسرو کی عام شاعری کے متعلق لکھا گیا۔ آخر میں مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر اپنے کار مفوضہ سے سبکدوشی پائی۔

لیکن تصحیح کا کام ہرگز انجام نہ پاتا اور اپنے دیگر خیالات خانہ تخیل سے ہرگز آگے نہ بڑھتے اگر ایک پیکرِ علم کی مدد فرمائی نہ ہوتی۔ یعنی مولانا **محمد احتشام الدین** صاحب ایم اے سلالۂ خاندان حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں جہاں جذبات گوناگوں رکھنے والے اشخاص پائے جاتے ہیں وہاں یہ ایک وجود علم و فن کا والہانہ شیدا گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا مشرقی و مغربی مصنفین سے محققانہ مشورہ میں محو رہا کرتا ہے۔

یہ فقیر کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ ایسے مجسمۂ علم سے ابتدار تعلق کالج سے آج تک مسلسل نیازمندی و ارادت کا سلسلہ قایم ہے۔ اور اُس جانب سے کرم فرمائی و ذرہ نوازی۔

کتاب بہشت کا پہلا نسخہ جو خاص کتب خانہ کالج کا تھا مجھے جس وقت ملا تو اُس کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو کتاب اہل علم کی خدمت سے محروم رہی اور گروہِ کملا کی صحبت اُسے نصیب نہوئی وہ ظاہر آرا صحبتوں میں پھنسکر سیرت کی خوبی کھو بیٹھی۔ طرفہ یہ کہ کالج کا یہ نسخہ کرم خوردہ بھی تھا جس کی ہر سطر میں کوئی نہ کوئی حرف یا لفظ کیڑوں کی نذر ہو گیا تھا۔

اب معلوم ہوا کہ یہ کتاب دو بار مطبع نولکشوری میں طبع ہوئی ہے۔ میں نے لکھنؤ اپنے عزیز دوست ملک محمد علیؔ افضل بی اے کو اس کے بھیجنے کی تکلیف دی۔

ایک ہفتہ میں کتاب پہنچی شوق کے ہاتھوں لیا اور نہایت بیتابی سے تار نظر سطور پر پڑنے لگے لیکن وہی تین اشعار کے بعد جو ناامیدی کی تلخی محسوس ہوئی ہے اُس کا کیا اظہار کیا جائے۔ خیال گذرا کہ شاید پہلا مطبوعہ نسخہ کچھ صحیح ہو گا اب اُس کی تلاش ہوئی آخر وہ بھی ملا لیکن ایک سے دوسرا غلطی زیادہ پیش کرنے میں مستعد و آمادہ تھا۔

اب پھر خیال قلمی نسخوں کی طرف گیا ایک نہایت ہی نایاب نسخہ نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب نے اپنے خاص کتب خانہ سے عنایت فرمایا دوسرا نسخہ خمسہ کا بانکی پور لائبریری سے منگوایا۔ تیسرا کتب خانہ حبیب گنج سے حاصل ہوا اس کے بعد اور نسخے بھی رامپور، سہارنپور، حیدرآباد، دیوبند وغیرہ سے وقتاً فوقتاً ملتے گئے۔

قریب قریب ہر ایک نسخہ حسین نقش و نگار پاکیزہ حروف و نقاط سے آراستہ تھا لیکن جو جتنا حسین تھا اُتنا ہی صحت سے بعید۔ چنانچہ بانکی پور کا نسخہ حسنِ خط میں لاجواب و بےمثل دیگر

اوصافِ ظاہری میں بھی بے نظیر لیکن ایسی فاش غلطیاں اُس میں قدم قدم پر ملتی تھیں کہ حسن ظاہری بھی اُس کا بدنما معلوم ہونے لگتا تھا۔ غرض کتاب کی تصحیح کیا تھی چیونٹیوں بھرا کباب تھا۔ اگرچہ دس نسخے موجود تھے لیکن اُن کانٹوں میں سے پھول چننا میرے لیے نہایت ہی دشوار تھا آخر اپنے اُسی کرم فرما شیدائی علم وفن کی طرف دستِ استمداد پھیلانا پڑا اور اُس علم دوست نے بھی اپنے کرم کریمانہ سے اس سائل کے دامن کو اُمید سے کہیں زیادہ بھر دیا۔ تصحیح ومقابلہ نسخ کا نہ صرف طریقہ بتایا بلکہ پانچ ماہ کامل تک اپنے مشاغل علمیہ کا ایک کثیر حصہ برابر تصحیح ومقابلہ میں صرف کرتا رہا۔ میں حیران ہوں کہ اپنے مکرم کا کیونکر شکریہ ادا کروں جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

کسی کتاب کی تصحیح واقعی طور پر جس نے کی ہوگی وہی سمجھ سکتا ہے کہ تصحیح کا کام کسقدر اہم ہے۔ کامل برس روز کی محنت کا نتیجہ ہے جو آج ہشت بہشت کا صحیح نسخہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ کاپی و پروف تین تین اور چار چار بار دیکھے گئے ہیں جس میں ہمارے عزیز طلبائے کالج کی یاوری کا بہت بڑا حصہ ہے۔ خاصکر سید منظور حسن و سید وصی احمد رضوی متعلم بی اے کلاس و حافظ غلام غوث کا میں تہِ دل سے دعاگو ہوں کہ ان عزیزوں نے بہت گراں بہا امداد کی ہے۔

منیجر مطبع مولانا محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی کا بھی دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے کاپی و پروف کی تصحیح میں بہت مُبالغہ سے محنت کی ہے۔ جو دیدہ سوزی وعرق ریزی کہ مولانا محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے فرمائی ہے کوئی منیجر مطبع تو کیا کر سکتا ہے بعض مالک مطابع ومصنفین ومولفین بھی اس دماغ کاوی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اب باوجود اس سعی وکوشش کے اگر نقاط وحروف یا مرکز کی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو وہ بشریت کا اقتضا ہے۔ حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ یقینی طور پر وہی الفاظ ملجائیں جو خسرو علیہ الرحمہ کے قلم سے نکلے ہیں۔ اصح والنسب الفاظ متن میں رکھے گئے ہیں اختلاف نسخ علامت ن دیگر فٹ نوٹ میں لکھ دیئے گئے ہیں ت نشان حل کا ہے اور ن نسخہ کی علامت ہے۔

سہولت کے لیے ہندسہ بھی دے دیا گیا ہی۔ جس نسخہ کا لفظ فٹ نوٹ میں لیا گیا ہی وہاں اُس کا حوالہ بھی حرف اوّل سے دیدیا گیا ہی۔ مثلاً ج علامت کتب خانہ جہانگیر آباد ریاست نواب حاجی محمّد اسحاق خاں صاحب ح علامت کتب خانہ حبیب گنج ریاست مولنا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی۔ رعلامت رام پور۔ س علامت سہارن پور۔ باعلامت کتب خانہ بانکی پور وغیرہ

خسرو علیہ الرحمہ کی تصنیف تصحیح و تنقید کی لئے چھ سو برس سے اُن باہمت علم دوست حضرات کی منتظر تھی یتیمی ایسا داغ ہی جس سے سینکڑوں داغ اور بھی پیدا ہوجاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ خسرو علیہ الرحمہ جب سایۂ بے پدری میں آئے تو اُنکے نانا عماد الملک نے کنار عاطفت میں لیلیا اور اُن کی تربیت و نگرانی میں یہ پودا نہالِ کمال بن کر پھولا اور پھلا۔

لیکن اُن کا کلام جو معنوی اولاد کہلانے کا اصل مستحق تھا سایۂ خسروی سے محروم ہوا تو کسی نے ان یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ نہ رکھا آخر نساخوں اور کاتبوں کی بیدرد صحبت میں ایسے پھنسے کہ اپنے اصلی اور دلکش جوہر کو کھو بیٹھے حتیٰ کہ جوہر شناس اور نکتہ رس نگاہیں صحت و سقم کی تمیز میں مضطر و پریشان ہوگئیں۔

خدائے پاک نواب عماد الملک سیّد بلگرامی کا بھلا کرے جن کی علم دوست نگاہوں نے خسروؒ کے فرزندانِ معنوی کو اس خستہ و خراب حالت میں دیکھکر اُن کی تہذیب و تربیت کا خیال کیا لیکن یہ خیال خانہ تخیل سے آگے نہ آتا اگر شاعری اور کمال کے اصلی وارث نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب آنریری سکریٹری مدرستہ العلوم علی گڑھ کمربستہ و آمادہ نہو جاتے۔

اس طرح کے علمی کام کا جنھیں اتفاق نہیں ہوا ہی وہ تو اُن انتھک اور حوصلہ شکن صبر آزما کوششوں کا اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ لیکن اگر کسی کو اس دورِ ایام میں اس قسم کے کام کرنے کا اتفاق پڑا ہی تو وہی اسکو سمجھ سکتا ہی کہ اہلِ علم کی تلاش اُن کی طرح طرح کی ناز برداریاں اور پھر نتیجہ نفی میں دیکھکر کسی اور کی جستجو میں سرگرداں پھرنا، پیہم مایوسیوں سے نہ تھکنا اور سعی کا مسلسل جاری رکھنا کسقدر اہم و معرکۃ الآرا ہی۔

زمانے کا دستور ہی باغ عالم میں دورِ خزاں کے بعد فصلِ بہار ضرور آتی ہی خوابِ غفلت میں تنگ لباسوں کے مسکنے اور آنکھ کے کاجل پھیل جانے اور زلف تا کمر رسیدہ کے اُلجھنے سے جو بے ترتیبی پیدا ہو جاتی ہی نیند کھلنے کے بعد دوسری کپڑوں کا بدلنا کاجل کا پوچھنا بالوں کا سلجھانا کچھ اور نکھار پیدا کر دیا کرتا ہی۔ جس پر حُسنِ خداداد کے سوا مشاطہ کی سحر آفرینیاں اور بھی ستم ڈھاتی ہیں۔ حضرت خسرو کے کلام پر جسے بے تیبی کی گرد نے غازۂ جمال بنکر اور بھی چمکا دیا تھا زمانہ کی غفلتوں اور اہلِ کمال کی انقلابی صعوبتوں نے اُنھیں بہت کچھ قابلِ آراستگی بنا رکھا تھا جس کا مخصوص شرف خدا نے **نواب حاجی محمد اسحق خاں صاحب** کے لیے ازل میں ودیعت کر رکھا تھا۔ طباع کا حُسنِ صورت اور تصیح کا حُسنِ سیرت، تنقید کا ہر ہفت کرنا یہ وہ چیزیں ہیں کہ لطائف معنوی اگر اہلِ مذاق کے دل موہ لینگے تو صفائی طبع و عمدگی خط و کاغذ اربابِ بصر کو بھی متحیر کرنے میں کمی نہ کرینگے۔ اب اُس ارحم الراحمین سے یہ دعا ہی کہ خدا اپنے اُن بندوں کی اُس علمی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائے جنھوں نے اُس میں کسی نہ کسی طرح کی معاونت کی ہی۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

یارب ز جنس ما چہ خیر آید
تو کرم کن کہ رب اربابے

حررہٗ بقلمہٖ
فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہٗ

بہار شریف
محلہ میرداد
ضلع پٹنہ

۱۲ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

مقدمہ

شاعری

مدارجِ نطق | کائنات کا ایک ایک ذرہ جس طرح قانونِ ارتقا کا پابند ہے اسی طرح زبان بھی آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ اپنے مرتبۂ کمال تک پہنچتی ہے۔ ایک طفلِ شیرخوار جب اپنی زبان کھولتا ہے اگر اُس کی گویائی کی تدریجی ترقی کی طرف ایک حکیمانہ نگاہ ڈالی جائے تو یہ فلسفہ بہت اچھی طرح حل ہو سکتا ہے کہ قانونِ ارتقا کی ہمہ گیری کس طرح زبان کے کامل بنانے میں جاری ہے۔

ابتدا میں بچے جب نطق سے زبان آشنا ہوتے ہیں اور اپنے جذبات اور خواہشات کا اظہار اپنے تکلّم سے کرنا چاہتے ہیں تو اُس وقت اُن کی کمزور زبانیں جن کے

پاس اظہار مدعا کے وسائل محض برائے نام ہوتے ہیں، صرف چند حروف پر اکتفا کرتی ہیں مثلاً اگر بھوک نے انھیں بیتاب کر دیا ہی اور دودھ پینے کی طرف طبیعت مضطر ہی تو صرف لفظ "دُودُو" کا شور مچاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ اگر پیاس نے تڑپا دیا ہی تو "مم مم" کہتے جاتے ہیں اور بلبلاتے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر ماں کی آغوش شفقت نے یاد آکر بیکل کر دیا ہی یا باپ کے کنارِ عاطفت میں راحت پانے کو جی چاہا ہی تو "مَم ب بَ" کہکر اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہی ایک تو یہ کہ جو چیزیں قریب تر ہوتی ہیں اور جن کی طرف حاجت مضطر کرتی ہی سب سے پہلے وہی چیزیں خیال میں آکر الفاظ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ابتدائے امر میں جب کہ اظہارِ خیال پر اس قدر قدرت بھی نہیں ہوتی کہ اپنے مطلوب و مرغوب کا کم از کم نام ہی بتا دیں تو اس وقت اُس کمی کو اپنے حرکات و افعال سے پورا کرتے ہیں۔

اب وہی لڑکا ذرا بڑھتا ہی زبان میں اُس کے طاقت کچھ زیادہ ہوتی ہی والدین و دیگر اہل خاندان کے گفتگوئیں پیہم اُس کے کانوں میں پہنچتی رہتی ہیں۔ اُس وقت اُس کی قوتِ آخذہ اشیائے کے اسما سیکھ لیتی ہی اور اب وہ بچہ حروف کے بجائے اظہارِ مطلب میں اسما استعمال کرتا ہی۔ لیکن اس کے ساتھ نہ فعل ہوتے ہیں اور نہ حروف کا انضمام ہوتا ہی۔ اگر ماں یا باپ کے متعلق اُسے کچھ کہنا ہی یا خود اُنھیں متوجہ کرنا ہی تو صرف "اماں" اور "ابا" کا پیارا لفظ اُس کی زبان سے نکلتا ہی۔ پھر کچھ اور بڑھتا ہی اور اب اسما کے ساتھ افعال بھی ملاتا ہی "اماں آؤ" "ابا جاؤ"۔ اس کے بعد سنِ تمیز کو پہنچکر اسما، افعال و حروف

سے کامل مرکب جملے اُس کے مُنھ سے ادا ہوتے ہیں۔ تاہم ہنوز اس کے جملوں میں الفاظ کی نشست صحیح نہیں پائی جاتی ہے۔ تلفظ میں ہمواری پیدا نہیں ہوتی ہے۔ موقع و وقت کی مناسبت سے اس کی باتیں نہیں ہوتی ہیں۔ اُس کے خطاب کرنے میں فرق مراتب پایا نہیں جاتا۔ لیکن وہ اب تعلیم پاتا ہے، بزرگوں کی صحبت سے مستفیض ہوتا ہے۔ مختلف مدارج و حیثیات کے انسانوں سے اسے ملنا پڑتا ہے جن میں کوئی استاد ہے، کوئی دوست ہے، کوئی باپ ہے، کوئی بزرگ ہے اور کوئی خادم ہے۔ غرض ہر ایک کا انداز خطاب و تکلم مختلف دیکھتا ہے جس کے مطابق اپنی گفتگو میں اصلاح کرتا جاتا ہے۔ کچھ کتابوں کی تعلیم اور کچھ عملی زندگی کا سبق مل جل کر اس کی اس کمی کو پورا کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جوان ہو کر اب وہ فرق مراتب بھی اپنے کلام میں قائم کرتا ہے اور موقع و مصلحت کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

جس قدر تعلیم کا دائرہ وسیع اور مہذب و شایستہ صحبتوں کا اثر قوی ہوتا جائے گا اُسی قدر اُس کے الفاظ میں قوت، جملوں میں زور کلام میں حسن و دل آویزی بڑھتی جائیگی اور جس قدر الفاظ کے ذریعہ سے خیال کی ترجمانی پر قدرت بڑھتی جائیگی اُسی قدر حرکات (جو اب تک ادائے مطلب کے ایک عنصر اعظم تھے) کم ہوتے جائینگے اور اُن میں بھی ایک معتدل شایستگی و شان پیدا ہو جائے گی۔

اس تمہید کا مدعا یہ ہے کہ جس طرح ایک بچے کی زبان آہستہ آہستہ تمدن و تعلیم و تربیت کے سہارے درجۂ کمال کو پہنچتی ہے یہی حال ہر ایک ملکی زبان بلکہ بنی نوع انسان کی زبان کا ہے۔ انسان میں جذبات رکھے گئے ہیں اس میں قوتِ متخیلہ کا خزانہ ودیعت کیا گیا ہے وہ

تاثیر و تاثر کا مجسمہ بنایا گیا ہے۔ گرد و پیش کی چیزیں اس کی حاجت روائی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ پس وہ ابتدا میں خیالات کی مصوری اپنے حرکات اور غیر موضوع الفاظ سے شروع کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے تعلیم و تمدن اس میں آتا جاتا ہے وہ الفاظ وضع کرتا ہے اور ہر مفہوم و ہر شے کے لئے ایک اسم قرار دیتا ہے۔ جب الفاظ کا ذخیرہ کافی ہو جاتا ہے اور ناز پروردگی بڑھ جاتی ہے تو اس وقت الفاظ کے قالب پر نظر کی جاتی ہے۔ نفاستِ طبع الفاظ کی درستگی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اب ان کی ثقالت و خفت دیکھی جاتی ہے، اختصار مطبوع خاطر ہوتا ہے غرض اسی طرح بآہستگی زبان میں لطافت و روانی پیدا ہو جاتی ہے اور خیالات کی دھندلی تصویر الفاظ کے آئینہ میں اپنا جلوہ دکھانے لگتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان خیال کا آئینہ ہے، مگر کچھ زنگ آلود۔ انسان چاہتا ہے کہ خیالات و جذبات کی کامل ترجمانی الفاظ سے ہو جائے، مگر نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم، تہذیب، اخلاق، تمدن و سیاست اگر سب مل کر اس کی مدد کریں تو بہت کچھ اس آئینہ کا زنگ دور ہو جاتا ہے لیکن حرکاتِ اعضا و جوارح کے بغیر اس تصویر کے خط و خال واضح طور پر نمایاں نہیں ہوتے۔ الغرض انسان کی یہ کوشش کہ خیالات یا جذبات کی بعینہٖ و بجنسہٖ تصویر الفاظ کے قالب میں منعکس ہو جائے ایوانِ شاعری کے در کی کنجی ہے۔

شعر اور شاعر موزون و مناسب الفاظ میں جو حقائق کی تصویر کشی کی جاتی ہے وہی شاعری کی سنگِ بنیاد ہے۔ شاعر خیالات، جذبات، کیفیات، محسوسات و معقولات کو چوں کہ اپنے بیان سے اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ سننے والوں کے سامنے اس کا نقشہ کھنچ جاتا ہے دلوں پر

کیفیت طاری ہوجاتی ہے اس لئے اُسے شاعر کہتے ہیں۔ اب جس قدر کلام میں یہ وصف زیادہ ہوگا اُسی قدر اُس کی شاعری کامل سمجھی جائیگی۔ لفظ شاعر کا مادہ (یعنی حروفِ اصلیہ) ش ع ر ہیں یہ مادہ جہاں جہاں پایا جائے گا اُس میں ظہور کے معنی کا لحاظ ضرور ہوگا۔ اس لئے عربی میں بال کو شعر کہتے ہیں جو جسم پر ظاہر ہوتے ہیں جسم سے اوپر جو کپڑا پہنا جائے اُسے شعار کہتے ہیں۔ حواس جو قوتِ مدرکہ کے سامنے موجودات کو ظاہر کرتے ہیں اُنھیں مشاعر کہتے ہیں۔ وہ کلمات جو خیال کے لئے صاف آئینہ ہوں اور واضح شکل میں خیالات کو ظاہر کریں وہ شعر ہیں۔ اسی بنا پر وزن وقافیہ کو بعضوں نے شعر کی حقیقت سے خارج رکھا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ شعر کے یہ اجزا ہیں بھی نہیں، بلکہ اُس کے شرائط ہیں۔ مثلاً ؎

اکھتر بہتر تہتر چوہتر | پچھتر چھہتر ستتر اٹھتر

دیکھو اس میں وزن وقافیہ موجود ہے، لیکن اسے شعر کہنا کیا حماقت نہیں؟

اجزا، لوازم و شرائط شعر | پس باعتبارِ حقیقت شعر کے دو اجزا ہیں، دو لوازم ہیں، اور دو شرائط ہیں۔ محاکات و تخیل اجزا ہیں اکتنازِ الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ کائنات لوازم ہیں وزن وقافیہ شرائط ہیں۔

۱- محاکات | محاکات کے معنی نقالی ہیں یعنی جو واقعہ جس طرح دیکھا جائے یا سنا جائے یا جو اثر و کیفیت کہ دل پر گزرے اُس کو اس طرح ادا کر دیا جائے کہ غائب اُسے سن کر اپنے کو حاضر سمجھنے لگے لیکن صرف اسی قدر شعر ہونے کے لئے کافی نہیں ہے مثلاً ؎

چشمانِ تو زیرِ ابرو انند | دندانِ تو جملہ در دہانند

۲- تخیل | بلکہ محاکات کے ساتھ تخیل کا انضمام بھی لابد و ضروری جز ہے تاکہ شعر تک بندی کا

مصداق نہو۔ مثلاً خسرو اُس حالت کو بیان کرتے ہیں جب کہ برسات میں پانی برستا ہے۔ اور درختوں کی لچک دار شاخیں پیہم پانی اور ہوا کے جھونکوں سے جھک جھک جاتی ہیں زمین پر پانی بہتا ہوتا ہے اور ان شاخوں کا لچکنا ایک خاص لطف پیدا کرتا ہے۔ اس منظر کو امیر خسرو شاعرانہ تخیل کے ساتھ یوں دکھاتے ہیں ؎

نگوں سر شاخہائے سبز گوئی دُر ہمی چیند　　　زبس کابرِ دُر افشاں لولوئے غلطاں ہمی بارد

یعنی سبز شاخیں جو زمین پر جھکی پڑتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابر نے جو بے انتہا موتی برسائے ہیں اُن کے رولنے کو جھکی جاتی ہیں۔ یا مثلاً ایک عاشق جو اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر مٹا ہوا ہے اور اُس کی نزاکت و لطافت پر والہانہ فریفتہ و شیدا ہے وہ کاغذ کے اُن چاک شدہ ٹکروں میں بھی ایک لطافت محسوس کرتا ہے جسے اُس کے معشوق نے ریزہ ریزہ کر دیا ہو۔ اب وہ اپنے اس لطیف کیف کی حکایت کرتا ہے ؎

ہر کجا برگِ گلے افتادہ بینم در رہت　　　از تو پارہ کردنِ مکتوب یاد آید مرا

یعنی اگر گلاب کی پتیاں کہیں بکھری ہوئی ہیں دیکھ لیتا ہوں تو مجھے مکتوب کے وہ ٹکرے یاد آجاتے ہیں جو تیرے ہاتھوں سے چاک ہو کر برگِ گل جیسے نازک و خوشبو ہو جاتے ہیں

۳۔ اکثار الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ فطرت لیکن تخیل و محاکات اُس وقت تک اپنا فرض پورا نہیں ادا کر سکتے جب تک اُن کے پاس الفاظ کا کافی ذخیرہ نہو، تاکہ نازک سے نازک پہلو بھی واقعہ کا قلت الفاظ کے سبب چھوٹ نہ جائے یا لطیف سے لطیف جذبہ صرف الفاظ کی کم یابی کے نذر ہو کر ظاہر ہونے سے نہ رہ جائے۔ جیسے کہ بہار کا موسم جس نے دیکھا نہو

یا اُس وقت جو سرورومستی کہ دلوں پر چھا جاتی ہے اُس سے لذت آشنا نہو تو پھر بہار کے متعلق اُس کی شاعری کیا ہوگی مُنہ چڑھانا ہوگا۔ اور اگر لفظ کی بھی کمی ہو تو پھر بہار کا نقشہ کھینچنا بالکل ہی ناممکن ہو جائے گا پس حکایت و تخیل کے لئے اکثار الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ کائنات لوازم میں سے ہیں۔

۴۔ وزن و قافیہ | اب جب کہ کلام میں حکایت و تخیل مع اپنے لوازم کے پائے جائیں تو اُس وقت وزن و قافیہ کا ہونا بھی ایک ضروری شرط ہے اس لئے کہ جس اسلوب میں ایک قادرالبیان فصیح اللسان اپنا کلام مخاطب کے سامنے پیش کرتا ہے جب اُنھیں اسلوبوں میں وزن کی کھٹاوٹ اور قافیوں کا تناسب پایا جاتا ہے تو کلام شعر کے سانچے میں ڈھل کر مخاطب کے لئے ایک نوع کا تعجب اور تعجب کے ساتھ خوشی پیدا کر دیتا ہے، اور یہی مخاطب کے دل کی شگفتگی متکلم کے خیالات کا کامل نقش دل پر بٹھا دیتی ہے۔ مثلاً پانی برس رہا ہے عاشق سے معشوق رخصت ہو رہا ہے مدتوں بعد جو لذتِ دیدار ملی تھی یوں ہاتھ سے جا رہی ہے عاشق کی آنکھیں بے اختیار بہ نکلتی ہیں۔ جذبِ کامل و محبتِ صادق رنگ لاتی ہے۔ معشوق کے دل پر بھی اس فراق کا صدمہ گزرتا ہے۔ اسی کو امیر خسرو یوں کہتے ہیں ؎

ابر باران و من و یار ستادہ بوداع   من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

شعر کیا ہے واقعہ کی ایک بولتی تصویر ہے۔ ہم نثر میں ادا نہ کرسکے اور خسرو نے ایک شعر میں ادا کر دیا۔ ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ اُس حالت و کیفیت و موقع کا لحاظ کرو۔ اور پھر شعر کی بلاغت کو دیکھو۔ بہرحال محاکات، تخیل، اکثار الفاظ مطالعہ صحیفہ کائنات، وزن و قافیہ شعر کے لئے

یہ امور بمنزلۂ ضروریہ ہیں جن کے بغیر شعر کامل نہیں ہو سکتا لیکن کلام ایسا ہو جس میں جابجا بجلیاں کوندتی نظر آئیں اور اس کی ہر تجلی دلوں کو تڑپا دینے والی ہو اس کے لئے صرف شعر کا مجسمۂ ہیولانی ہی کافی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ چند اور جزئیات ہیں جن کی رعایت شعر کے حسن کو نکھار کر دل آویز و دل پذیر بناتی ہے۔ اور یہی ایک باکمال شاعر کی آخری منزل ہے اور بڑی کڑی منزل ہے۔ وہ چار چیزیں ہیں بلاغت، سلاست، اصلیت اور جوش۔

بلاغت بلاغت تو یہ ہے کہ کلام وقت اور حال کے مطابق ہو۔ انسان میں گوناگوں خیالات و جذبات پائے جاتے ہیں کبھی غم و غصہ ہے اور کبھی مسرت و مہربانی ایک وقت بیتابی و بیقراری ہے تو دوسرے وقت راحت و سکون کبھی مستی و بیہوشی ہے اور کبھی باخودی و ہوشیاری پس جس حالت و کیفیت کا بیان ہو کلام اگر اس میں اس طرح ڈوبا ہوا ہے کہ کہنے والا کہہ رہا ہے اور سننے والے کی آنکھوں کے سامنے اس کا نقشہ کھنچا جاتا ہے تفصیل کی جگہ وضاحت ہے اور اجمال کی جگہ اختصار تو وہ کلام بلیغ کہا جائے گا۔ اور اسی کو بلاغت کہتے ہیں۔

سلاست سلاست کے یہ معنی ہیں کہ الفاظ وہ ہوں جو روزمرہ کے استعمال میں ہوں۔ محاورہ وہ ہو جو عام طور پر زبانوں پر جاری ہو۔ استعارہ و تشبیہ ایسے ہوں کہ سامع کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہو جائے۔ اضافات کی کثرت و پیچیدگی نہو۔ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ ہر شخص اپنے فہم و مرتبہ کے مطابق برابر کا لطف اٹھائے۔ اسی مضمون کو خاتم الشعرا غالبؔ دہلوی نے کہا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا　　　میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

صاحب عقد الفرید شعر کے محاسن بیان کرتے ہوئے آخر میں قول فیصل یہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں سب سے بہتر زہیر ابن سلمیٰ کا قول ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

وَاِنَّ اَحسَنَ بَیتٍ اَنتَ قَائِلُہٗ   بَیتٌ یُّقَالُ اِذَا اَنشَدتَہٗ صَدَقَا

یعنی سب سے بہتر وہی شعر ہے کہ جب تو اسے پڑھے تو سننے والا بے اختیار کہہ اٹھے کہ سچ کہا۔ یہی شعر ایک جگہ حضرت حسّان انصاری کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے جس سے اس رائے کی موافقت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن فقیر کے خیال میں بہترین فیصلہ ابن رشیق کا ہے۔ سلاست شعری کی جو تصویر اس کے قلم نے کھینچی ہے اس سے بہتر ناممکن ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

فَاِذَا قِیلَ اَطمَعَ النَّاسَ طُرًّا   وَاِذَا رِیمَ اَعجَزَ المُعجِزِینَا

یعنی جب شعر پڑھا جائے تو اس کی سلاست و سادگی سے ہر شخص کو یہ طمع ہو کہ ایسا میں بھی کہہ سکتا ہوں، لیکن جب کہنے کا قصد کریں تو ادنیٰ اور اوسط کا تو کیا ذکر ہے معجز بیان بھی عاجز آجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابن رشیق کا یہ فیصلہ فیصلۂ ناطق ہے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ مفتی صدرالدین مرحوم آزردہ کے مکان پر مومن خاں، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ وغیرہ کا مجمع تھا۔ کسی نے انھیں میں سے میر کا یہ شعر پڑھا ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے   دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

ہر ایک نے قلم ہاتھ میں اٹھایا کہ جواب اس کا لکھیں لیکن گھنٹوں گزر گئے اور قلم نے ہاتھ سے صفحۂ کاغذ تک آنے کی جرأت نہ کی۔ اسی عرصہ میں کوئی دوسرے بے تکلف دوست آگئے انھوں نے ایک مجمع سراپا محو استغراق دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ مومن نے کہا ہاں قل ھو اللہ کا جواب لکھنا چاہتے ہیں

اصلیت | اصلیت کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز کا بیان ہو وہ باعتبار واقعہ یا شاعر کے عندیہ میں یا مخاطب کے عقیدے میں ویسا ہی ہو جیسا کہ اُس کے الفاظ اُس کو کہہ رہے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو کلام کا اس قدر نقص اُسے بے اثر بنا دے گا۔

جوش | جوش کے یہ معنی ہیں کہ شعر کو سنکر یہ اثر پیدا ہو کہ مضمون نے شاعر کو مضطر کر دیا ہے شاعر مضمون نہیں لایا ہے۔ یہ وہ امور جزئیہ ہیں جن سے شعر کا آب و رنگ کھلتا ہے۔ اور زبان سے نکل کر دلوں کو تڑپا دیتے ہیں

فارسی شاعری

اقسام شاعری | اب آیئے فارسی زبان کے نشوونما اور فارسی شاعری کے اوجِ کمال پر ایک نظر ڈالیں کتابوں میں زبان فارسی کی سات قسمیں پائی جاتی ہیں۔ فارسی، دری، پہلوی، ہروی، سگزی، زاولی، سغدی۔ ہمارے مصنفین جب ان زبانوں کی حقیقت بیان کرتے ہیں تو اُن کا اضطراب عجیب عجیب پہلو سے کروٹیں لیتا ہے۔ حالانکہ بات صرف اس قدر ہے کہ یہ تقسیم کچھ تو باعتبار اُن ملکی خصوصیات کے ہے جو بعض بعض حصصِ ملک میں پائے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو شہر اور دیہات کی وجہ سے ہوئیں مثلاً ملک ہندوستان کو لو۔ یہاں ایک زبان تو وہ ہے جو تقریباً تمام ہندوستان میں سمجھی جاتی ہے اور جس سے کاروبار میں، لین دین میں، تبادلہ خیالات میں کام لیا جاتا ہے۔ اُسے تھوڑی دیر کے لئے اُردو کہہ لیجئے لیکن جب اس کو باعتبار حصص ملک یا شہر اور گاؤں کے آپ تقسیم کیا چاہیں گے تو بے شمار اُس کی قسمیں پیدا ہو جائیں گی کلکتہ کی اُردو کو دہلی کی اُردو سے کیا مناسبت اور بمبئی کی زبان کا لکھنؤ کی اُردو سے کیا علاقہ۔

اُردو زبان دہلی میں پیدا ہوئی اور اسی جگہ اُس نے نشو و نما پایا۔ اپنے آخر عہد میں یہ لکھنؤ پُہنچی اس لئے یہ کہنے کا حق ہے کہ اُردو وہی ہے جو اِن دونوں شہروں میں بولی جائے۔ لیکن اگر اُردو ایک نئی زبان نہوتی تو کیا ملک کے مختلف گوشے کچھ اپنی خاص خصوصیت نہ رکھتے۔

یہ ہر زبان کا قاعدہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے بُعد مسافت سے کچھ کچھ متغیر ہوتی جاتی ہے۔ عربی زبان جو نہایت ہی کامل زبان ہے اُس کو دیکھئے یہی اختلاف آپ کو وہاں بھی نظر آئے گا۔ اہل عرب جہاں باعتبار قبائل آپ کو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ملیں گے وہاں اُن کے محاورے الفاظ بلکہ حروف تہجّی کے اصوات و تلفظ میں بھی ایک علیحدہ شان ہوگی پس یہی حال ایران کے اقسام ہفت گانہ زبان کا ہے۔ عہدِ قدیم میں فارس کا علاقہ کنارۂ جیحون سے فرات تک اور باب الابواب سے کنارۂ عمّان تک پھیلا ہوا تھا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ملک کا علاقہ جب اس قدر وسیع ہوگا تو ہر وہ گوشۂ ملک جسے دوسرے ملک کے ٹکڑے سے پیوستہ یا قریب ہوگا یا جن غیر ممالک کے باشندوں سے معاشرتی کاروبار میں سابقہ رہتا ہوگا اُن کی زبان کا اثر اس گوشۂ ملک کی زبان پر ضرور پڑیگا۔ پھر اُس کے ساتھ ہی ایک ایسی عام زبان ملکی ہوگی جو ہر گوشۂ ملک میں سمجھی جا سکے یا بولی جا سکے۔ اب خیال فرمائیے۔

فاؔرسی تو وہ زبان ہوئی جو تمام ملک میں بولی جاتی یا سمجھی جاتی تھی۔

پہلوؔی بیرون شہر کی زبان تھی اس میں قصبات و دیہہ و درۂ کوہ کے باشندے متفق اللسان تھے۔

درؔی دربار کی زبان تھی جس میں صفائی اور نزاکت حروف کو گھٹا بڑھا کر پیدا کی گئی تھی

زاولی قندھار و غزنی و زابلستان کی گفتگو کا نام ہے۔

سگزی۔ یہ وہ زبان ہے جو سیستان میں بولی جاتی تھی۔ عہدِ قدیم میں سیستان کا نام سکزی تھا۔

سغدی۔ سمرقند کے قرب و جوار میں سرسبز و شاداب قطعہ پر ایک نامور اور آباد شہر تھا یہ زبان اُس شہر کی طرف منسوب ہے۔

ہروی ہرات و مازندران کی زبان ہے۔

قدیم و جدید زبان | جسے عہدِ قدیم کی فارسی زبان دیکھنے کا شوق ہو وہ ژند و پاژند و دساتیر کو دیکھے۔ ان کتابوں کے جو فقرات یا کچھ حصص ملتے ہیں اُن کو جب عہدِ جدید کی فارسی سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو صاف طور پر دکھائی دے جاتا ہے کہ یہ لفظ کیوں کر کیا سے کیا ہوتے گئے محض تفننِ طبع کے طور پر ہم پانچ چار لفظ لکھے دیتے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سخندانِ فارس

پاژند	ژند	پھلوی	فارسی
انبار	ہاں بار	انبار	انبار
شرم	فشارما	شرم	شرم
ان سپاس	۔	اسفاس	ناسپاس
اکنین	۔	اکنی	اکنوں
اخان	۔	خوانو	خان

انھیں چند لفظوں کو دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ تعلیم تہذیب تمدن و سویلیزیشن اس طرح

آہستہ آہستہ زبان میں تصرف کرتے رہتے ہیں کہ ایک صدی کے اولٹ پھیر کے بعد زبان کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ اہل شہر اور اربابِ علم کی زبان صفائی اور لچک رکھتی ہے۔ قریہ و دیہہ کے باشندے اپنی زبان میں سختی اور لہجے میں درشتی رکھتے ہیں ان کی ضرورتیں تھوڑی ہوتی ہیں اور ضرورت کی پوری کرنے والی چیزیں ضرورت سے بھی کم خیالات محدود، واقفیت کا دائرہ بہت ہی چھوٹا اس لئے الفاظ کا ذخیرہ بھی ان کی زبانوں میں قلیل ہوتا ہے لیکن ان کی خالص ملکی زبان ہوتی ہے۔ اس لئے شعرائے ایران کبھی کبھی پھلوی زبان کی مدح کا راگ گاتے ہیں۔ چوں کہ وہ اصلیت پر قائم ہے شہر کے باشندے تمدن کے گھوارے میں زندگی بسر کرتے ہیں ناز پروردگی و تنعم ضروریات روزافزوں کرتی رہتی ہے تبادلۂ خیالات سے دماغ میں وسعت پیدا ہوتی ہے، علمی مضامین صیقل و جلا کرتے رہتے ہیں۔ اسی سے الفاظ کا اکتار رہتا ہے اور اُن میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔ پس شعراجب زبان کی لطافت و نزاکت کا خیال کرتے ہیں تو دری زبان کی ثنا میں رطب اللسان پائے جاتے ہیں۔ نظامی فرماتے ہیں ؎

نظامی کہ نظمِ دری کارِ اوست چنیں نظم کردن سزاوارِ اوست

اُردو کی مثال اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہندوستان کی سرزمین میں جب اُردو پیدا ہوئی ہے اُس وقت کے الفاظ کو دیکھئے پھر جو اُن میں تغیر پیدا ہوا اُس کو دیکھئے مثلاً سوں بجائے سے۔ ہمن کو بجائے ہم کو۔ نمن بجائے طرح یا مثل۔ بھیتر بجائے اندر اسی طرح جب انگریزی سلطنت مع اپنے تمدن و علوم کے ہند پر حکومت کرنے لگی تو کتنے لفظ نئے داخل ہو کر اُردو کے وسیع کرنے والے ہوئے اور کتنے الفاظ کے مفہوم و معنی

متغیر و متبدل ہو گئے مثلاً گلاس، لالٹین، فلالین، کوچبان وغیرہ یہ سب یورپ سے آئے ہوئے ہیں جنہوں نے ہندی لباس پہن لیا ہے۔

تغیر معنی کی مثال کوٹھی پہلے مہاجنوں اور تاجروں کی کاروبار کی جگہ کو کہتے تھے اب اُس کے زیادہ مستعمل معنی ایسے مکان کے ہیں جس میں یورپ کی شان باعتبار ساخت و آرائش ہو۔ صاحب ایک تعظیمی لفظ تھا معزز القاب کے ساتھ بولا جاتا۔ مولوی صاحب خان صاحب اب اُس کے معنی یوروپین یا ہندی یوروپین وضع و معاشرت رکھنے والا۔ اسی طرح تعلیم یافتہ کے اصلی معنی ظاہر ہیں لیکن اب اس کا اطلاق انگریزی داں پر ہوتا ہے بشرطیکہ کچھ مغربیت کی اداؤں پر فریفتگی رکھتا ہو۔

غرض جس طرح اردو زبان امتداد زمانہ و انقلاب حالات سے متغیر ہوتی رہی اسی طرح ایران کی زبان بھی موقع موقع متبدل ہوتی گئی۔ اگر تحقیق کی نظر سے اُن اوراق کا مطالعہ کیا جائے جو جابجا بکھرے ہوئے اب بھی پائے جاتے ہیں تو صاف طور پر یہ واضح ہو سکتا ہے کہ ایرانی زبان بھی ٹھیک اُسی طرح جیسا کہ ایک طفلِ شیر خوار ہُوں ہاں غُوں غاں سے دیباچہ اپنی گویائی کا شروع کرتا ہے فارسی زبان بھی اپنے عہدِ طفلی کی منازل کو طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی جاتی ہے۔ لیکن مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے لئے شاعری کی محتاج ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ زبان میں اصلی حسن و خوبی اور نزاکت شاعری سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کلام شعر کے ہی سانچے میں ڈھل کر سچا اور صحیح فوٹو جذبات کا ہوتا ہے پس اس کے لئے زبان فارسی ہمہ تن عربوں کے مبارک قدم کی منتظر معلوم ہوتی ہے۔

فارسی شاعری پر عربی شاعری کا اثر اس میں شک نہیں کہ بعض محبانِ ایران کو یہ بات تلخ

گزرتی ہے کہ عرب کو شاعری میں ایران کا استاد کیوں کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعہ یوں ہی ہے۔ پس مجبوری ہے۔ بعضوں نے اس ثبوت میں جو متفرق اشعار یا بعض مصطلحات شعریہ پیش کیے ہیں وہ خود اُن کے ردِ دعوی کے دلائل ہیں یا شہادت میں ناقص۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے بہرام نے اور اُس کی معشوقہ نے مل کر ایک شعر برجستہ موزوں کیا تھا، اور یہی شعر سنگِ بنیاد ایران کی شاعری کا ہے۔ بہرام نے جب ایک شیر کو زندہ پکڑ لیا اور اُسے اس قدر زیر و مجبور کیا کہ دونوں کانوں کو اُس کے کھینچکر گرہ باندھ دی تو بہادری کے جوشِ فخر میں بے ساختہ اُس کے مُنھ سے یہ مصرع نکلا

منم آں پیلِ دماں و منم آں شیرِ یلہ

اُس کی معشوقہ جو بہت ہی حاضر جواب تھی اور جو ہمہ دم اُس کے ساتھ رہتی تھی اُس کی طرف بہرام نے ایک نگاہ تحسین طلب ڈالی۔ اُس نے برجستہ یہ مصرع کہا

نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

اگر اس واقعہ کو بعینہٖ اسی طرح مان لیا جائے تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لفظِ بوجبلہ عرب کی استادی کا کیا ثبوت نہیں دے رہا ہے؟ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ بہرام نے دیارِ عرب میں پرورش پائی تھی اور مصرع یوں ہے نام بہرام مرا و پدرم بوجبلہ یوں ہی سہی۔ پھر بھی تو مجیب نے عرب کی اُستادی ہی ثابت کی۔

اس کے علاوہ چند اور متفرق اشعار ہیں۔ من جملہ اُن کے ایک یہ شعر ہے ؎

ہزبرا بگیہاں انوشہ بدے   جہاں را بدیدار نوشہ بدے

اِس کے متعلق ہمدردانِ ایران یہ روایت کرتے ہیں کہ عضدالدولہ دیلمی کے عہد میں بعض جو عمارتیں قصرِ شیریں کی قائم تھیں اُن کے کسی دروازہ پر یہ شعر کندہ تھا۔ لیکن اس شعر کا انداز خود اپنی قدامت سے انکار کرتا ہے۔ یہ دعائیہ شعر اور عمارت کے در پر کندہ۔ یہ تو موزوں فقرات ہیں جو شعر کے قالب میں لائے گئے ہیں۔ اہل ایران حضور شاہ میں انھیں فقرات سے سلام و تحیۃ پیش کرتے تھے۔

اسی طرح خانِ آرزو کا یہ کہنا کہ "سلاطینِ قدیمہ میں سے فرہوش نام ایک عالی شان بادشاہ تھا اس کے دربار میں گروہِ کثیر اہل سخن کا حاضر رہتا تھا۔ ان میں سے شیدوش شاعر نے ایک موقع پر بادشاہ بیگم کے حق میں کہا ؎

زنِ شاہ ہست در داور گردا گوزگردد ندارد بیم از کس

(زبانِ قدیم میں درداور بمعنی شجاعت۔ گردا بمعنی سمندر۔ گوز بمعنی ہرن) یعنی بادشاہ بیگم شجاعت میں سمندر ہے ہرن کی طرح پھرتی ہے اور کسی سے نہیں ڈرتی"۔ فارس جیسا ملک جس میں چار سلسلے سلاطین باآئین کے گزر گئے اور ایسے شان و شکوہ کے ساتھ سلطنت کر گئے جس کی باتیں آج افسانے ہیں علوم و فنون اس کے یونان و روما کا پہلو مارتے ہیں۔ گلزار زمین، خداداد حسن تفریح کے سامان اور عیش و طرب میں پرستان طبیعتیں زندہ اور شعر کی قوت یہ۔ شاہی دربار کا شاعر بادشاہ بیگم کی مدح سرائی کرے اور وہ مدح ایسی ہو اگر ایران جیسے ملک کے لئے ایسی شاعری مایۂ ناز و فخر ہے اور ملک کی سرسبزی و شادابی آب ہوا کی تازگی و ولولہ انگیزی نے اسلام سے قبل ایسے ہی شاعر دربار شاہی کے لئے

پیدا کیئے تو کسی کو اس کے ماننے میں کوئی عذر نہیں کہ ایران ہمیشہ سے شاعر تھا۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھائیے تو دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ ملے گا جو ایسے باکمال شاعر ہر وقت تعداد کثیر میں پیش نہ کر دے۔ یادش بخیر قوم افغان جو آج ہند کے مختلف گوشوں میں آباد ہی اُس میں رامپور کے بے پڑھے پٹھان چار بیتی کہتے ہیں۔ وہ سماں دیکھنے کے قابل ہوتا ہی۔ پھر ہر فریق جو کچھ کہتا ہی وہ ان اشعار سے کہیں زائد پر معنی ہوتا ہی۔

افسوس ایران کو عربوں کا شاعری میں شاگرد کہنا اُس کے پایۂ منزلت کو کچھ کم نہیں کرتا ہی۔ لیکن ایسے باکمالوں کا کلام اور پھر شعرا کی فہرست میں اُن کے اسمار کا شمار بیشک اُن کی شان کے منافی ہی۔ یہ خان آرزو کی ذاتی آرزو ہی جس نے چند متروک لفظوں کے ساتھ شعر کی صورت میں ظہور کیا ہی۔ دیکھیے ارباب یورپ کی جستجو نے پہلوی زبان کی متعدد کتابیں بہم پہنچائیں۔ جو علوم و فنون کہ ایران میں تھے اُن کا نہ صرف سُراغ ہی ملا بلکہ حکما و ارباب فن کے اقوال و اسمار تک معلومات کی رسائی ہوئی۔ لیکن نظم کے متعلق نہ تو ایک شعر مل سکا نہ کسی شاعر کا نام ہی معلوم ہو سکا۔ کیا زبان قدیم اور علوم و فنون تو اپنا نشان دینے کے لئے زندہ رہ گئے مگر فنِ ادب و انشا کا بہترین سرمایہ لٹریچر کا نادرالوجود گنجینہ (یعنی نظم)، خود قوم کے کنج خانۂ دماغ اور اہل وطن کے حافظوں سے اس طرح محو و سہو ہو گیا کہ ایک دھندلا سا نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ پس جس طرح ایران عربوں سے مفتوح ہونے کا انکار نہیں کر سکتا اُسی طرح اُن کے اس احسان کو بھی مٹا نہیں سکتا کہ دینِ صحیح کی تلقین کے بعد شاعری بھی فاتح و جواد عرب کا ہی عطیہ ہی۔

دوسری بدیہی دلیل یہ ہی کہ شاعری زبان کو بہت جلد تراش خراش کر گھٹا بڑھا کر مہذب و نازک بنا دیتی ہی ایران پر چار خاندانوں نے مسلسل صدیوں تک حکومت کی میدانِ کارزار کی جو گرما گرمی رہی وہ شاہنامہ سے ظاہر ہی۔ شاہنامہ جہاں اُن کے طرزِ جنگ و فنِ سپاہگری کو بتاتا ہی وہاں وہ ایران کا دائرۃ المعارف یعنی انسائکلوپیڈیا کہے جانے کا بھی مستحق ہے۔ اہل ایران کی معاشرت باہمی تعلقات ماکل و مشارب لباس و پوشاک ان سب کا جہاں اُس سے سُراغ ملتا ہی وہاں شاعری کا نام و نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ جس عہد کی داستانیں ہیں اُس وقت کے کسی شاعر کا ذکر بلکہ اسم تک نہیں پایا جاتا۔ پھر خود شاہنامہ کی زبان ایسی ہی جس میں بہت کچھ سختی و سنگینی ہی جس کو فردوسی سے بعد آنے والوں نے بنا سنوار کر اُس درجہ تک پہنچایا جہاں پہنچ کر وہ مسندِ کمال پر مستقر ہو گئی اور یہ ساری ترقی چوتھی صدی سے شروع ہو کر پانچویں صدی پر ختم ہو جاتی ہی۔

دورِ اوّل کے شعرا کے کلام کو پڑھیے بندش ڈھیلی الفاظ پھس پھسے۔ بے ضرورت حروف کا بڑھنا گھٹنا بے قاعدہ متحرک کو ساکن ساکن کو متحرک بنا دینا نہایت بے موقع لفظ فارسی کو مشدد کر دینا آپ جا بجا پائیں گے۔ اس پر الفاظ کا ثقل اور بھی غضب ڈھاتا ہی۔ اضافتِ تشبیہی کا نام نہیں استعارہ خال خال جس میں کوئی ندرت نہیں اگر وزن کو توڑ دیجئے تو ڈھیلی عبارت نثر کی ہو جائے۔ شعر میں وہ چستی نہیں کہ الفاظ تھوڑے اور معنی وسیع کو محیط۔ یعنی ایک شعر کا مضمون اگر نثر میں لایا جائے تو دو سطریں ہوں یہ سب اس امر کے بین ثبوت ہیں کہ ابھی شاعری کی مشقِ اوّل ہی زبان ترقی پا کر شاعری تک آ گئی لیکن شاعری

اپنے عہد طفولیت میں ہے - اس سے بھی بڑھکر یہ ثبوت ہے کہ اس وقت جو کلام دور اول کے شعرا کا پایا جاتا ہے اُس میں اگر کوئی شعر اپنے معنی کی وجہ سے بلیغ ہے تو وہ بعینہٖ ترجمہ کسی عربی شعر کا ہے۔ اس کثرت سے عربی اشعار کا ترجمہ قدیم شعرائے ایران کے کلام میں پایا جاتا ہے جس سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ ابتدائی مشق اس طرح شعر کی گئی ہے کہ عربی اشعار کو فارسی میں ترجمہ کیا ہے - پھر اُسے نظم میں لے آئے ہیں۔ اگر شاعری ایران میں قبل از اسلام موجود ہوتی تو ناممکن تھا کہ جہاں عرب کے کلام کو منظوم کیا تھا وہاں اپنے شعرائے سلف کے کلام کو بھی موجودہ زبان کا لباس نہ پہناتے۔ دیکھئے کعب ابن زہیرؔ جو عرب کے مشہور شعرا میں سے ہیں سبعہ معلقہ کے سات قصیدوں میں سے ایک ان کا قصیدہ بھی ہے وہ ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

مَا اَرَانَا نَقُوْلُ اِلَّا مُعَاراً　　　اَوْ مُعَاداً مِنْ قَوْلِنَا مَکْرُوْرا

یعنی ہم جو کہتے ہیں وہ اگلوں سے مستعار لیا ہوا خیال ہوتا ہے یا اپنے ہی ایک بار کے کہے ہوئے کو پھر دہرا دیتے ہیں - جیسا کہ شراب کی مدح میں اعشیٰؔ کا ایک شعر ہے ؎

وَکَاْسٍ شَرِبْتُ عَلٰی لَذَّۃٍ　　　وَاُخْرٰی تَدَاوَیْتُ مِنْہَا بِہَا

یعنی پہلا ساغر تو میں نے لذت و سرور کے لئے پیا، لیکن دوسرے جام سے اُس درد کی دوا کی جو پہلے پیالے سے پیدا ہو گیا تھا - اسی مضمون کو بغداد کا مشہور شاعر ابونواسؔ عجب مستانہ طرز سے ادا کرتا ہے ؎

دَعْ عَنْکَ لَوْمِیْ فَاِنَّ اللَّوْمَ اِغْرَاءُ　　　وَدَاوِنِیْ بِالَّتِیْ کَانَتْ ہِیَ الدَّاءُ

یعنی ملامت کرنا چھوڑ اس لئے کہ ملامت شراب نوشی پر تو اور بھی برانگیختہ کرتی ہے۔ ہاں جو مرض ہے اُسی سے دوا کر (یعنی شراب لا)۔ اسی ابو نواس کا دوسرا شعر وہ ہے جو اُس نے فضل بن ربیع کی شان میں کہا تھا جس میں بلا کا اچھوتا تخیل ہے ؂

لَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ   اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ

یعنی قدرت خداوندی کے نزدیک یہ کیا محال ہے کہ وہ ایک شخص واحد میں ایک عالم کو جمع کردے۔ بغداد کی گلی گلی میں اس شعر کا چرچا پھیل گیا۔ لوگوں نے ابو نواس سے پوچھا کہ یہ نادر خیال تمھاری قوتِ متخیلہ نے کیوں کر پیدا کیا۔ اُس نے کہا کہ جریر کے ایک شعر سے یہ مضمون ماخوذ ہے۔ اُس نے قبیلہ بنو تمیم کے مدح میں جو قصیدہ کہا ہے اُس کا ایک شعر یہ ہے ؂

اِذَا غَضِبَتْ عَلَیْکَ بَنُوْ تَمِیْمٍ   حَسِبْتَ النَّاسَ کُلُّھُمْ غِضَابَا

یعنی جب تم سے بنو تمیم غصہ ہو جائیں تو سمجھ لو کہ تمام بنی آدم تم سے غصہ ہو گئے۔ اب اسی مضمون کو عنصری کہتا ہے ؂

کس از خدائے ندارد عجب اگر دارد   ہمہ جہان را اندر یکے تنِ تنہا

کیا یہ ابو نواس کے شعر کا ترجمہ نہیں کیا اس کی بندش ڈھیلی نہیں۔ پورے شعر میں ابو نواس کے جس قدر الفاظ ہیں اُس قدر یہاں ایک مصرع میں موجود ہیں پس اگر ایران میں شاعری پہلے سے ہوتی تو جس طرح ابو نواس نے جریر یا اعشیٰ کے شعر سے ایک مطلب لیکر اپنی چست بندش سے شعر کو کہاں سے کہاں پُہنچا دیا اُسی طرح اہلِ ایران بھی اپنے اسلاف کے کلام کو بلند کر دکھاتے۔ لیکن جب کہ اسلاف کا خزانہ اس گنج سے خالی ہو تو یقیناً دوسرے

کی طرف دستِ تمنا دراز کرنا ہوگا۔ اسی بنا پر انوری نے اپنے محسن و معطی کی سپاس گزاری اور اُن کی تقلید و تلمذ کا نہایت فراخ حوصلگی سے اقرار کیا ہے وہ کہتا ہے ؎

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود　　اوّلِ شاں امرألقیس آخرِ شاں بونواس

اب صرف اس امر کو مقامِ دلیل میں لانا کہ اصنافِ سخن کے لئے اصطلاحیں خالص فارسی لغات میں موجود ہیں یہ اسلام کی بے تعصبی و نصفت پسندی سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے کبھی کسی کے مذہب یا زبان سے تعرض نہیں کیا۔ یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جو براہین و دلائل کا محتاج نہیں ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

لیکن اب اس کو کیا کیا جائے کہ خود ہی باطل صدق وحق میں آہستہ آہستہ جذب ہوتا گیا۔ اور اس طرح ایرانی مذہب نیست و نابود ہو کر تقریباً ایرانی مسلم کا مرادف ہو گیا۔ اسی طرح عربی زبان (جو بولتی زبان ہے) اپنی گویائی و نطق سے بے معنی صداؤں کو خاموش کرتی گئی۔ اُس وقت کہ اسلام کا مبارک قدم ایران میں آیا ہے اُن کی اپنی زبان پوری قوت کے ساتھ زندہ تھی۔

فارسی میں اصطلاحات شعریہ اسلام کی بے تعصبی اور زبان کی زندگی دونوں نے مل کر اہلِ ایران سے اصطلاحات وضع کرائیں۔ فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایران فتح ہوا۔ اُس وقت سے لیکر ابتدائے عہد حجاج تک دفتر کی زبان فارسی رہی۔ دفاتر جب خلیفہ کے سامنے معائنہ کے لئے پیش ہوتے تو اُن کا ترجمہ عربی میں ہو کر ملاحظہ کے لئے آتا۔

خدا کی بے شمار رحمت اُن نفوسِ قدسیہ پر جنہوں نے براہ راست بارگاہ نبوت سے تزکیہ و تصفیہ حاصل کیا تھا جس کی بدولت ان میں اس قدر بے تعصبی و شفقت علی الخلق پیدا ہوگئی تھی۔ اُن کے حوصلے کی بلندی و دماغ کے وسعت نے کبھی اس طرح کی تنگ خیالی کا وہم بھی ہونے نہ دیا۔ یہ تو صرف عربی زبان کے ذاتی محاسن و کمال کا نتیجہ تھا جو فارسی زبان نے غریب الوطن بدیسی عربی مہمان کو اس فراخ دلی سے اپنے ہم وطن جیسا بنا لیا۔ حکومت عربوں کی تھی عمال و گورنر عرب ہی ہوتے تھے۔ رعایا کو آئے دن جو ضرورتیں پیش آتی تھیں اُن کے انصرام کے لئے نیز حکام کے ساتھ تعلقات و روابط کو صحیح طور پر مستحکم بنانے کے لئے عربی سیکھنے کی اُنھیں ضرورت پیش آئی۔ جب عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور اس زبان سے اہل ایران مانوس ہوئے تو اُس کے ہر لفظ میں جو فلسفہ تھا اُس کی خوبی نے اُنھیں اپنا والہ و شیدا بنا لیا۔ اب جو دیکھا تو عربوں کے پاس اظہار جذبات کا فوٹو بھی تھا جسے وہ شاعری کہتے تھے۔ فارسیوں نے زبان عربی کے ساتھ اس نقاشی اور فوٹوگرافی کو بھی سیکھنا شروع کر دیا۔ اہل ایران کے لئے شاعری ایک عجیب و غریب شئے تھی جس کی لذت سے قبل میں وہ قطعاً آشنا نہ تھے۔ پس ملک کے ہر فرد کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لئے تعلیم یافتہ اشخاص نے اُسی وقت فارسی زبان میں ہر صنفِ سخن کے لئے ایک علیحدہ اسم قرار دیا اور اس طرح اصطلاحاتِ شعریہ کا وجود عالمِ لغت میں آگیا۔ نظم کا نام "چامہ" نثر کا "چکامہ" غزل کا "پیوستہ" قصیدہ کا "پرگندہ" وزن شعر کا "پساوند" اسم و رسم قرار پایا۔ لیکن عربی زبان کا ایک ایک لفظ جو فلسفہ و حکمت سے لبریز تھا اور جس میں اپنی وسعت و حلاوت کے سبب یہ کمال تھا

کہ ہر طرح کے خیالات بلا تخصیص بہت سہولت سے پوری طرح ادا ہو جاتے تھے۔ اُس نے اپنی حلاوت و شیرینی سے بہت سے مواقع پر فارسی کے لب بند کر دیے اور بہت سے الفاظ فارسیہ اُس کے وسیع دامن میں گم ہو گئے۔ جب میزبان و مہمان باہم شیر و شکر ہو کر مل گئے تب روزمرہ کی گفتگو میں بھی چاشنی الفاظ عربی کی ہوئی۔ وہ کلام بے نمک ہوتا، وہ تقریر بے مزہ ہوتی جس میں عرب و عجم کی آمیزش نہ ہوتی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب اپنی زبان کے الفاظ ایک معتد بہ مقدار میں اُن سے متروک ہو گئے اور اُن کی جگہ صرف عربی الفاظ رہ گئے۔ اب نہ نظم کا نام چامہ رہا نہ نثر کا چکامہ۔ ہاں ان مصطلحات کا وجود صرف لغات میں مثل دیگر متروک الفاظ کے رہ گیا۔ اب باوجود ان قرائنِ واضحہ کے پھر بھی یہ دعویٰ اور اس پر غلو کہ ایران میں شاعری پہلے سے تھی یہ تو محض خوش اعتقادی و وہم پرستی اور دورِ آخر کے تعصب کا نتیجہ ہے جس کے سامنے تمام دلائل بے سود ہیں۔

آب و ہوا کا اثر شاعری پر

ہاں یہ ضرور ہے کہ ایران میں جب شاعری آئی تو اس نے یہاں پہنچ کر نئی نئی حسین شکلیں پیدا کر لیں اور ملک کی آب و ہوا نے اپنی شادابی و تازگی سے بہت جلد فارسی شاعری کو ایک عروسِ دل آرا بنا دیا۔ لیکن پھر بھی بعض خصوصیاتِ عرب ایران میں نہ آسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعری پر ملک کی آب و ہوا کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے جو چیزیں کہ نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں اور خصوصیات ملکی جس طرح کے جذبات و کیفیات قلوب میں پیدا کیا کرتی ہیں اُسی کو شاعری کا مایۂ خمیر سمجھنا چاہیے۔ اس لئے ہر ملک کا باشندہ اپنے پسند کا معیار جداگانہ رکھتا ہے۔ ایک ہندی عاشق زلفِ معشوق کی

تشبیہ و توصیف میں بھونرے اُڑتا ہی، برسات کی رات اور کالی گھٹا کو اُس کا عکس بتاتا ہی۔ عرب زغال یعنی کوئلہ کو شرمندہ کرتا ہی۔ جی چاہتا ہی تو عنبر و مُشک سے بھی دماغ معطر کر لیتا ہی۔ ایرانی سنبل سُنگھاتا ہی۔ اہل یورپ سونے کو مقابل میں لاتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے ملک کی خصوصیتیں ہیں۔ قاعدہ ہی کہ جس چیز سے انسان کو راحت ملتی یا فرحت و انبساط حاصل ہوتا ہی تو اُس چیز کے ساتھ ایک گونہ دل کا لگاؤ ہو جاتا ہی۔ پھر جب کہ وہ چیزیں اپنے ہی ملک کی ہوں تو پھر دلی میلان کا کیا پوچھنا۔ دیکھئے عرب کا ملک ریگستان اور کوہستان ہی۔ پتھریلی خاکی، ہموار ناہموار نشیب و فراز متعدد اقسام کی زمین اُس میں تھی۔ پھول اور پھل کے درخت کا وہاں نام تک نہ تھا۔ جو درخت پائے جاتے تھے وہ روکھے سوکھے اور اکثر خاردار تھے۔ زراعت کے لئے نہ زمین قابل تھی، نہ پانی میسر تھا۔ عربوں کا اسی ملک میں رات دن رہنا سہنا اور خانہ بدوش پھرنا کام تھا۔ قدرت نے ان کے زندہ رہنے کے لئے دو چیزیں دے دی تھیں حیوانوں میں اونٹ اور نباتات میں کھجور۔ انھیں دو چیزوں سے عربوں نے ہر طرح کے سامان عیش و حیات اپنے لئے پیدا کر لئے تھے۔ دشوار گزار کوہستانی و ریگستانی منازل کو اس عجیب الخلقت جانور کی مدد سے طے کرتے تھے اس کی اُون سے کپڑے بناتے اس کی کھالوں کا خیمہ بنتا اس کے دودھ سے پورا کنبہ پرورش پاتا۔ ذبح کر کے اس کے گوشت سے پورے قبیلہ کی دعوت کرتے اور دادِ سخاوت لیتے۔ یہی حال کھجور کا تھا۔ اُس کو کھاتے اُس کے شیرے سے ہر طرح کی شیرینی بناتے اُس کی شاخوں سے مکان چھاتے اُس کو کاٹ کر ستون بناتے

غرض یہ اونٹ اور کھجور چونکہ عربوں کی ہر طرح کی راحت کا سامان تھے اور ان کا کوئی جزُ اُن کے لئے بے کار نہ تھا اس لئے اُن کے کلام میں ان دونوں کے لئے بکثرت لغات وضع ہوئے۔ استعارے اور تشبیہ میں ان دونوں سے کام لیا گیا۔ ان دونوں کی مدح میں طرح طرح کے راگ گائے گئے۔ یہ سب اس لئے کہ ان دونوں نے عربوں کو بہت ہی آرام پہنچایا تھا۔ اور خود انکے ملک کی چیزیں تھیں پھر کیا وجہ جو عربوں کو محبوب نہ ہوتیں۔ عرب کی آب و ہوا جس طرح کے جذبات دلوں میں پیدا کرتی ہے وہی شعرائے عرب کے گلزارِ کلام کا شگفتہ چمن ہے اب اگر کسی ملک کا باغ اس تختۂ چمن سے محروم ہو تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔

اقوام و امم کا مورخ جب عرب کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے تو اُسے عربی قوم کے خون کا نظام تمام اقوام عالم سے جدا اور غیرت و شرافت انسانی سے مالامال دکھائی دیتا ہے۔ آزاد عرب حریت کے دالہ و شیدا شجاعت و سخاوت کے دلدادہ جفاکشی و محنت کے عادی غیرت و حمیت کے فدائی کاہلی و بزدلی سے نفور بخل و دنائت سے بمراحل دور۔ غرض یہ کہ محکومیت کے شکنجے سے مامون رہ کر آزاد زندگی بسر کرنے والے اور فضائے حرّیت میں جذباتِ فطری کو نشو و نما دینے کے عادی تھے۔ ہمت کی وہ پستی اور حوصلے کی وہ تنگی جو مسلسل محکومیت سے قوم میں پیدا ہو جاتی ہے اُس سے قطعاً آشنا نہ تھے۔

اس لئے ایام جاہلیت کے قصائد دوسروں کی تعریف میں بہت کم ہیں اور جو کچھ ہیں وہ ممدوح کے واقعی اوصاف کے مظاہر ہیں۔ حرص و آز عرب کی قوّتِ بیانیہ کو جنبش دے نہیں سکتے تھے۔ جیسا کہ بنو تمیم نے جب کہ ایک شاعر جاہلیت سلامہ بن جندل کے سامنے یہ درخواست

پیش کی کہ مجّدْنَا بِشِعْرِکَ یعنی اپنے اشعار مدحیہ سے مجھے عزت بخش تو اُس نے نہایت صفائی سے یہ جواب دیا کہ اِفْعَلُوا حَتّٰی اَقُوْلَ یعنی کچھ کر دکھاؤ تو ہم بھی کچھ کہیں۔

عربی شاعری کی بنیاد کمالات ذاتی پر ہی

عرب کی شاعری ہمیشہ اس عیب سے پاک و صاف رہی کہ اُس کی فصاحت و بلاغت اور اُس کا جوشِ بیان سلاطین و امرا کے خوف و طمع سے مرعوب و مرہون نہ رہا۔ عربوں میں شاعری کی ابتدا رجز خوانی سے ہوئی اور یہ صنفِ کلام کمالاتِ ذاتی چاہتی ہی، نہ ثنائے ملوک و اہل دول۔ اس لئے شعرائے عرب کے قصائد اُن کے محاسن و فضائل کے روشن آئینے ہیں جن میں جوہر ذاتی کے تمام خط و خال جھلک رہے ہیں اور اُن پر یہ شعر صادق آتا ہی ؎

نے گلم نے بلبلم نے شمع نے پروانہ ام　　عاشقِ حسنِ خودم بر حسنِ خود دیوانہ ام

عربی شاعری اسی پیمانے پر اُس وقت تک رہی جب تک عرب کا تمدن ایران کی دل فریب معاشرت سے ہم آغوش نہ ہوا۔ دیکھے عرب جب بے یار و مددگار رہ جاتا ہی اور حوادثِ دہر اُس سے خویش و اقارب احباب و اعزہ کو چھین لیتے ہیں تو وہ اپنی اُس بیکسی و تنہائی کو بھی اپنی اُسی شجاعت و خودداری عزم و استقلال کے لہجے میں بیان کرتا ہی ؎

ذَھَبَ الَّذِیْنَ اُحِبُّھُمْ　　وَبَقِیْتُ مِثْلَ السَّیْفِ فَرْدًا

(جن لوگوں کو میں دوست رکھتا تھا۔ وہ سب کے سب چل بسے اور میں مثل تلوار کے تنہا رہ گیا)

اسی طرح مصیبت کے وقت دوسروں کا دست نگر ہونا یا مضطرب و بے قرار ہو کر اپنے پائے استقامت کو متزلزل کرنا عرب کی غیور طبیعت گوارا کر نہیں سکتی وہ شرافتِ نفس کو بدرجۂ غایت عزیز

رکھتا ہے اور حریت جیسے گراں مایہ جوہر کو سنگِ مصائب و اضطرار سے چکنا چور ہونے نہیں دیتا

وہ کہتا ہے ؎

فلو کان یغنی ان یری المرء جازعا　　بحادثۃ او کان یغنی التذلل

لکان التعزی عند کل مصیبۃ　　ونائبۃ بالحر اولی و اجمل

[اگر نزول حادثہ کے وقت مرد کا مضطر ہونا یا لوگوں کے روبرو ذلیل ہونا مفید معلوم ہو۔ تب بھی آزاد مرد کے لئے مصیبت میں صبر ہی زیبا تر و لائق تر ہے]

جنگ کی گرما گرمی میں جب کہ تلوار اور نیزوں کی چمک تیروں کی بارش لڑنے والوں کو فرار کی راہ بتا رہی ہو اُس وقت عرب کا شاعر یوں کہتا ہے ؎

فلسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا　　ولکن علی اقدامنا تقطر الدماء

(یعنی ہم وہ نہیں ہیں جن کی ۔ایڑیوں پر خون ہے۔ بلکہ ہمارے خون کے قطرے بہہ کر قدم پر گرتے ہیں)

عرب جس طرح کہ تذلیل نفس اور جبن و بزدلی کو اپنی شان کے خلاف جانتا ہے اُسی طرح بخل و مال اندوزی اُس کے علو ہمتی و شرافت عربی کے خلاف ہے۔ اُس کو مالکِ گنج و خزانہ کہنا اُس کی سخت توہین کرنی اور کھلی گالی دینی ہے ؎

اعیرتنا البانہا ولحومہا　　وذالک عار یا ابن ریطۃ ظاہر

(ہم پر اونٹوں اور اُن کے دودھ و گوشت کے بکثرت ہونے کا تو نے عیب لگایا ہے۔ اے ابن ریطہ اُس کا مصرف جب ہم بیان کرینگے تو تیرا یہ الزام جاتا رہے گا۔)

نحابی بہا اکفائنا و نہینہا　　ونشرب فی اثمانہا و نقامر

[اونٹوں کو ذبح کرکے اعزہ واقارب فقرا و مساکین کو کھلاتے ہیں اور ان کی قیمتوں سے ہم شراب پیتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں]

ایک دوسرا شاعر اپنے اور اپنے قبیلہ کی نفرت و بریت بخل سے یوں بیان کرتا ہے ؎

وَاللُّومُ دَاءٌ لِوَبْرٍ یُقْتَلُونَ بِہٖ وَلَا یُقْتَلُونَ بِدَاءٍ غَیْرِہٖ اَبَدًا

[یعنی بنی وبر کے لئے بخل ہی ایک قاتل مرض ہے۔ اور بجز اس درد کے کسی اور مرض سے کبھی نہیں مرتے]

ایک تیسرا شاعر اپنے عزم بالجزم کا اظہار کرتے ہوئے اس طرح قسم کھاتا ہے ؎

بَقِیْتُ وَفْرِیْ وَانْحَرَفْتُ عَنِ الْعُلٰی وَلَقِیْتُ اَضْیَافِیْ بِوَجْہٍ عَبُوْسٍ

[میں بہت مال چھوڑ کر مروں اور بلندی مراتب کی طلب سے انحراف کروں اور اپنے مہمانوں کا استقبال ناگواری ترش روئی سے کروں]

اسی طرح وہ شرافتِ نسب کو اپنے اخلاق و شریفانہ جذبات سخاوت و شجاعت کا محافظ جانتے تھے۔ نسب کی بربادی کو اپنے لئے اپنے قبیلہ و خاندان کے لئے ایک مصیبتِ عظمیٰ جانتے اگر کہیں سلسلۂ نسب میں کچھ بھی نقص نکل آتا تو ساری عزت کا خاتمہ ہو جاتا۔ اخلاق و سیرت میں نسب کا دخل و اثر وہ یہاں تک تسلیم کرتے تھے کہ گھوڑے اور اونٹ کا نسب نامہ بھی اُن کے پاس ہوتا۔ اور حیوانوں میں بھی شریف و اعلیٰ نسب کو خراب و تباہ نہ ہونے دیتے۔ عرب کہتا ہے ؎

لَعَمْرُكَ مَا اَخْزٰی اِذَا مَا نَسَبْتَنِیْ اِذَا لَمْ تَقُلْ بُطْلًا عَلَیَّ وَمَیْنًا

[تیری جان کی قسم میں رسوا نہ ہونگا جب کہ تو میرا نسب صحیح صحیح ٹھیک بلا دروغ وافترا بیان کرے گا]

مضامین کے اعتبار سے یہ وہ خصوصیات ہیں جن کو ایرانی شاعر اپنے آپ میں پا نہیں سکتا صدیوں تک پیہم جو اُن پر زبردست حکومت رہی اُس نے اُن کے اُن جذبات کو فنا کر دیا جو عرب میں بدرجۂ کمال موجود تھے اور جس کا تلاطم اُن کے سینوں میں جب موجیں مارتا تو ایسے اشعار بے ساختہ اُن کے مُنہ سے نکلتے اور طرفہ یہ کہ اُن کے افعال اُن کے اقوال سے بھی بڑھکر آزاد و غیور رہتے۔

آب و ہوا کا ایک اور اثر

ملکی آب و ہوا کا ایک یہ بھی اثر تھا جو عرب اپنے اسلوب بیان کا انداز خاص رکھتا ہے۔ عموماً جب قصیدہ شروع کرتا ہے تو سامع کی دلچسپی اور اپنے مقصد کی دل آویزی کے لئے پہلے دیار یار کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں کے کھنڈروں اور آثار کو اپنی شاعرانہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ خود روتا ہے دوسروں کو رولاتا ہے۔ شکستہ در و دیوار کو کبھی خطاب کرتا ہے اور کبھی اُن پتھروں کو دیکھکر جن سے چولھے کا کام لیا جاتا تھا ایک نالۂ جگر دوز کرتا ہے۔ وہاں کی ہودج نشین مستورات کا تذکرہ تصویر درد و غم ہو کر کرتا ہے۔ مصیبت کی داستان جب کہ ایسے دل گداز پیرایہ میں بیان کی جائے تو سامع کی ہمدردی قائل کے ساتھ ہو ہی جاتی ہے۔ اب وہ یہاں سے مضامین عشقیہ کی طرف رجوع کرتا ہے جسے اصطلاح شعرا میں نسیب کہتے ہیں اُس میں اپنے عشق کے ولولے اور محبت کے جوش کو ظاہر کرتا ہے۔ فراق کے درد سے آہ سرد بھرتا ہے۔ یہ عشق و حُسن کی داستان اُن غم خوار سامعین کو اور بھی متوجہ و مائل بنا دیتی ہے۔ وہ کونسا دل ہے جو حُسن کا خواہاں نہیں اور کس کا قلب ہے جس میں عشق کی چاشنی نہیں۔ اِس قدر کلام کا حصہ جب سامع کو ہمہ تن گوش بنا دیتا ہے تو وہ

اپنے شعر میں سفر کرتا ہے۔ راتوں کی بیداری، تمازت آفتاب کی گرمی، لو کی لپٹ تند و تیز ہواؤں کے ہوش رُبا جھونکے، راستے کی ناہمواری، اونٹ کی مضبوطی و تیز روی اس کی بعد مسافت و شدائد سفر سے اس کی لاغری۔ غرض ایسی ایسی باتیں کہتا ہے جن سے اس کی جفاکشی استقلال ہمت و مردانگی ظاہر ہوتی ہے۔ اب وہ اپنے قصیدے میں گریز کرتا ہے اور کہتا ہے جو کچھ کہنا چاہتا ہے۔ چاہے میدانِ جنگ کے اپنے شجاعانہ حملوں کا بیان کرے یا اپنی شرافتِ نسب و حریت کا خطبہ بلیغ پڑھے یا اپنے ممدوح کو اپنے کلام سے عزت بخشے

عربی قصائد کے چند اور لوازم

عربی قصائد میں علاوہ ان باتوں اور اپنے ذاتی فخر و مباہات کے (جس کے وہ ہر طرح مستحق ہیں)، چند اور چیزیں ہیں ایک تو اُن کا وہی محبوب جانور اونٹ جس کا بیان ہزاروں طرح سے عرب کرتا ہے اور پھر بھی اس کی طبیعت سیر نہیں ہوتی دوسرے پہاڑ اور ریگستان اور ان مقامات کے لوازم یہ وہ چیزیں ہیں جن کو وہ خوب کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ سب چیزیں عرب کے پیشِ نظر ہیں اور ان کا ملک ان چیزوں کے سوا اور کچھ اُن کے سامنے پیش نہیں کرتا اس لئے کلام بھی اور چیزوں کے ذکر سے مستغنی ہے۔

مناظر قدرت

ہاں کبھی کبھی بارش اور موسلا دھار پانی کی روانی بھی اُن کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ وہاں بھی اُونٹ اپنی ہیولانی صورت کے ساتھ پانی کا بند بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب کا مشہور شاعر ابن مطیر جب کہ والی مدینہ کے پاس پہنچا تو اس روز وہاں پانی خوب برستا تھا۔ والی نے فرمائش کی کہ آج کی بارش کے متعلق کچھ کہو۔ ابن مطیر نے کہا کہ پہلے منظر اور سماں دیکھ لوں پھر کچھ کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ ایک بلند مقام

پر چڑھا اور ہر طرف نگاہ ڈال کر کیفیت ملاحظہ کی - پھر جو والی کے پاس آیا تو ایک قصیدہ تیار تھا - لیکن بادل کی تشبیہ اونٹ سے دی گئی اور پورے قصیدے میں اسی کا تلازمہ رہا اسی ذیل میں جو اشعار کہ گھنگھور گھٹا اور موسلا دھار پانی اور بجلی کے چمک میں کہہ گیا ہے وہ عجب بلاغت کا نمونہ ہیں - ملاحظہ ہو ؎

مُسْتَضْحِكٌ بِلَوَامِعٍ مُسْتَعْبِرٌ ۔۔۔ بِمَدَامِعٍ لَمْ تَمْرِهَا الْاَقْذَاءُ

فَلَهٗ بِلَا حُزْنٍ وَلَا بِمَسَرَّةٍ ۔۔۔ ضَحِكٌ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ وَبُكَاءُ

(بادل بجلیوں کی چمک کے ساتھ ہنستا ہے اور لگاتار بارش سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خس و خاشاک میل کچیل سے صاف و شفاف آنکھیں ہیں جو آنسوؤں سے رو رہی ہیں بلا خوشی کے ہنستا ہے اور بلا غم کے روتا ہے اس کی ہنسی رونے سے ملی ہوئی ہے)

ذَابَ السَّحَابُ فَهُوَ بَحْرٌ كُلُّهٗ ۔۔۔ وَعَلَى الْبُحُوْرِ مِنَ السَّحَابِ سَمَاءُ

(سارے بادل پگھل کر دریا ہو گئے اور دریا پر بادل کا آسمان چھا گیا)

سُحْمٌ فَهُنَّ اِذَا كَظَمْنَ فَوَاحِمٌ ۔۔۔ سُوْدٌ وَهُنَّ اِذَا ضَحِكْنَ وِضَاءُ

(وہ بادل بہت ہی سیاہ ہیں مگر جب پانی بھر لیتے ہیں تو اس وقت کوئلہ ہو جاتے ہیں سیاہ ہیں مگر جب ہنس دیتے ہیں تو روشن ہو جاتے ہیں)

لَوْ كَانَ مِنْ لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاءُهٗ ۔۔۔ لَمْ يَبْقَ مِنْ لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاءُ

(اگر سواحل کے عمق سے ان دریاؤں میں پانی آیا ہوتا تو سواحل خشک ہو جاتے اور ایک قطرہ بھی پانی کا ان میں باقی نہ رہتا)

وہ اشعار جن میں بارش و باران ابر و سحاب کی تشبیہ اُونٹنی اور اُس کے شیر و حمل وغیرہ سے دی گئی ہی، اُن کو پیش کرنا فضول سمجھا۔ ہند کی سرزمین میں اُس کا بیان کیا لطف پیدا کر سکتا ہی۔ یہاں مقصود صرف اسی قدر ہی کہ شاعر جن چیزوں کو دیکھتا ہی اور جو اس جس طرح کے جذبات پیدا کرتے ہیں شاعر اُنھیں کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہی عربوں کے کلام میں قصائد ہیں اور مراثی ہیں اور یہ دونوں صنفیں نظم کی بدرجۂ کمال پائی جاتی ہیں۔ اور ان دونوں سے مقصود اپنے خصائص و فضائل کو زندہ رکھنا اور آیندہ نسلوں کو رغبت دلانا تھا۔ غزل اُن کے کلام میں اپنی مستقل حیثیت نہیں رکھتی ہی۔ چاہیے تو تشبیب کو غزل کہہ لیجیے۔ اسی طرح مثنوی کے صنف سے بھی اُن کا کلام خالی ہی۔ حالانکہ اس کا مواد جس اکثار و فراوانی کے ساتھ عربوں کے پاس تھا اُس کا اقتضا یہ تھا کہ ایک عظیم الشان کتب خانہ آج ایام جاہلیت کی مثنویوں سے مزین و آراستہ ہوتا بہت سی باتیں عربی شاعری میں اسی وجہ سے نہ آسکیں کہ اُن کا بیان صنفِ مثنوی کا خواہاں تھا ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم　　چناں کہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور

فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی

اب فارسی شاعری کی تاریخ اور اُس کی تدریجی ترقی اور اُن خصوصیات پر نظر ڈالنے کی حاجت ہی جو اس میں باعتبار مضمون اور انداز بیان کے پائی جاتی ہیں۔ تاکہ اُستاد اور شاگرد کی خصوصیتِ خاصہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔

محققینِ السنۂ مشرقیہ کا اس پر اتفاق ہی کہ فارسی زبان اپنے حسن و دل آویزی یعنی مرتبۂ شاعری تک پہنچنے کے لئے عربوں کی سراپا انتظار تھی۔ عرب اُستادنے شعر کی حقیقت اور اس کی

قوت و کیفیت سے اپنے تلامذہ کو آگاہ کیا اور کچھ ایسے خوش آیند لہجے میں دعوت شعر کی نغمہ سرائی کی کہ ایران کے تمام گوشے لبیک کی صدا سے گونج اُٹھے۔ یہ امر تو مسلّم ہو چکا کہ ایران میں شاعری کی ابتدا اکتسابی طور سے ہوئی۔ اب غور طلب یہ امر ہی کہ تعلیم یافتہ ایرانیوں نے پہلے پہل جو شاعری کے لئے زبان کھولی، وہ کلام کس زبان میں تھا۔ اگر معان نظر سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہی کہ پہلی مشق شاعری کی عربی ہی زبان میں کی گئی تاکہ اُستاد کی اصلاح سے کلام مرصع ہو جائے اور نکاتِ شعریہ کے دقیق مسائل اچھی طرح حل ہو کر سمجھ میں آ جائیں۔ جب عربی میں شعر کی مشق ہو گئی اور شعر گوئی کا طریقہ اور صحت کی راہ معلوم ہو گئی تو اپنی ملکی اور مادری زبان کی طرف فوراً متوجہ ہو گئے۔ اس لئے کہ علم ہو یا فن جب تک اُس پر غیر زبان کا قفل چڑھا ہوا ہی اُس میں کمال بہم پہنچانا اگر محال عقلی نہیں تو محالِ عادی ضرور ہی۔ اس لئے اہلِ ایران نے اپنی بحور بھی علٰحدہ قرار دیں اور انھیں جدید مقرر کردہ بحروں میں اُنھوں نے شاعری کی داغ بیل ڈال دی۔ لیکن ابتدائی اشعار کی یہ حالت تھی کہ جس طرح ایک بھولا آدمی سیدھی سیدھی باتیں کرتا جاتا ہی اُسی طرح فارسی کے وہ اشعار تھے جن میں بہت جلد رنگینی و چستی پیدا ہو گئی۔ اس کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے اس طرح خیال کرنا چاہیے کہ انسان کو کھانے کے لئے غذا، رہنے کے واسطے مکان، بدن ڈھانکنے کو ستر، حملۂ اعدا سے محفوظ رہنے کے لئے سپر اور حملہ آور ہونے کے لئے آلات درکار ہیں۔ اب انسان اپنی ان ضرورتوں کو جن چیزوں سے پورا کرتا ہی وہ دو قسم کی ہیں؛ ایک تو وہ جو اپنی موجودہ سادی اور خلقی صورت میں انسان کی

خدمت کے لئے زبانِ حال سے لبیک کی صدا بلند کر رہی ہیں جیسے غار و خندق سکونت کے لئے جنگلی برگ و بار غذا کے لئے، درختوں کے لمبے چوڑے پتے ستر پوشی کے لئے، پتھر کے ٹکڑے اور درختوں کی خشک و تر شاخیں اسلحہ بننے کے لئے ہر وقت طیار ہیں اور یہ وہ ادنیٰ مرتبہ انسان کے زندگی بسر کرنے کا ہے جسے خالق نے خود اُس کے لئے مہیا کر دیا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ان کی خلقی حالت پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ ان چیزوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے اس میں تغیر و تبدل، ترکیب و تحلیل کو عمل میں لائیں اور اس طرح مایحتاج فی الحیات میں ایک نئی شان پیدا کریں۔ جس قدر ناز پروردگی بڑھتی جائیگی اور عیش و تنعم کا سامان بہم پہنچتا جائیگا اور محفوظ رہنے کے وسائل قوی ہوتے جائینگے اُسی قدر تمدن کا پلہ گراں ہوتا جائیگا وہی قوم جو اشیاء کا استعمال ابتدا میں اس طرح کرتی تھی کہ صنعتِ عبد کا اُس میں کوئی حصہ نہ ہوتا تھا انتہا میں اگر اُن کے طریقِ استعمال کو دیکھا جائے تو صنعتِ عبد نے اس کی حقیقت بالکل گم کر دی ہوگی۔ اگر متمدن و غیر متمدن قوم کے مآکل و مشارب، ملابس و مساکن کو دیکھا جائے تو بہت اچھی طرح یہ حقیقت منکشف ہو سکتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال ایران کی شاعری کا سمجھنا چاہئے۔

حقیقت یوں ہے کہ پہلے پہل جس زبان میں شاعری کا آغاز ہوتا ہے اُس میں ابتدائی رفتار اسی آہستگی و سادگی سے ہوتی ہے۔ ورنہ نظم کمالِ سخن کی جگہ اہمال و لغویت کا دفتر بے معنی ہو جائے۔ ابتداءً شعرا کلام کو موزوں کرنے کی مشق کرتے ہیں پھر بہ تدریج ترقی کرتے جاتے ہیں، ورنہ اگر آغاز ہی میں بلند پروازی کی جائے تو یہ بجائے ملاءِ اعلیٰ پر پہنچانے

کے تحت الثریٰ تک لے جانے والی ہو۔

اُردو شاعری کی حالت بطور مثال کے

مثال کے لئے اُردو شاعری کی ابتدا اور پھر مرتبہ کمال تک پُہنچنے پر غور کرنا کافی ہے۔ شاعری نے جب ہندوستان کی اُس زبان میں جو اَب یہاں پیدا ہوگئی تھی اپنی جلوہ آرائی کی اُس وقت اُردو میں شعر کہنے والے وہ باکمال حضرات تھے جن کی نگاہوں میں دونوں شاعریاں عرب و عجم کی موجود تھیں۔ لیکن اُردو میں چوں کہ کوئی نمونہ موجود نہ تھا اس لئے سادگی ہی کا جامہ اُس کے لئے مستحسن سمجھا گیا۔

اُردو میں وؔلی کا وہی مرتبہ ہے جو رؔودکی کا فارسی میں ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ولی نے فارسی و عربی شاعری کا کافی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ پھر جو ولی کے کلام میں سادگی ہے اور الفاظ بغیر تراش و خراش کے ادا ہوتے ہیں، دور کے استعارات اور تشبیہات بھی نہیں پائی جاتیں وہ بجز اس کے اور کس کا نتیجہ ہے کہ اُردو میں شاعری اپنی طفولیت کا عہد بسر کر رہی ہے گویا بچوں کی طرح گھٹنوں گھٹنوں چل رہی ہے جس طرح کوئی راہ رو اُس راستے کو طے کرے جو قبل سے قدموں کے نیچے نہ آیا ہو یا کوئی اجنبی ایسے مکان میں داخل ہو جس میں پہلے گیا نہ ہو، تو وہ قدم سنبھل سنبھل کر رکھے گا تیز روی و سرعت اس کے لئے بجائے منزل رساں ثابت ہونے کے سنگِ راہ ہو جائیگی۔

اسی وجہ سے ابتدا میں ایران کی شاعری محض موزوں فقرات سے شروع ہو کر بہت جلد اس قابل ہو گئی کہ اُس کو بزم شعرا میں پیش کیا جا سکے۔ فارسی شاعری پر یہ رودکی کا احسان ہے جس کی دایۂ فکر نے اس طفلِ شیر خوار کو اپنی جودتِ طبع اور حدت

ذہن سے پرورش کر کے عالمِ تمیز تک پہنچایا۔ لیکن ابھی اس کو جوان اور جوانی کے ساتھ سنجیدہ و متین ہونا باقی ہے۔

سادگی کی تاثیر | طبقہ اوّل کے وہ شعرا جو دورِ اوّل میں گزرے اُن سب کا کلام ایک ہی انداز رکھتا ہے۔ بندش کی چستی نہیں مضمون کی بلند پروازی نہیں۔ ان کی نظم میں صرف محسوسات اور ان کے اصلی حالات ہیں۔ سادہ الفاظ میں سیدھی باتیں جو آپس میں بولتے ہیں اکثر و بیشتر اُسی کو نظم کر دیتے ہیں۔ استعارہ و تکلفات سے بہت کم کلام کو آراستہ کرتے ہیں۔ مثلاً رودکی جب کہ بڈھا ہو جاتا ہے اور اُس کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں، ضعیفی اعضا پر چھا جاتی ہے، اُس وقت جوانی کی یاد میں ایک قصیدہ کہتا ہے۔ عمر کے آخر حصے میں جو کچھ کہتا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے سیدھی سادی باتیں ہیں جو نہایت سادگی سے وزن و قافیہ کے محاصرہ میں لے آئی گئی ہیں۔ مثال کے لئے تین پہلے شعر اس قصیدے سے حاضر ہیں

مرا بسود فرو ریخت ہر چہ دندان بود ۔۔۔ نبود دندان لا بل چراغ تابان بود

یکے نماند کنوں زان ہمہ بسود و بریخت ۔۔۔ چہ نحس بود ہمانا کہ نحسِ کیوان بود

نہ نحس کیواں بود و نہ روزگار دراز ۔۔۔ چہ بود منت بگویم قضائے یزدان بود

وزن و قافیہ کے ساتھ عہد شباب کا مرثیہ ہے اس لئے اسے شعر کہیے۔ مگر جو شعر کی حقیقت ہے اُس کا نام و نشاں تک نہیں۔ اگر آج کوئی اس طرح کا شعر کہے تو ہمارے شعرا اُس کی طرف بھول کر بھی ایک نگاہ غلط انداز نہ ڈالیں۔ مگر چونکہ یہ رودکی کا کلام ہے جس نے شاعری کو بزم شعرا تک آنے کے قابل بنایا ہے، اس لئے یہ اشعار کتابوں میں ارباب ذوق کی زبانوں

پر جاری و مکتوب ہیں۔ رودکی کے کلام میں سب سے مشہور اور بہترین نمونہ وہ اشعار ہیں جو شاہ بخارا کو ہرات سے مضطربانہ بخارا لے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن اشعار میں لذت ہے اور لطف و ذوق سے بھی خالی نہیں لیکن شبنم سے ایک پیاسے کی کیا تسکین ہو سکتی ہے۔ واقعہ اُن اشعار کا یوں ہے کہ شاہِ بخارا ہرات پہنچتا ہے اُن اطراف کی نزہت فزا آب و ہوا اُس کے دامن گیر ہو جاتی ہے۔ ایک خوش گوار و روح پرور موسم جب گزر جاتا ہے تو دوسرے موسم کا اشتیاق پاؤں کا زنجیر ہو جاتا ہے۔ ہرات کے سرسبز و شاداب خطے اور سیستان و مازندران کے لذیذ و خوش بو میوے چار برس تک بادشاہ کی مہمان نوازی کرتے رہے۔ اس مدت دراز میں اعیانِ دولت و وابستگانِ سلطنت وطن کی دوری اور سفر کی زندگی سے چیخ اُٹھے رعبِ شاہی سے کسی کو لب ہلانے کی طاقت بھی نہ تھی۔ رودکی دربار شاہی کا شاعر تھا اور گانے میں بھی بدرجۂ کمال ماہر تھا۔ سبھوں نے مل کر پانچ ہزار اشرفیوں کا وعدہ رودکی سے اس شرط پر کیا کہ وہ اپنی نظم دل گداز اور نغمۂ داؤدی سے بادشاہ کو وطن کی یاد دلائے۔ رودکی بادشاہ کی مجلس میں اُس وقت جب کہ وہ جام و صراحی سے داد انبساط دے رہا تھا حاضر ہوا اور اپنے درد بھرے لحن میں اپنا برجستہ کلام یادِ وطن میں گانا شروع کیا۔ یہ سحرِ حلال بادشاہ پر چل گیا۔ اُس کی بے چینی بڑھی اور ایسا مضطربانہ گھوڑے پر سوار ہوا کہ موزہ بھی پہن نہ سکا۔ رہوار تیز رفتار کو خیز کیا اور جب تک ایک منزل طے نہ ہوئی گھوڑے کی باگ نہ روکی۔ وہ اشعار بہت تھے لیکن افسوس کہ اب بجز چند اشعار کے جو تذکروں میں منقول ہیں، باقی نہیں ملتے۔

بوے جوے مولیاں آید ہمی | یاد یارِ مہرباں آید ہمے
ریگِ آموں با درشتی ہاے او | زیرِ پایم پرنیاں آید ہمے
آبِ جیجوں باہمہ پہنا وری | خنگِ ما را تا میاں آید ہمے
اے بخارا شاد باش شاد زی | شاہ سویت میہماں آید ہمے
شاہ سرو ست و بخارا بوستاں | سرو سوئے بوستاں آید ہمے
شاہ ماہ ست و بخارا آسماں | ماہ سوے آسماں آید ہمے

یہ دلکش قصیدہ ایک مدت تک مقناطیس کی طرح لوگوں کے قلوب کو اپنی جانب کھینچتا رہا۔ بعض شعرا نے اس پر طبع آزمائی بھی کرنی چاہی لیکن اس کے مقابل میں نہ آسکے۔ وجہ اس کی صاف ہے شاعر خود چار برس تک وطن سے دور رہا، یادِ وطن جس جس طرح دل میں چٹکیاں لیتی ہوگی اس درد کی لذت کسی غریب الوطن سے پوچھنی چاہیے۔ اُس پر پانچہزار اشرفیوں کا وعدہ۔

طمع زر کا اثر جذبات پر

حطیہ جو عرب کا مشہور شاعر ہے اُس سے کسی نے سوال کیا کہ سب میں بڑا شاعر کون ہوتا ہے، تو اُس نے اپنی زبان باریک مثل سانپ کے نکال کر کہا کہ یہ جس وقت طمع سے لذت آشنا ہو جائے۔ اسی طرح احمدؒ بن یوسف نے ابو یعقوبؔ شاعر سے کہا کہ کاتب برامکہ محمدؔ بن منصور بن زیاد کی شان میں تیرے مدائح بھی ہیں اور مراثی بھی۔ لیکن جو جودت اور شاعرانہ تخیل کہ مدح میں ہے مراثی اُس سے بالکل خالی ہیں۔ ابو یعقوب نے کہا کنا یومئذ نعمل علی الرجاء ونحن الیوم نعمل علی الوفاء وبینھما بون بعید۔ (یعنی اُس وقت جو ہم مدح کہتے تھے تو اُمیدیں وابستہ تھیں اور اب جو مرثیہ کہتے ہیں یہ تو محض وفاداری ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے)

پھر پانچ ہزار اشرفیوں کی جھنکار نے اگر رودکی کے شاعرانہ جذبات و احساسات کو تیز کر دیا ہو تو کیا تعجب ہے۔ وطن کی یاد پردیس کی تکلیف اور اشرفیوں کی اُمید نے تڑپ تڑپ کر ان اشعار کی صورت اختیار کی۔ اِس لئے ان میں اُس وقت بھی لذت و لطافت تھی اور آج بھی ذوق سے خالی نہیں۔ ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

لیکن اگر تامل صادق سے کام لیا جائے تو دورِ اوّل کے پہلے شاعر کی خصوصیت یہاں بھی نمایاں ہے۔ رودکی نابینا ہے وہ پانی کی لہروں اور موج کے تلاطم کو دیکھ نہیں سکتا اُس کی حس باصرہ لبِ دریا کے سبزہ زار اور وہاں کی شادابی سے خنک نہیں ہوتی۔ پس اُس کا دماغ اُس تخیل سے بالکل صاف ہے۔ قوّت شامہ موجود ہے وہ اپنا کام کرتی ہے پانی کی مہک سونگھتا ہے لیکن اُس کی روانی و سیلاب کا پتہ بھی نہیں۔ دریا کے ریگ پر گزرتا ہے لیکن یہاں بھی آنکھ کا کام وہ اپنے قدم سے لیتا ہے۔ موٹے موٹے ریت کے دانے نہ سخت معلوم ہوتے ہیں نہ پاؤں جلاتے ہیں نہ تلووں میں چبھتے ہیں بلکہ نرم ہو کر قدموں کے نیچے پرنیاں کے فرش ہو جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ حبِ وطن کا ہے۔ دیگر اشعار کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے لیکن کیا اگر طبقۂ ثانی کے شعرا ہوتے تو اپنے وطن کا راگ اسی سادے لحن میں گاتے، نہیں کبھی نہیں۔ وہ کم از کم ریگ کے ایک ایک ذرہ کو آفتاب اور ہر ایک سبزہ کو گلستانِ ارم و باغ جناں بنا دیتے۔ موج و حباب کو جب بیان کرتے تو ایک دریا بہا دیتے

رودکی بڑا پُرگو شاعر گزرا ہے۔ اُس پر بادشاہوں کی قدردانی و عزت افزائی، درہم و دنیار کی بارش نے کبھی اُس کو خاموش بیٹھنے نہ دیا۔ ایک لاکھ تک اُس کے اشعار کا شمار بعضوں

نے کیا ہی۔ یہ ظاہر ہی کہ جب اشعار کی تعداد اس قدر ہو تو پھر اُس میں سب طرح کے مضامین ہونگے۔ تذکروں میں جو رودکی کا کلام منقول ہی اُس میں ہر جنس موجود ہی۔ جا بجا مضمون آفرینی بھی ہی۔ کہیں کہیں تشبیہ و استعارے کا بھی لطف ہی۔ اخلاق و موعظت کے پاک و شیریں مضامین بھی موجود ہیں۔ کہنہ مشق دیرینہ سال شاعر کا جب جی چاہتا ہی تو عشق و حسن کے ناز و نیاز بھی کر لیتا ہی۔ قصیدے کی تشبیب میں غزل کا لطف آجاتا ہی۔ اور گریز میں بھی اس کی قوت و قابلیت نمایاں ہی۔ لیکن با ایں ہمہ شاعری کو ابھی بہت کچھ ہونا ہی اس لئے وہ اپنا قدم نہایت سرعت و تیزی سے آگے بڑھائے جاتی ہی۔

فردوسی اور اسدی طوسی اس دور کا آخر شاعر فردوسی ہی۔ اُس نے شاہنامہ کیا لکھا اپنی اُس قوتِ دماغی اور جودتِ ذہن کا جو بشر میں ایک عطیۂ الٰہی ہی کامل ثبوت دیا ہی۔ اس نے یہ یہ مثنوی لکھکر ثابت کر دیا کہ انسان کی دماغی قوت اعلیٰ نمونہ صانع بیچوں کے صنعت کا ہی۔ میدانِ جنگ کی تصویر تو ایسی کھینچتا ہی کہ ہو بہو فوٹو ہوتا ہی۔ اس کا کلام و کمال کسی کی تحسین اور روشناسی کا محتاج نہیں۔ ع

حاجتِ مشاطہ نیست روے دل آرام را

یہ کہنا ایک امر واقعی کا بیان کرنا ہوگا کہ فردوسی ہی کی بدولت معانی کی کمی انتہائے کمال پر پہنچکر اپنی شان کا جلوہ دکھانے لگی۔ لیکن الفاظ اپنے بناؤ سنوار کے لئے ہنوز مضطرب ہیں۔ گو بہت سے الفاظ متروک ہو چکے محاورات بھی بدل گئے لیکن پھر بھی شعر کی نزاکت و لطافت ان ثقیل الفاظ کے بوجھ سے دبی جاتی ہی۔ مثلاً فردوسی کہتا ہی ؎

برستم دہم تخت و گنج و کلاہ　　　نشانمش بر جاے کاؤس شاہ

یہاں متحرک کا ساکن ہونا فصاحت پر کس قدر ناگوار ہی۔

سیامک برآمد برہنہ تنا　ولہ　بیاوبخت باپور آہرمنا

الف کی زیادتی قافیہ میں کیسی بدنما ہی۔

ایک موقع پر چاند سے خطاب کرکے بہت سے شعر لکھے ہیں اُن میں کا ایک شعر یہ ہی

بہ سی روز گیتی بہ پیمایدا　ولہ　دو روز و دو شب روے ننمایدا

یہاں فعل میں الف کی زیادتی اُسی طرح بھدّی ہی۔

کہ درمان این کار یزداں کند　ولہ　مگر کین غماں بر تو آساں کند

اگر عمر باشد مرا سالیاں　　　بہ خدمت بہ بندم کمر برمیاں

جمع کا الف جہاں چاہتا ہی لگا دیتا ہی چاہے فصاحت اس زیادتی کو برداشت کرے یا نہ کرے اگرچہ ضرورتِ شعری ایک ایسی ضرورت ہی جس کے لئے ہر نا روا روا ہی لیکن الفاظ کا یہی بھدّاپن آخر دور میں قطعاً ناجائز قرار دیا گیا۔ اسی دورِ اوّل کا شاعر اسؔدی طوسی ہی جس کے کمال نے یہ بے بنیاد روایت وضع کرائی کہ یہ فردؔوسی کا اُستاد ہی اور شاہنامہ کی تکمیل اسی کے زبردست قلم کا نتیجہ ہی۔ اسؔدی طوسی فردؔوسی کا اُستاد تھا یا نہ تھا اس وقت اسے جانے دیجئے لیکن یہ تو محقق ہی کہ شاہنامہ اُس کے زورِ قلم کا مرہون نہیں بہرحال دو چار شعر اُس کے بھی ملاحظہ ہوں۔ اسؔدی طوسی ؎

چو خورشید آں چادرِ قیر گوں　　　بدرّید واز پردہ آمد بروں

ہوا برگشت از بخور عبیر   بخندید بمّ و بنالید زیر

الفاظِ فارسیہ میں تشدید زبان پر کس طرح اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اسدی طوسی سبب تالیف کتاب میں کہتا ہے ؎

بسازم یکے بوستاں چوں بہشت   کہ خندد ز خوشی برا روے بہشت

یہاں بھی وہی تشدید کی ثقالت فصاحت کو دبائے دیتی ہے۔

پہلا دور ختم ہوا۔ رودکی۔ اسدی طوسی۔ عنصری۔ فرخی۔ فردوسی اس دور کے باکمال شعرا تھے جن میں رودکی کو اوّلیت کی فضیلت حاصل ہے اور فردوسی کو خاتمیت کا فخر ہے۔

دوسرا دور — اب شاعری کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے میں خاقانی، انوری، نظامی، حکیم سنائی۔ مولانا روم و عمر خیام وغیرہ گزرے۔ دونوں دور کے شعرا میں یہ فرق ہے کہ پہلے طبقے کے شعرا قدرتی طبیعت سے شعر کہتے تھے پاس کی چیزوں سے تشبیہ لاتے اور پیش نظر اشیا سے استعارہ لیتے لیکن دورِ ثانی میں نگاہوں نے زیادہ غور پیدا کیا۔ عرب کے علوم ملک میں عام ہو گئے تھے۔ بلاغت کی کتابیں فارسی میں لکھی جا چکی تھیں اس لئے عربی الفاظ کا قبضہ زیادہ ہوا پھر الفاظ و معانی کو صنائع و بدائع نے علمی رنگ دیا۔ دورِ اوّل میں سادگی سنگینی و استواری تھی اب رنگینی لطافت اور ملائمت پیدا ہو گئی۔

خاقانی۔ خاقانی ابتدائی کیفیت اور خاتمۂ مطالب کو نہایت خوبی کے ساتھ نظم کرتا ہے قصائد اس کے لاجواب ہیں حسّان العجم کا اس کو لقب حاصل تھا۔

نظامی - نظامی مثنوی کے بادشاہ ہیں ان کے کمال کی شاہد ان کی پانچ مثنویاں ہیں جو خمسۂ نظامی کے نام سے مشہور ہیں۔ اُنھوں نے نظم نگاری میں نیا رنگ پیدا کیا۔ تشبیہہ و استعارے کو رنگینی و قوت کے ساتھ برتا۔ ان کے پیچ میں بھی بانکپن ہے ان کا کلام تمام لطافت و نزاکت سے لبریز ہے۔ فردوسی کے بعد رزمیہ مضمون کوئی دوسرا ان سے بہتر تو کیا برابر بھی نہ لکھ سکا۔

انوری - انوری نے کلام میں مضمون آفرینی پیدا کی استعارہ کو لیا اور خوش ادائی سے برتا۔ قصیدہ کہنے میں اُستاد ہے۔

حکیم سنائی - حکیم سنائی پہلے شخص ہیں جنھوں نے تصوف کو مستقل طور پر نظم میں لکھا ہے۔ حدیقہ ان کی مشہور کتاب ہے پختگی برجستگی اور صفائی میں ان کا کلام تمام معاصرین سے ممتاز ہے۔

مولٰنا رومی - مولٰنا رومی تصوف کے بادشاہ ہیں علم کلام و تصوف کے اہم ترین مسائل دل گیر و دل پذیر طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ مثنوی آپ کی چھ جلدوں میں شش جہات عالم میں فیض رساں ہے۔ عربی فارسی میں متعدد شرحیں لکھی گئیں ارباب سلوک آج تک اس کا درس دیتے ہیں۔ اور حق تو یوں ہے کہ مرد راہِ رفتہ کے سوا کوئی دوسرا اُسے سمجھ بھی نہیں سکتا۔

عمرخیام - عمرخیام علوم عقلیہ میں کمال رکھتا تھا اقسام شعر میں اس کی رباعیاں ہیں جنھوں نے اس کو زندہ رکھا ہے۔ مسلمانوں سے بڑھکر اہل یورپ نے اس کے ساتھ اعتنا کیا

تیسرا دور دوسرا دور بھی ختم ہوتا ہے۔ معانی والفاظ دونوں ترقی پاکر اس دور میں کامل ہو چکے ہیں اب تیسرا دور شاعری کا شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے کے بہترین نمونہ سعدی۔ امیر خسرو اور حافظ ہیں۔ اس عہد میں غزل خوانی کی بڑی دھوم مچی سلاطین و اُمرا کی خوشامد ول میں خوب خوب قصیدے لکھے جانے لگے عاشقانہ مثنویوں کا رنگ گھرا ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چنگیز خاں کے مشہور حملہ نے جو ۶۱۷ھ میں واقع ہوا دلوں کو ایسا سرد کر دیا تھا کہ بہادری و شجاعت کا خیال سروں سے جاتا رہا۔ شعرا غزل و قصائد سے دلوں کو خوش کرنے لگے۔ مردانہ خیالات اس وقت سے جو مٹنے لگے تو آخر نیست ہو کر ہی رہے۔

پانچویں صدی کی شاعری پانچویں صدی میں حسینوں کی بزم ہر طرح کے سامان اسلحہ سے آراستہ پائی جاتی تھی۔ ابرو کمان تھے جن سے تیر مژگاں چل کر دلوں میں ترازو ہو جاتے تیوری بدلی اور ابرو خنجر ہو گئے۔ مژگاں نیزے بن گئے غرض معشوقوں کی بزم میں عشاق کے کھنچنے کی دیر تھی۔ یہ کھنچے اور رستم اور اسفندیار کے میدانِ جنگ گرد برد۔ لیکن چھٹی صدی میں رنگینی و نزاکت بڑھی، مزاجوں میں تغیر پیدا ہوا طبیعت میں چستی و شجاعت نہ رہی راحت پسندی غالب آئی۔ آخر اس کا اثر کلام پر بھی پڑا رفتہ رفتہ ایک وہ وقت پہنچا کہ رزمیہ کلام میں بھی ساغر و مینا کے دور چلنے لگے تشبیہیں بدل گئیں۔ اب سپاہی میدان کارزار میں بھی جو پہنچتا ہے تو عشق کے نشہ میں چور جاتا ہے۔ قدسی ہمام، کلیم، علی قلی،

سلیم کی رزمیہ مثنویاں اس پر گواہ ہیں۔ بہرکیف یہ دور بھی ترقی سے خالی نہ رہا۔ زبان زیادہ صاف ہوگئی اور مضمون آفرینی نے بہت ترقی کی۔ خاقانی و انوری وغیرہ جو علمی اصطلاحات سے زبان کو زیر بار کرتے تھے یہ بات جاتی رہی۔

سعدی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ اس طبقے کے نہایت شیریں کلام شاعر ہیں ان کا مضمون آج تک پھیکا نہ ہوا نظم ہو یا نثر اصنافِ سخن پر قدرت رکھتے ہیں ان کے کلام میں استعارے بھی ہیں لیکن پیچیدہ نہیں۔ صفائی دکھاتے ہیں اور لطف بڑھاتے ہیں مبالغہ و استغراق سے کام نہیں لیتے۔ ان کا کلام دین و دنیا کی سودمند نصائح سے پُر ہے۔ اخلاقی مضامین کو ان کے مثل کسی نے نہیں ادا کیا۔ مخلوق کی دردمندی ان کے ہر رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ تجربہ کامل تھا اور سیاحت وسیع اس لئے جو ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ دل میں جا بیٹھتا ہے۔ گلستاں، بوستاں، دواوین و قصائد ان کی مشہور تصانیف ہیں لیکن غزل کا رنگ بدلنے والے، اور سوز و گداز کے ساتھ وقوعہ گوئی کی بنیاد ڈالنے والے بھی شیخ سعدی ہی ہیں اس لئے من حیث شاعر انھیں غزل کا استاد تسلیم کیا گیا ہے۔

امیر خسرو۔ امیر خسرو کے والد امیر سیف الدین ترکستان سے آئے تھے۔ امیر خسرو نے گو ہندوستان میں ولادت اور تربیت پائی تھی، مگر دماغ ید قدرت سے وہ ودیعت ہوا تھا کہ ایجاد مضامین کا طلسم خانہ تھا۔ انھوں نے صنائع لفظی و معنوی کا عجائب خانہ کھول دیا۔ تصانیف کی یہ کثرت ہے کہ ہمیشہ اُن کا سمیٹنا دشوار رہا اور آج دشوار تر ہے۔

حافظ۔ خواجہ حافظ کا دیوان مشہور ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ چند قصیدے

برلے نام ہیں مگر غزل ایسی لکھ گئے کہ آج تک ان کا جواب نہیں۔ نہ تصنع ہے نہ تکلف جیسی گزری ہے ویسا لکھا ہے۔ عرفان وحقائق کا ایک بے بہا گنجینہ ہے جس پر نقوش و حروف کے قفل چڑھے ہوئے ہیں۔ ارباب بصیرت عینک کی طرح اپنی نگاہوں پر لگائے پھرتے ہیں۔

جامی۔ جامی علیہ الرحمہ کا زمانہ سنہ ۹ سو ہجری ہے۔ ناظم ہروی نے امیر خسرو کے بعد شاعری کو ان پر ختم کر دیا ہے جیسا کہ اُس کے ایک شعر سے ظاہر ہے ؎

زخسرو چو نوبت بجامی رسید زجامی سخن را تمامی رسید

علاوہ عام شاعری کے صوفیانہ طرز میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ نقشبندیہ طریق کی تعلیم و مراقبات کی طرف عجب لطف سے اپنے کلام میں اشارہ کرتے ہیں۔

چوتھا دور | اب یہ تیسرا دور بھی ختم ہوا اور شاعری کے لئے گرانمایہ متاع چھوڑ گیا۔ سنہ ۹ سو کے بعد چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، ابوطالب کلیم، مرزا صائب اس دور کے ممتاز ارکین ہیں۔ اگرچہ اس دور میں قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی ان تمام اصناف کا بڑا ذخیرہ پیدا ہو گیا، لیکن فی الحقیقت یہ عہد ترقی غزل کا انتہائی اور آخری زینہ تھا اس دور کی یہ خصوصیت ہے کہ جو بات کہتے ہیں وہ پیچ دیگر کہتے ہیں۔ دور کی راہ سے سامعین کی فہم کو مطالب تک لاتے ہیں اور داد لیتے ہیں استعارہ کو استعارہ در استعارہ اور مجاز کو مجاز اندر مجاز کر کے معنوں میں نزاکت اور باریکی پیدا کرتے ہیں اس لئے بہت سے اشعار کی باریکی معشوقوں کی کمر کو بھی بار نزاکت سے خم کر دیتی ہے۔ اور کبھی گم بھی ہو جاتی ہے مثال کے لئے کسی شاعر کا ایک شعر کفایت کرتا ہے ؎

تا کے از عکسِ تو آئینہ گلستاں گردد   سوئے عاشق نگہے تا ہمہ تن جاں گردد

اس شعر کے سمجھنے کے لئے پہلے ان باتوں کو ذہن میں مجتمع کر لیجئے۔ معشوق کا قد سرو شمشاد ہے، آنکھیں نرگس کے پھول ہیں، رخسار گلابِ شگفتہ ہے، زنخداں سیب ہے، خط سبزہ ہے، زلف تختۂ سنبل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب جو معشوق آئینہ دیکھتا ہے اور اُس کا عکس شیشے پر آتا ہے تو گویا آئینہ گلستان ہو جاتا ہے یہ تو پہلے مصرع کا حال ہوا۔ دوسرا تو اس سے بھی زیادہ دشوار ہے۔

اسی طرح اس دور میں مضامین کی بنیاد محالات اور دور از قیاس ایہام پر ہے۔ الفاظ کی نئی تراشیں اور نئی ترکیبیں کثرت سے پیدا ہو رہی ہیں حقیقت و واقعیت سے بیگانگی اور بے بنیاد خیالات سے رشتہ جوڑا جا رہا ہے۔ مثلاً پہلے مے کدہ و آتش کدہ وغیرہ مستعمل تھے اب نشتر کدہ و مریم کدہ وغیرہ ترکیبیں پیدا ہوئیں۔ پہلے "یک گلشنِ گل" کہتے تھے اب "یک آغوشِ گل" کہنے لگے۔ اس طرح کی ترکیبیں فیضی اور عرفی نے کثرت سے پیدا کیں مثلاً

مصرع   شکن بروے شکن خم بروے خم چیند

مصرع   موج بر موج شکستم چو بہ عماں رفتم

مصرع   رفے بر فے حسن گن دست بدستِ نازدہ

اس دور میں عرفی کی قصیدہ خوانی ایک خاص خصوصیت رکھتی ہے۔ غزلیں بھی اس کی باسوز و گداز ہیں لیکن صائب کا کلام پھیکا اور سیٹھا ہے۔ اس نے شاعری کیا کی ہے خشک علمی مباحث ردیف و قافیہ میں بیان کئے ہیں۔ یہ دور بھی ختم ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایران میں شاعری

بھی ختم ہوئی۔ اب ہند کی سرزمین میں حافظ و سعدی کا انداز آگیا تھا۔ لیکن الفاظ ایک ہی طرح میں گردش کرتے کرتے اپاہج ہو گئے تھے کسی طرح کی کوئی ترقی نہ ہو سکی۔ ہندیوں نے ایرانی انداز کو زندہ رکھا مگر زندگی کے آثار اس میں نہ پیدا کر سکے۔ پھر بھی فارسی شاعری اہل ہند کی ایرانیوں سے زیادہ مرہونِ منت رہی۔ دہلی، بلگرام، پٹنہ وغیرہ میں ایسے باکمال شعرا اُٹھے جن کا کلام اپنے اپنے وقت میں سکۂ رائج الوقت سمجھا گیا۔ مرزا عبدالقادر بیدل، میر غلام علی آزاد بلگرامی اور یادش بخیر خاتم الشعرا غالب دہلوی۔ کیا کچھ احسان فارسی زبان پر نہ کر گئے۔ مدتوں بعد ایران میں قاآنی پیدا ہوا۔ اور اُس نے شاعری کی کایا پلٹ کرنی چاہی لیکن اس کی شاعری کوئی نئی شاعری نہ تھی۔ وہی چبائے ہوئے نوالے تھے جو پھر منہ میں پھیرے جاتے تھے۔ اس نے قصیدے خوب خوب کہے۔ شوکت الفاظ کا بادشاہ ہے۔ بہاریہ مضمون خوب ہی کہتا ہے۔ بہرحال ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند　　تہی خم خانہا کردند و رفتند

فارسی شاعری کی لفظی و معنوی خصوصیات

اس کے بعد کہ نظم فارسی کی آفرینش اور عہد بعہد ترقی و کمال اور پھر اس کے زوال کی تاریخ معلوم ہو چکی اب ایک اجمالی نظر اُن خصوصیات پر ڈالنی چاہئے جو فارسی شاعری میں باعتبار معانی و الفاظ پائی جاتی ہیں۔ ایران میں شاعری نے جب آنکھیں کھولیں تو اس وقت عرب کی شاعری بالکل متبدل و متغیر ہو چکی تھی اس کی یہ وجہ تھی کہ مقدس اسلام جب سرزمین عرب پر بارانِ رحمت ہو کر برسا تو کلام مجید کی فصاحت و بلاغت شیرینی و لطافت دل آویزی و روح پروری کے سیلاب نے شاعری کو

خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت کا مشہور شاعر لبید بن ربیعۃ العامری جو سبعہ سیارگان معلقات میں مثل آفتاب کے درخشاں ہے مشرف باسلام ہو کر نظم قرآنی کا ایسا والہ و شیفتہ ہوا کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جب کہ اُس شاعر غرا کے پاس یہ پیام بھیجا کہ کچھ تازہ کلام اپنا بھیجو تو اُس نے جواب دیا کہ جاہلیت کے رزمیہ و بزمیہ ہر طرح کے کلام موجود ہیں جس قدر آپ فرمائیں بھیجدوں لیکن اب کہ قرآن میرے سامنے ہے اس کے آگے تمام شاعری عرب کی بے مزہ اور پھیکی ہے۔ اُس کی تلاوت میں وہ حلاوت ہے کہ شعر گوئی سے طبیعت سیر ہے۔ اس واقعہ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسلام کی برکتوں نے حکمت نظریہ و عملیہ کی طرف عربوں کو ایسا مصروف کر لیا کہ شاعری کے بازار سرد ہو گئے لیکن بوقت ضرورت جب کوئی کچھ کہتا تو اُس میں وہی عربی شان ہوتی۔ بنواُمیہ کے عہد میں خلافت نے صورت سلطنت کی اختیار کی۔ اس کا بہت ہی بُرا اثر ملک اور اہل ملک کے جذبات پر پڑا لیکن پھر بھی سلف کا ایک دھندلا سا نشان ہنوز باقی تھا۔ مگر جب کہ خلفاے عباسیہ کا دورہ آیا اور ان کے عہد میں عجمی معاشرت اور اہل عجم کی ہمہ گیری تمام دربار پر چھاگئی مسلمانوں کا امیر عجمی سلاطین کے نقش قدم پر گام فرسا ہونے لگا تو پھر اُس وقت شاعر شاعر نہ رہا۔ بلکہ بھانٹ بن گیا۔ اور یہی وہ عرب تھے جو اہل ایران کو شاعری کا سبق دیتے تھے۔

جوہر ذاتی کا فقدان فارسی شاعری جب اپنے قدموں پر کھڑے ہونیکے قابل ہوئی تو اُس نے نظر اُٹھا کر جو دیکھا تو اپنے ہی عجمی اخلاق و سیرت کو عربی لباس پہنے ہوئے نظموں میں

چلتے پھرتے پایا۔ اساتذہ کو انہوں نے دولت و سلطنت قوت و طاقت کے آگے شرافت انسانی و کرامتِ ذاتی کو نہایت فیاضی سے نثار کرتے ہوئے پایا۔ پھر اہل ایران تو صدیوں سے محکوم رہکر فضائلِ انسانی کو نہایت بے جگری سے تصدق کرنے کے عادی ہی ہو رہے تھے اور اس میں ان کی مشق پشتہا پشت سے چڑھی ہوئی تھی۔ انہوں نے سلاطین و اُمرا کی شان میں قصیدے کہے اور بے ضغطہ زبان جو چاہا وہ کہہ گزرے اور جس حد تک قوتِ بشری نے اُن کی یاوری کی قصائد میں اپنی پستی و تذلل کا اظہار کیا۔ اس لئے فارسی شاعری میں جوہر ذاتی کا بیان آپ کو خال خال بھی نہ ملے گا۔ کوئی نظم ایسی نہ ہوگی جس نے ملک کے حق میں یا قوم کے حق میں شریفیہ و باوقار انقلاب پیدا کیا ہو۔ کسی شاعر کا کلام باوجود جستجو کے بھی ایسا نظر سے نہیں گزرے گا جس سے خودداری غیرت حمیت اباء نفس زندگی کے صحیح آثار پائے جائیں۔ غرض کہ عربی شاعری کی وہ خصوصیات معنوی جو اوپر گزر چکیں اُس کا نام و نشان بھی ایران کی شاعری میں نہیں۔ در حق تو یوں ہے کہ ہو بھی کیوں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ محکوم و مفتوح قوم اپنے لئے نہیں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کے وجود اور کمال کا صرف یہ مقصد رہ جاتا ہے کہ وہ سلطنت اور اُس کے ارکان و اعیان کی گردشِ چشم و ابرو کو دیکھا کرے۔ اُس کو اپنی ذات سے نہ کسی سے جنگ ہے نہ صلح اُس کے کمالاتِ اکتسابیہ نہ ملک کے لئے ہیں نہ قوم کے لئے بادشاہ کا حکم اُس کو میدانِ قتال میں پہنچاتا ہے اور اُس کا قہر و غضب اُسے شجاع و بہادر بناتا ہے۔ پھر اُسی کا حکم اُس کو صلح پر آمادہ کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کے کمال کا تعدیہ اور نفع اُسی جگہ اور اُسی مقدار میں پہنچتا ہے جس قدر

اور جس جگہ منشا سلطانی ہو۔ پس ایران کی شاعری اگر ایسے مضامین عالیہ سے خالی و عاری رہی تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔ صدیوں کی مسلسل محکومیت اسی کی مقتضی تھی کہ اُن کی زبانیں ثنائے ملوک و اہلِ دول و ارباب سطوت کے لئے وقف ہوں حکومت کے مقابلہ میں ہمیشہ وہ اپنے نفس کو ذلت و پستی میں دیکھکر خوش ہوں۔

(۱) پند و موعظت

ایرانی شاعری کی خصوصیات ایجابی

ہاں بعض مضامین فارسی میں ایسے بھی ہیں جن سے نظمِ عربی کا سلک خالی ہے، اور یہی فارسی نظم کی ایجابی خصوصیت ہے اور بہت بڑی خصوصیت ہے۔ اور وہ تاریخ موعظت و اخلاق اور صوفیانہ کلام ہے۔ فارسی شعرا میں کثرت سے ایسے باکمال آپ کو ملیں گے جنھوں نے اپنی شاعری کی "قوت" انھیں مواعظ حسنہ پر خرچ کی۔ اور ان پاکیزہ مضامین کو کچھ ایسے اخلاص اور درد بھری آواز سے کہہ گئے ہیں کہ نفوسِ قدسیہ اُس کو پڑھتے ہیں اور سر دُھنتے ہیں۔ نظم میں تاریخیں لکھ گئے جن سے واقعات اور اُس کے ساتھ بہت سے جزئیات معاشرت تمدن و طرز جنگ کے متعلق حیاتِ جاوید پا گئے۔ ایسے مضامین کا بیان مثنوی کا مقتضے تھا۔ اور یہ صنف عرب کی شاعری میں نہ تھی۔ اس لئے عربی شاعری ایسے مضامین سے محروم رہی۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے کلام پاک کے مجموعے یا ابن الفارض و محی الدین عربی و ابن الوردی کے کلام سے ہم ناآشنا نہیں۔ لیکن فیما نحن فیہ سے اُس کا کیا علاقہ۔

قصائد عربیہ بہت کچھ وضع لباس معاشرت ملکی جغرافیہ صلح و جنگ پر روشنی ڈالتے

ہیں مگر تاریخ کا منصب اُنھیں کسی طرح نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی وجہ جو کچھ بھی ہو۔ لیکن یہ کہنا کہ مثنوی کی ایجاد اہل ایران کی خصوصیات میں سے ہے ایک امر واقعی کا اظہار ہوگا۔

(۲) غزل

دوسری خصوصیت نظم فارسی کی غزل سرائی ہے۔ اس کے ایجاد و ایزاد کا سہرہ بھی اہل فارس ہی کے سر بندھا۔ عربی زبان میں غزل تو اُس راز و نیاز کی گفتگو کو کہتے ہیں جو خود عورتوں سے کی جائے یا اُن کے متعلق کی جائے لیکن فارسی میں نظم کی ایک صنفِ مستقل کا نام ہے جس میں واقعات و کیفیات و جذبات عشق و عاشقی کو سوز و گداز سے بیان کرتے ہیں۔ عربی میں قصائد کی تشبیب و نسیب کو چاہے غزل کہدیا جائے۔ لیکن حق تو یوں ہے کہ وہ غزل نہیں ہے۔ یہ اہل ایران کی ایجاد ہے۔ اور وہی اس کو کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ بوالہوس اپنی ہوسناکیوں کو غزل میں الاپتے ہیں اور اہل دل صوفی اپنی واردات قلبیہ کو اسی عشق و حسن وصل و فراق کے استعارے میں کہہ گزرتا ہے۔ عارف کو اُن اشعار سے راہ ملجاتی ہے اور نا آشنا خط و خال میں اُلجھ کر اُس سے بے خبر رہ جاتا ہے۔ سچ فرمایا مولٰنا روم علیہ الرحمہ نے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر

مدارج محل محبت مختلف ممالک میں

یوں تو عشق کی عالمگیری و ہمہ گیری ظاہر ہی ہے۔ لیکن اس نے جو وسعت کہ ایران میں آکر پائی وہ اسے کسی دیار میں نصیب نہوئی۔ ہند کی سرزمین میں عورت مرد پر عاشق ہے۔ اور اکثر وہ مرد اُس کا شوہر ہی ہوتا ہے۔ اس سرزمین کا خاصہ

ہے کہ عورت میں وفاداری و اطاعت شعاری بے انتہا ہو جب تک شوہر زندہ ہے اُس کی راحت

خدمت میں وقف ہے۔ جب وہ مرا تو اُس کے ساتھ جل کر اپنی وفا و عشق کا ثبوت دیا۔ پس

یہاں کی شاعری میں قبل اسلام جو عورت مرد پر عاشق ہوتی ہے وہ یہاں کی عورت و

مرد کے تعلقات اور اس کے لوازم کی روشن برہان ہے۔

عرب میں مرد عورت پر عاشق ہے۔ جو بالکل فطرتی و خلقی ہے۔ لیکن ایران کا عشق فطرت پر

کب قناعت کرنے والا تھا یہاں اُس نے یہ سب مراحل و منازل طے کرتے ہوئے مرد کو مرد پر

عاشق کیا اور اس طرح عشق و لوازمات عشق کے لئے گوناگوں رنگینیاں پیدا ہوئیں

جن کا قبل میں نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر کیا تھا ؎

اے حسن حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی
یہ عشق کی بیباکی سب تجھکو سکھا دیگی

کمالِ عشق تو یہ ہے کہ لڑکا ابھی مکتب میں ہے حرف شناسی بھی اُسے نہیں آتی لیکن

عشاق ہیں کہ پروانوں کی طرح گرے پڑتے ہیں شعر ملاحظہ ہو ؎

زیں درسِ غلط بحث بر اوستادِ تو دارم
تعلیمِ جفا کردہ و فا ہیچ نیاموخت

دوسرا شعر ؎

مبارک باد مرگِ نو باُستاد
بمکتب میرود طفلِ پری زاد

اب معشوق کے عہد طفلی سے متعلق انواع و اقسام کے مضامین پیدا ہو گئے۔

خدا خدا کرکے وہ لڑکا جسے شعور سے پہلے معشوق بننا پڑا تھا اور علم شروع کرنے سے بہت

قبل اُسے سند معشوقیت بارگاہِ عشاق سے دی گئی تھی جوان ہوتا ہے۔ مسیں بھیگتی ہیں

خط نمودار ہوتا ہی اُس وقت عشاق آتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر کہتے ہیں

گفتم زغمت دارِ ہم از سبزہ دمیدن — دردا کہ زخط حسن رخت گشت دوبالا

دیگر

حسنِ سبز بخطِ سبز مرا کرد اسیر — دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

خط وسبزہ کے مضامین

اسی خط اور سبزہ سے شعرا نے گوناگوں مضامین پیدا کئے۔ عرب غریب ان باتوں کو کیا جانے یہ تو خصوصیات ایران ہیں۔ اب اس سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو بچہ بدر شعور سے پہلے معشوق بنا ہو اور جوانی تک معشوق رہا ہو وہ جب عاشق بن کر شعر و سخن کے میدان میں اُترے گا تو بالیقین اُس کے کلام میں نزاکت و لطافت اور ایک طرح کی لچک و شیرینی ہوگی۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن سے ایک غزل کی آرایش ہوتی ہی یہ ظاہر ہی کہ ایسے شاعر کے منہ سے جو بات نکلے گی وہ نازک و لطیف ہی بن کر نکلے گی عشق اور اُس کے معاملات و واقعات کو اس سے بہتر کون جان سکتا ہی مصرع

باشیر اندروں شد باجاں بدر برآید

اثمها اکبر من نفعها

یوں تو عاشق و معشوق کے ناز و نیاز کو ہر دل جانتا ہی۔ مگر اس جاننے اور اُس جاننے میں آسمان و زمین کا فرق ہی۔ یہاں خود حدیثے نقد حال ماست آں کا قصہ ہی وہاں دوسروں کی سُنی سُنائی باتوں پر اکتفا ہی۔ اس میں شک نہیں کہ غزل کی ایجاد اور وقوعہ گوئی کی ایزاد نے فارسی شاعری میں چار چاند لگا دئے زبان سے الفاظ کیا نکلتے ہیں فصاحتِ شیراز کا شیرہ بہتا ہی۔ شہد و شیر کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہی۔ لطیف سے لطیف تر محاورات پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن دوستو انصاف شرط ہی۔ اسی شاعری و

عشقبازی نے اخلاق کا آخر میں خاتمہ کر دیا۔ بوالہوسوں کی آتش ہوس اس سے بھڑک اٹھی تمام دفاتر اخلاق و موعظت کی کتابوں میں یادرس میں رہ گئے۔ رفتہ رفتہ عملی زندگی پر تو اسی شاعری کا قبضہ ہوتا گیا۔ اس کا نتیجہ ملک کی بے رونقی علم کا فقدان تمدن کا فنا ہونا لازمی تھا۔ وہ ایران کے لئے نوشتۂ تقدیر ہو کر اسی شاعری کی بدولت سامنے آیا۔

خیر یہ ایک اور ہی بحث ہے جس کا یہ محل نہیں۔

رقیب و رقابت کے مضامین

یہاں تو یہ بیان کرنا ہے کہ عشق کے لئے سرزمین ایران کی آب و ہوا بہت ہی موافق آئی اگر مرد مرد پر عاشق نہ ہوتے تو یہ مضامین کہاں سے شعر کی صورت میں آج دکھائی دیتے۔ شعرا کو مردوں کے معشوق ہونے سے ایک رقیب ملا۔ عربی میں رقیب کے معنی نگہبان کے ہیں۔ خیام و اہل خیام کی محافظت پر جو مقرر ہوتے انھیں رقیب کہتے تھے۔ لیکن فارسی میں اس کا استعمال جن معنوں میں ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس تبدیل معنی نے آفرینش مضامین کے لئے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ رقیب و رقابت سے ایسے ایسے تخیل پیدا ہوئے کہ اُن کی داد نہیں دی جا سکتی۔ فارسی اشعار کے مطالعہ کرنے والوں سے اس کا لطف مخفی نہیں۔ عرب جاہلیت کی شاعری اس وسیع مضمون سے بھی خالی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے وہ چند اشعار خصوصیت کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں جو اُس نے قاصد کو مخاطب بنا کر کہے ہیں۔ لیکن اہل ایران کے اشعار سے اُن اشعار کو کیا نسبت مرد معشوق ہے بازاروں میں نکلے گا۔ محفل و مجلس میں پہنچے گا مجامع میں اُس کا گزر ہوگا پھر رقیبوں کی کثرت ہوگی اور رقابت میں تنوعات ہونگے۔ وہاں یعنی عرب میں باوجود

آمیزش ایران بہت جدت کی تو قاصد کی قسمت پر رشک آگیا۔ مامون الرشید کے وہ اشعار

یہ ہیں ؎

بَعَثْتُكَ مُشْتَاقاً فَفُزْتَ بِنَظْرَةٍ وَاَغْفَلْتَنِي حَتّٰى اَسَأْتَ بِكَ الظَّنَّا

(میں نے تجھے کس اشتیاق سے قاصد بنا کر بھیجا پس تیری نظریں تو اُس کے دیدار سے بہرہ اندوز ہو گئیں

اور میری جانب سے تو ایسا غافل ہو گیا کہ اپنے بارے میں تو نے میرا خیال بُرا کر دیا)

وَنَاجَيْتَ مَنْ اَهْوٰى وَكُنْتَ مُقَرَّبًا فَيَا لَيْتَ شِعْرِي عَنْ دُنُوِّكَ مَا اَغْنٰى

(تو نے اُس سے سرگوشیاں کیں جسے دل چاہتا ہی۔ اور اُس سے نزدیکی حاصل کی۔ اے کاش تیری اس

نزدیکی کی مجھے خبر ہوتی اور میں اس سے بے پروا نہ ہوتا)

وَرَدَّدْتَ طَرْفاً فِي مَحَاسِنِ وَجْهِهَا وَمَتَّعْتَ بِاسْتِمَاعِ نَغْمَتِهَا اُذْنًا

(تو نے بار بار اپنی نگاہ اُس کے چہرے کی خوبصورتیوں کی طرف ڈالی اور تو نے اپنے کان کو اُس کے

خوش آیند نغمات سے لذت گیر بنایا)

اَرٰى اَثَرًا مِنْهَا بِعَيْنَيْكَ لَمْ يَكُنْ لَقَدْ سَرَقَتْ عَيْنَاكَ مِنْ وَجْهِهَا حُسْنًا

(تیری آنکھوں میں ایسی علامت میں دیکھتا ہوں جو پیشتر نہ تھی البتہ تیری آنکھوں نے اُس کے زیبا چہرے

سے حسن چرایا ہی)

خلاصہ یہ کہ عرب کی شاعری جب مٹ گئی اور عجم کی تقلید اُس میں آگئی اُس وقت بھی عشق کو وہ رتبہ نہ ملا جو اُسے ایران میں حاصل تھا۔ یہ ایرانی ہی شاعر میں کمال ہی کہ وہ ادائے معشوقانہ کو بیان کرتا ہی بیان کرتا ہے جب تھک جاتا ہی تو ضیق بیان کو اس طرز میں کہہ جاتا

ہی کہ ہزاروں وسعتِ بیان اُس پر قربان ہیں مثلاً ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست　　بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اب ہم بھی اس بیان سے تھک گئے ؎

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز و دم درکش　　حسن ایں قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

(۳) باغ و راغ

اب مضمون کی دوسری قسم لیجئے جسے خصوصیت ملکی نے اہل ایران کے ساتھ مخصوص کر دیا ہی۔ وہ باغ و بہار کا مضمون ہی۔ ایران کا خطہ ہرا بھرا لہکتا مہکتا چمن ہی۔ بہار کا موسم وہاں عجب ستی و حسن و جمال کے ساتھ آتا ہی۔ اُس وقت وہاں کا ایک ایک چپہ سو سو چمن بر خندہ زن ہوتا ہی۔ دلوں پر موسم کی کیفیت سے سرور و مستی چھا جاتی ہی۔ خوشنوا چڑیوں کا چہچہانا، بلبل کا چہکنا درختوں کا سرسبز و شاداب ہونا اور پھولوں کی شگفتگی پھر اُن کی شامہ نواز لپٹ صلِّ علیٰ و جلّ اُس وقت اُن کی تازگی و رنگا رنگی سے دلوں میں سُرور و دماغ میں راحت آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہی۔ ایرانی شاعر اپنے گرد و پیش باغ جناں کا نقشہ دیکھتا ہی۔ اپنے ملک اپنے وطن کو جب ایک عروس زیبا کی طرح بنا سنورا پاتا ہی تو بے اختیار مست و سرشار ہو جاتا ہی۔ پھر اُسی کیف میں جو اُن چیزوں کا بیان شروع کرتا ہی تو اس قوت و قدرت سے الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہی کہ سُننے والا بھی تھوڑی دیر کے لئے مدہوش و بے ہوش ہو جاتا ہی۔

عرب ریگستانی و کوہستانی ملک کے رہنے والے باغ و بہار کا نام و نشان تک نہیں جانتے۔ اس لئے وہاں آپ نہ تو سنبل سونگھیں گے، نہ نرگس کی مستی دیکھیں گے نہ لالہ کا ساغر آپ کو ملے گا۔ چوں کہ اُن کا جزیرہ نما ملک ان چیزوں کے پیش کرنے سے قاصر ہے اس لئے عربی شاعری میں نہ تو ان چیزوں کا بیان ہے نہ ان سے تشبیہ اور استعارے کا نشان۔ بہاریہ مضمون ایران کا حصہ ہے۔

بہار کا نمونہ خزاں میں

اس دَورِ آخر میں جب کہ ایران ایران نہ رہا، نہ ملک کی طرف توجہ رہی نہ اُس کی آبادی و شادابی کا خیال رہا سلطنت غافل، اہل ملک کاہل۔ اُس پر بھی قاآنی نے جو بہاریہ قصائد لکھے ہیں اُس سے سمجھنا چاہیئے کہ ایران جب زندہ ہوگا تو شعرا کیسے کیسے مضامین کا چمن کھلاتے ہونگے۔ ہم چند شعر قاآنی کے محض لطفِ ناظرین کی غرض سے پیش کرتے ہیں ۔

بہار آمد کہ از گلبن ہمی بانگِ ہزار آید — بہر ساعت خروشِ مرغِ زار از مرغزار آید

تو گوئی ارغنوں بستند بر ہر شاخ و ہر برگے — زبس بانگِ تدرو و صلصل و دراج سار آید

بجوشد مغزِ جاں چوں بوئے گل از گلستاں خیزد — بپرّد مرغِ دل چوں بانگِ مرغ از شاخسار آید

یکے گیرد بکف لالہ کہ ترکیبِ قدح دارد — یکے بر گل کند تحسیں کز و بوئے نگار آید

یکے با دلبرِ سادہ بطرفِ بوستاں گردد — یکے با ساغرِ بادہ بطرفِ جوئبار آید

یکے بر لالہ پا کوبد کہ ہی ہی رنگ مَی دارد — یکے از گل بوجد آید کہ وہ وہ بوئے یار آید

یکے اینجا گسار د مے یکے آنجا نوازد نے
صدائے ہائے و ہوئے ہی زہر سوئے بزار آید

زہر سوئے صدائے ارغنون و چنگ و نے خیزد
زہر سوئے صدائے بربط و طنبور و تار آید

یکے بر لالہ می غلطد یکے در سبزہ می رقصد
یکے گاہے رود از ہوش یک گہ ہوشیار آید

الا یا ساقیا مے دہ بجانِ من بیا پے دہ
دما دم ہی خور و ہی دہ کہ می ترسم خمار آید

یہ ہیں خصوصیات فارسی شاعری کی جنھیں نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اس مختصر تحریر میں بیان کیا اب دو ایک باتیں الفاظ کے متعلق بھی گزارش کر دوں تو یہ تمہید ختم ہو اور آغازِ مقصد ہو جائے۔

فارسی الفاظ | فارسی زبان میں الفاظ کم ہیں اور مصادر بہت ہی کم۔ اس لیے اُنھوں نے اپنے الفاظ کی کمی مرکبات سے پوری کی ہے۔ ایک ہی اسم کو مختلف مصادر سے ترکیب دے کر طرح طرح کے دل فریب مطالب یا ایک اسم کو دوسرے سے ملا کر معانی مختلفہ پیدا کیے ہیں۔ مثلاً اُن کا ملک رنگین ہے۔ طبیعتیں بھی رنگین پائی ہیں اس پر تعلیم و تمدن نے اور بھی رنگ گہرا کر دیا ہے۔ اب جو بات مُنہ سے نکلتی ہے رنگین ہو کر نکلتی ہے۔ رنگ اُنھیں بہت مرغوب و محبوب ہے۔ اس لفظ کو مختلف مصادر سے ترکیب دینگے اور رنگا رنگ معنی پیدا کرتے جائیں گے۔ مثلاً رنگ ریختن، رنگ بُردن رنگ برخاستن وغیرہ۔ اسی طرح ان کا ملک سرد ہے۔ گرمی اور آگ اُنھیں محبوب اور راحت رساں ہیں۔ دو مہینے سرما کے ایسے بسر ہوتے ہیں کہ انسان تو انسان چرند و پرند کا کہیں نشان تک نہیں ملتا ہے۔ کاروبار بند آمد و رفت مسدود۔ اہل صنعت و حرفت کے پیشے

اُن کے ہاتھوں سے سوا ٹھنڈے۔ اُس وقت یہی آگ اُنھیں راحت پہنچاتی ہے۔ اور حیات کو خوشگوار رکھتی ہے۔ اب لفظ آتش کو وہ مختلف اسما سے ترکیب دینگے اور ایسے معانی پیدا کرینگے جن سے چستی رونق و قدر وغیرہ کے مفہوم سمجھے جائیں مثلاً آتش بیان آتش لب آتشِ بے دود وغیرہ۔ اس گرمی کی ضد سردی ہے۔ وہ اُنھیں نامرغوب ہے۔ تو اس سے جس قدر مرکب بنائیں گے اُن میں بے رونقی و سُستی و کاہلی کا مفہوم ہوگا۔ مثلاً سرد مہر۔ سرد نفس سرد رو وغیرہ۔ یہ الفاظ کی ترکیب اہل فارس سے مخصوص ہے۔ عربوں کو اس طرح ترکیب دے کر الفاظ میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اوّلاً اُن کے پاس اس قدر اکثار الفاظ ہے جو اُنھیں ایسی ضرورتوں سے محفوظ رکھتا ہے پھر اُن کی زبان ایک بولتی زبان ہے۔ لفظ اپنا مفہوم اور فلسفہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ آج حیرت ہوتی ہے کہ خداوندا وہ بھی آخر بشر ہی تھے جنھوں نے ایسی زبان وضع کی۔ ثانیاً ایک ہی مادّے کو مختلف ابواب میں لے جاکر عجیب معانی پیدا کرتے ہیں۔ ثالثاً اسم ظرف و اسم آلہ وغیرہ مشتقات اپنا وسیع دامن رکھتے ہیں۔ اِنھیں وجوہ سے عربوں نے دیگر السنہ کو عجم کہا اور سچ کہا۔ عربی الفاظ کی بحث بہت ہی نادر و لطیف بحث ہے لیکن یہاں جس قدر بیان کرنا ضروری سمجھا گیا اُس قدر عرض کر دیا۔ تفصیل کے لئے دوسری ملاقات چاہیے ؎

مل رہینگے ترے کوچے میں کبھی دل اور ہم یار باقی ہے تو صحبت ہے دل آرا باقی

حضرت امیر خسرو کی شاعری

فارسی شاعری اور اُس کے عروج و نزول کی تاریخی بحث اور اُس کے ہر دَور کی خصوصیات وغیرہ ایک مختصر طریقے پر جب کہ معلوم ہو چکیں تو اب اصل مدعا یعنی امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری پر ایک تنقیدی نظر ڈالنی چاہیے۔

خسرو اور انواع کمال

خسرو علیہ الرحمۃ کو جو جامعیت کہ مبدء فیاض سے عطا ہوئی ہے اس طرح کی بخششیں صفحات تاریخ میں بہت ہی کم یاب و نادر ہیں۔ خصوصاً سر زمین ہند کے لئے تو ان کی ذات ایک بے مثل مایۂ ناز و فخر ہے مختلف پہلوؤں سے ان کی ذات باکمالوں۔ کی صف میں صدر نشین پائی جاتی ہے۔

اگر صوفی کی حیثیت سے دیکھو تو فانی فی اللہ۔ ندیم کی حیثیت سے دیکھو تو ارسطوئے زمانہ۔ عالم کی حیثیت سے دیکھو تو متبحر علامہ۔ موسیقی کی حیثیت سے دیکھو تو امام المجتہد۔ مورّخ کی حیثیت سے دیکھو تو بے نظیر محقق۔ شاعر کی حیثیت سے دیکھو تو ملک الشعرا۔ ان کے ہر کمال کا دامن نہایت وسیع ہے اور اپنے بیان میں نہایت طوالت پذیر۔ سچ ہے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(قدرت خداوندی سے کیا بعید ہے اگر وہ ایک عالم ایک ہی شخص میں جمع کر دے)

اب ہر حیثیت اور کمال کے ہر پہلو سے بحث تو ان کے سوانح نگار کا فرض ہو گا۔ مجھے تو صرف ان کے ایک کمال یعنی شاعری کا ایک ایسا نمونہ پیش کر دینا ہے جس سے خسرو علیہ الرحمۃ

کی خسروی تمام اصنافِ نظم پر من وجہ ظاہر ہو جائے۔

اربابِ فن نے کلام منظوم کی جو قسمیں کی ہیں اُن میں پانچ قسمیں اصل ہیں۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی اور قطعہ پھر ان میں بھی باعتبار مضامین تنوعات گوناگوں پائے جاتے ہیں۔ جن کا بیان اپنے اپنے موقع پر آئندہ آئے گا۔ لیکن ناصحانہ، حکیمانہ، عشقیہ، رزمیہ اخلاقی جذبات کی مصوری اور مناظر کی نقاشی یہ وہ اقسام ہیں جہاں شاعر کی طبیعت کا اصل جوہر کھلتا ہے۔

کلام خسرو اور ہر دور کے محاسن

خسرو علیہ الرحمتہ میں یہ کمال ہے کہ نظم کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جس میں ان کے قلم کی روانی دریا کی موجوں کی طرح لہریں نہ مارتی ہو۔ اگرچہ ان کا وجود دورِ ثالث کے شعرا میں پایا جاتا ہے لیکن ان کے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر دور کے محاسن ان کے کلام میں موجود ہیں۔ سادگی سنگینی واستواری جو دورِ اول کی ممتاز خصوصیت ہے ان کے کلام میں بکثرت اس کے نمونے پاؤ گے رنگینی لطافت اور ملائمت جو دورِ ثانی کا کمالِ ہنر ہے اس آرائش سے بھی کلام خسرو بہ تمام و کمال مزین و مرصع ہے۔ ہر طرح کے اساس مضامین فراوانی واکثار کے ساتھ خزانۂ خسروی میں پائے جاتے ہیں۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ خسرو کا دور ایسے زمانے میں آتا ہے جب کہ نظم پوری آرائش سے آراستہ و پیراستہ ہو چکی ہے۔ اسلاف نے ہر طرح کے مضامین کا احاطہ کر لیا ہے زبان بھی

صنائع و بدائع سے مرصع ہو چکی ہے۔ شاعری کی بحث میں ابھی تم پڑھ چکے ہو کہ معانی کی کمی فردوسی نے پوری کر دی۔ الفاظ میں تراش خراش اور رنگینی دَورِ ثانی کے شعرا کر چکے اب اس تیسرے دَور کے لئے کیا رہ جاتا ہے۔ بقول خود امیر خسرو ؎

در محفلِ وصالت دریا کشند مستاں   چوں دورِ خسرو آمد مے در سبو نماند

باوجود اس تنگی و کشاکش کے یہ صرف خسرو ہی کا کمال ہے کہ نہایت قادر الکلامی سے ایسا سدا بہار چمن کھلا گئے جس کے پھول آج تک نہ کملائے اور اُس کی شامہ نواز لپٹ عطر مجموعے کی طرح گوناگوں خوشبو سے اربابِ ذوق کے دماغ کو معطّر کرتی رہی۔

خسرو شاعر گر تھے | اگر خسرو علیہ الرحمہ کی صرف شاعرانہ حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بحث و نقد کا سلسلہ چھیڑا جائے تو اچھی ضخیم اور پُر مغز و مفید کتاب طیار ہو سکتی ہے اس لئے کہ کل انواع شاعری پر صرف انھیں کا قلم ہے جس نے حسن و لطافت زور و توسّع کے ساتھ سیر کی ہے۔ ان کی اسی ہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے ایک سخن شناس جب ان کے مجموعۂ کلام کا امعان نظر سے مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پُہنچتا ہے کہ خسرو صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ شاعر گر۔ گو یہ اپنی تصانیف کے ہر پڑھنے والے کو شاعر نہ بناتے ہوں تاہم اس میں کوئی کلام نہیں کہ جو شخص فطرتاً شاعری کا مادہ رکھتا ہے اُس کے اُس مادّے میں یہ ایک تحریک سی ضرور پیدا کر دیتے ہیں۔ چوں کہ نظم کی ہر صنف ان کے کلام میں موجود ہے اور طرح طرح

کے اسلوب سے بیان ہوئی ہے اس لئے جس کی طبیعت جس سے مناسبت رکھتی ہوگی اُس میں ایک جنبش کا پیدا ہوجانا ایک لازمی امر ہے اس حساب سے ان کو شاعر گر کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا۔

فیض پہنچتا ہے ہر اقلیم کو اُس کا قلم　　نفع بخشِ خلق ہے جو کچھ کیا اُس نے رقم

اب ہم بعض نمونے کلام خسروی کے نمونتہً پیش کرتے ہیں تاکہ اس اجمال کی تفصیل ہوجائے اگرچہ ان کا سارا کلام بجائے خود نمونہ ہے جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھ لو، کچھ انتخاب کرنے کی حاجت نہیں۔ لیکن چوں کہ اس کتاب کے پڑھنے والے کی سہولت اور خسرو کی شاعری سے اُس کی ایک عام واقفیت مقصود ہے۔ اس لئے جا بجا سے مختلف نمونے لے کر یکجا جمع کردیے جاتے ہیں۔

کلام خسرو کا ناصحانہ پہلو

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نصیحت گری بادی النظر میں جس قدر سہل و آسان معلوم ہوتی ہے فی الحقیقت اُسی قدر اہم و معرکتہ الآرا ہے۔ ناصح اگر ان نکات سے آگاہ نہیں ہے جس سے نصیحت کی تلخی و ناگواری دُور ہو کر گوارا بلکہ خوش گوار ہوجاتی ہے تو ہمیشہ اُس کی نصیحت مقبولیت سے محروم رہیگی بلکہ بعض اوقات اُس کا سننا بھی گراں گزرے گا۔

خسرو علیہ الرحمہ کے ناصحانہ اشعار میں قطع نظر شاعرانہ صنائع بدائع کے یہ بھی بڑا کمال ہے کہ ہر نصیحت ایسی دل گیر و دل پذیر طرز میں پیش کرتے ہیں کہ بے اختیار دل لبیک کہہ اُٹھتا

ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکیمانہ آنکھ سے ہر جزوِ عالم پر نظر رکھتے ہیں اور ہر دلچسپ نکتے کا تُلا اثر لیتے ہیں ان کی طبع رسا عجائب عجائب باتیں گھڑتی رہتی ہے۔ یہ ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں سے بھی اخلاقی سبق لیتے ہیں اور پھر ان کو نہایت قبول صورت میں اپنے ناظرین کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ تعلیم اخلاق کا دامن ان کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹتا اور پند و نصائح کا دروازہ اُن کے ہاں برابر کھُلا رہتا ہے۔ قدم قدم پر پند و نصائح کے موتی رولتے جاتے اور سلکِ نظم میں اُسے پروتے جاتے ہیں۔

مثال اول تواضع و خاکساری

مثلاً اُنھیں یہ کہنا ہے کہ انسان کو فرائضِ انسانیت سے غفلت نہ چاہیے باوجود بے شمار دولت کے بھی متواضع و خاکسار ہی رہنا زیور انسانیت ہے کام وہی کرنا چاہیے جس میں صلاح و فلاح ہو۔ ان مضامین کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

سرمایۂ مردمی مکن گم ‏ کز مردمی ست نورِ مردم
گرچہ زرت از عدد بود بیش ‏ درویش نواز باش و درویش
در ہر چہ ترا اشمار باشد ‏ آن کن کہ صلاحِ کار باشد
بینائیِ عقل پیش می دار ‏ بینا شو و پاسِ خویش میدار

مثال دوم ہنر کی رغبت اور کاہلی کی بُرائی

یا مثلاً اُنہیں ہنر کی طرف مائل کرنا ہے تو اے عملیہ کو بے کار و معطل رکھنے سے منع کرنا ہے تو اُس کو اس طرح کہتے ہیں ؎

آں کو بہ ہنر نہ شد طلب گار ‏ چوں بے ہنراں بود قفا خوار
آں خواجہ کہ کاہلی ست خویش ‏ کاہل تراز دست آرز دیش

جاں کن کہ غرض بہ چنگ یابی | کاں کن کہ گہر بہ سنگ یابی
زاندیشہ دقیقہ نغز خیزد | وزبیختن آرد مغز ریزد
یک شاخ کہ میوہ دہد تر | بہتر زہزار باغِ بے بر

مثال سوم۔ بلندی ہمت و پستی حرص

یا مثلاً انہیں ہمت کی بلندی اور حرص و پست ہمتی کی مذمت مقصود ہو تو اُسے اس طرح پیش کرتے ہیں ؎

ہیچ کسے رہ سوئے بالا نیافت | تا قدم از ہمتِ والا نیافت
پرّیِ دل سوئے بلندی کشد | پستی ہمت بہ نژندی کشد
تشنگی آبِ رود زآب جو | تشنگی چشم برد آبرو

دیکھو یہ پیش پا اُفتادہ مضامین ہیں۔ شعرائے سلف انھیں طرح طرح سے بیان بھی کر چکے ہیں پھر اب اس انداز سے بیان کرنا کہ طبائع متوجہ ہو جائیں اور سامع اسے فرسودہ سمجھ کر غفلت نہ کرنے پائے بیان کا کمال نہیں ہے تو کیا ہے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ کاہلی اچھی چیز نہیں مگر خسرو نے جس شان سے اس کی بُرائی دکھائی ہے وہ ایک بے نظیر فلسفہ ہے ؎

آں خواجہ کہ کاہلی ست خویش | کاہل تر از دست آرزو یش

یعنی قوائے عملیہ کے تعطل کا اثر جذبات پر پڑتا ہے انسان جب سست و کاہل ہو جاتا ہے تو یہی نہیں کہ کام نہیں کرتا ہے بلکہ آرزو و تمنا حوصلے و ولولے یہ سب فنا ہو جاتے ہیں نہ دل میں اُمنگ باقی رہتی ہے نہ حوصلہ۔ جس قدر اس شعر پر زیادہ غور کیا جائے

اُسی قدر اُس کا لطف زیادہ آئے گا۔ دیگر مضامین کا بھی یہی حال ہے کہ باتیں وہی معمولی ہیں جنھیں ہر شخص جانتا ہے۔ مگر اُن سے جو نتائج نکالے ہیں یا جو اُن کی مثالیں دی ہیں یا جس انداز سے الفاظ باہم ترکیب و ترتیب دئیے ہیں اور بیان کا جو اعجوبہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے ان باتوں نے قدیم خیالات کو ایک نیا جامہ پہنا دیا ہے۔ اور یہی شاعر کا اصل کمال ہے۔

مثال چہارم شرافت انسانی اور ایک جاں نواز نصیحت

دیکھو ایک جگہ اسی بات کو کہ انسان کو منہیات شرعیہ سے بچنا چاہیے اس کے عبادات و معاملات میں فتور نہ آنا چاہیے کس دردمندی سے سمجھاتے ہیں۔ پہلے انسان کے اشرف المخلوت ہونے کو جتاتے ہیں عالم علوی سے عالم سفلی تک کی اشیاء کو اُس کا خدمت گزار و مطیع ثابت کرتے ہیں پھر اُس دولت کی جو بارگاہ خداوندی سے خاص اُس کے لئے مخصوص ہوئی ہے یاد دلاتے ہیں۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد اب نصیحت کرتے ہیں اور صرف ایک مصرعہ میں ایک دفتر کا دفتر کہہ جاتے ہیں۔ اس مضمون کے اشعار التقاط کر کے یہاں درج کئے جاتے ہیں ؎

اَے ز ازل گوہرِ پاک آمدہ	گوہرِ تو زیورِ خاک آمدہ
چنبرِ نہ چرخ بسے بخت خاک	تا تو بروں آمدی اے دُرِّ پاک
آں خلفے تو کہ ز روزِ نخست	کون بہ مہمانیِ شش روزہ ست
خود ز پدر گرچہ کنوں آمدی	با پدر از جملہ بروں آمدی
دفترِ معنی نہ ز بر خواندہٗ	تختۂ اسمار ز پدر خواندہٗ

عرصۂ عالم بہ مسافت ترا ست — دولتِ عالم بہ خلافت ترا ست
حبلِ وریدِ تو فگندہ بلند — در شرفِ کنگرۂ اللہ کمند
نورِ تو ہنگامۂ انجم شکست — دستِ تو تسبیحِ ملائک گسست
جانِ جہانِ ہمہ عالم توئی — وانچہ نگنجد بجہاں ہم توئی
توشۂ اقلیم تو ہر دو سرائے — تو ملکے تختِ تو شد چارپائے
گنجِ خدا را تو کلید آمدی — نہ ازپئے بازیچہ پدید آمدی
چرخ کہ از گوہرِ احسانت ساخت — آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت
آئینہ زیں گونہ کہ داری بچنگ — آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

اشعار مذکورۂ بالا میں جو صنائع عجیبہ و تلمیحات لطیفہ ہیں اُس کے بیان کا کہاں موقع۔ شعر و سخن سے اگر کچھ بھی مذاق آشنا ہی تو خود ہی سمجھ لو۔ کرامتِ انسانی کا جو فلسفہ بیان کیا ہی وہ شاعر کے غواص سخن و شناور فن ہونے کی دلیل ہی۔ اس حکیمانہ انداز سے اس بیان کی ادا نہایت کی گئی ہی کہ جس کی داد دی نہیں جاسکتی۔ صرف اسی ایک پہلو کو لو کہ جس طرز سے اس نصیحت میں مرصع کاری کی گئی ہی اس سے فلسفۂ نفسیات پر خسرو کا کیسا ملکہ ظاہر ہوتا ہی۔ عالم فلسفۂ نفسیات سے یہ امر مخفی نہیں کہ جب کسی کے ساتھ محقرانہ برتاؤ و رسوا کن انداز سے گفتگو کی جاتی ہی تو اُس سے مخاطب میں قطع نظر نفرت کے ایک طرح کی پست ہمتی اور پست ہمتی سے شریف جذبات کا فنا اور اُس کے فنا سے کمینہ عادتوں کا نشو و نما شروع ہو جاتا ہی۔

برخلاف اس کے اگر کسی کی عادات رذیل بھی ہوں لیکن جماعت اور اُس کے احباب اگر اُس سے اس طرح ملنا شروع کریں کہ کسی کے انداز میں یہ نہ پایا جائے کہ وہ اُسے رذائل سے آلودہ جانتا ہے اور اخلاقی حیثیت سے اُسے حقیر سمجھتا ہے تو یہ طریقہ اُسے شریف عادات کی طرف مائل کردے گا۔

تاریخ کی کتابوں میں ایسے واقعات بہت ملیں گے جن سے فلسفۂ نفس کے اس اہم مسئلہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس مقام پر خسرو علیہ الرحمہ کی اس طرز خاص سے نصیحت گری بھی اسی نکتہ کو مشعر ہے۔

پہلے فرزند آدم کی کرامتوں کا ایسا پُرجلال وجمال مرقع کھینچا ہے کہ بے ساختہ دل اُسے دیکھ کر کھنچ جاتا ہے۔ پھر آخر کے دو شعر عجب کمال کے نمونے ہیں ؎

چرخ کہ از گوہر احسانت ساخت　　آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت

آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ جنگ　　آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

پہلے شعر کا مدعا یہ ہے کہ حقیقتاً انسان تو وہی ہے جس کے دیکھنے سے غافل کو بھی خدا یاد آجائے انسان کا مجسمہ ایک آئینہ ہے جس میں رحمان کی صورت دکھائی دیتی ہو۔ اب اگر ایسا آئینہ کسی کے پاس ہو اور اُس کی غفلتوں سے وہ زنگ آلود ہو جائے تو یہ کیسی مصیبت عظمی ہے

ع آہ ہزار آہ کہ داری بزنگ

صرف اس ایک مصرع کے زور بیان اور اسلوب ادا کو دیکھو بلاغت و جوش کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

مثال پنجم۔ جوہر ذاتی چاہیئے نہ آبائی

ایسے ایسے مضامین کو کہ صرف تمنا پستی سے بلندی تک نہیں پُہنچا سکتی دوسرے کے بھروسے کام نہیں چلتا استخوان فروشی دون ہمتی ہی کچھ ایسے دل میں گھر کر جانے والی ادا اور روانی سے بیان کر جاتے ہیں کہ بے خواستہ واہ واہ نکل آتی ہی ؎

پست نہ گردد بہ تمنا بلند　　گرچہ بہ انگشت کند پا بلند
تکیہ چہ آری بعصاے کساں　　زندہ نشد کس بہ بقاے کساں
چند زبادِ پدر و جد پری　　باد بود ہرچہ نہ از خود بری

خسرو کا تصوف

تصوف کے اہم و معرکۃ الآرا مسائل کو جس صفائی و روانی سے اُنھوں نے نظم میں بیان کیا ہی اُس سے قطع نظر کمال شاعری زور کلام اور حسن ادا کے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اس راہ کا منزل شناس کہہ رہا ہی۔

اکثر و بیشتر شعرا نے یہ سمجھا کہ مثل گل و بلبل اور معاملات ناز و نیاز کے مسائل تصوف بھی صرف زبان و بیان چاہتے ہیں حالانکہ بقول سعدی شیرازی ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

ایسے شعرا جو خود مقامات تصوف کے طے کرنے والے نہیں ہیں صرف الفاظ و مصطلحات صوفیہ لیکر اشعار میں نظم کر دیا کرتے ہیں۔ اہل دل گروہ اُسے خوب پہچانتا ہی کہ یہ قال ہی حال نہیں۔ مولنٰا رومی علیہ الرحمہ ایسے ہی شعرا کے متعلق مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

لفظِ درویشاں بدزدد مردِ دُل　　تا بخواند بر سلیمے ایں فسوں

خسرو علیہ الرحمہ جہاں کہیں مسائل تصوف بیان کرتے ہیں وہ اُن کی حالت کا آئینہ ہوتا ہے
اُس پر بیان کا ایک خاص زور وضاحت کلام کا ایک لطیف انداز ایسا ہوتا ہے کہ حسن بیان
پر بلاغت، بلاغت پر فصاحت اور فصاحت پر ہزار شیرینی قربان ہے۔

تصوف کا پہلا شعبہ یعنی الٰہیات

مسائل تصوف میں الٰہیات کا حصہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ خواجہ فریدالدین عطار، حکیم سنائی، مولانا رومی، نظامی گنجوی ان سے قبل اور سعدی ان کی حیات میں اس طرح ان مسائل کو بیان کر چکے تھے کہ عقل حیران تھی کہ اب ان مسائل کے بیان کا کون سا جدید عنوان ہوگا۔ لیکن خسرو علیہ الرحمہ نے جب انھیں مسائل کو بیان کیا ہے تو معلوم ہوا کہ بیان کا یہ پہلو خسرو کا منتظر تھا۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ انسان جو عالم امکان میں سب سے افضل ہے اور اس کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں یہ اگر اس کی کوشش کرے کہ حقیقتِ الٰہ سے آگاہ ہو جائے تو یہ ناممکن و محال ہے۔ علمِ ممکن حقیقت واجبہ کا احاطہ تو کہاں کر سکتا ہے وہاں تک اس کی رسائی بھی محال ہے۔ اسی مضمون کو سعدی نے کہا ہے

توان در بلاغت بسجباں رسید   نہ در کنہِ بیچونِ سبحاں رسید

لیکن اب خسرو کو دیکھو کہ کس نئے انداز سے بیان کرتے ہیں ؎

ہر چہ از تو گماں برم بہ چونی   آں من بوم و تو زاں برونی

انسان کی عقل جد و جہد کرتی ہے مقدمات ترتیب دیتی ہے۔ حقائق اشیا سے بحث کرتی ہے۔ صفات و خواص سے آگاہ ہوتی ہے۔ قدم و حدوث کا مسئلہ تحقیق کرتی ہے۔ ان سب مراحل کے بعد ایک نتیجے پر پہنچتی ہے اور چاہتی ہے کہ اُسے حقیقۃ الٰہ قرار دے لیکن جب

اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری گردش گردشِ پرکار تھی دائرہ امکان سے ذرہ برابر بھی قدم آگے نہ بڑھا تو بیساختہ کہہ اُٹھتا ہے سبحان ربک رب العزت عما یصفون - اب اس ایک شعر کو دیکھو چند سادے الفاظ میں کس وضاحت سے آیۃ کریمہ کی معنی خیز تفسیر کی ہے۔ کس طرح دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ یہ ہے زورِ کلام اور حسنِ بیان۔

دوسری مثال اور دوسرا مسئلہ

اس عقیدے کو کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور جو کچھ عالم کون میں ظاہر ہوتا ہے وہی مقتضائے مصلحت ہے۔ وجود و عدم دونوں اُس کے تحتِ حکم ہیں۔ نیستی و ہستی کوئی بھی حکمت سے خالی نہیں، کس صفائی و روانی سے نظم کا جامہ پہنایا ہے ؎

دانندۂ توئی ہر چہ راز ست — سازندہ توئی ہر چہ ساز ست

از بودنی ہر چہ بود دارد — از تو رقمِ وجود دارد

وانچہ از عدم ست نام او نیز — از حکمتِ تست ماندہ ناچیز

بودِ ہمہ گشتہ از تو موجود — حکمِ تو رواں بہ بود و نابود

تیسری مثال اور تیسرا مسئلہ

صرف عقل علۃ معرفت باری تعالیٰ ہے یا نہیں اس کا یوں جواب دیتے ہیں ؎

لوامع صفتش ہست چشم پوشِ عقول — چو آفتاب کہ نورش حجابِ ابصار ست

حکیم گفت شناسم بعقل یزداں را — زہے کمالِ حماقت وہ ایں چہ گفتار ست

کنہِ باری تعالیٰ تک عرفا کی رسائی ہے یا نہیں اس کا کیسا خوبصورت جواب دیا ہے ؎

بکنہِ حق نرسد عارف ار چہ دانندہ ست   بر آسماں نہ پرد جعفر ار چہ طیار ست

چوتھی مثال اور چوتھا مسئلہ | اس مسئلہ کو کہ دنیا کی ہر شے سے معرفتِ حق حاصل ہے یوں بیان کرتے ہیں ؎

ہر صحیفہ برگ ست نو ز حکمتِ او   نوشتہ چوں لقبِ شہ بروے دینار ست

اسی مضمون کا شعر سعدی علیہ الرحمہ کا بھی نہایت مشہور ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

تصوف کا دوسرا شعبہ | تصوف میں الٰہیات کے بعد وہ مسائل ہیں جن کا تعلق سالک کی ذات سے ہوتا ہے۔ مثلاً رضا و تسلیم، ریاضت و مجاہدہ، عشق و محبت، ذکر قلب و حیاتِ دل وغیرہ وغیرہ۔ چند نمونے اس شعبۂ تصوف کے بھی ملاحظہ ہوں۔

مثال اول | انسان کو راضی برضا رہنا چاہئے اور کسی حالت میں شریعت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکلنے پائے۔ ان باتوں کو یوں سمجھاتے ہیں ؎

انچہ مقدر شدہ است چوں نبود بیش و کم   گر برسد خرمیم ور نہ رسد باک نیست

حرص نجا کت کشد شارعِ دیں گیر زانکہ   بے روشِ مصطفٰے راہ بر افلاک نیست

مثال دوم | ریاضت کی تصوف میں کتنی ضرورت ہے بغیر مجاہدہ کچھ نہیں ہوتا قدم قدم پر ایثار و قربانی کرنا چاہئے۔ اسے عمدہ مثالیں دے کر نہایت خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں ؎

گاہِ وغا در صفِ مردانِ مرد   نام نبرد آں کہ خدنگے نخورد

طبل کہ سوراخ کنندش بہ پوست | بہر بروں رفتنِ آوازِ اوست
تا نشود خستہ بصد جا دلت | نورِ حقائق نشود حاصلت
چہرۂ سنگ ار نہ کُنی گو بگو | دانہ کجا سود شود جو بجو

مثال سوم | دل کیا ہی - اس کی کیا قدر ہی - اس کی زندگی کیا ہی - اس کی موت کیا ہی - ان امور کو جس شاعرانہ پیرایہ میں اور جس محققانہ طریقے سے اُنھوں نے بیان کیا ہے اُنھیں کا حصّہ ہی کہتے ہیں ؎

چوں تنِ آدم بگِل آراستند | خانۂ جاں بہرِ دل آراستند
آدمی آن ست کہ دروے دل ست | ورنہ علف خانۂ آب و گل ست
دل نہ ہماں قطرۂ خون ست و بس | کز خور و آشام برآرد نفس
دل اگر ایں مہرۂ آب و گل ست | خر ہم از اقبالِ تو صاحب دل ست
لیک دل آں شد کہ ہوائے دروست | وز طرفے بوے وفائے دروست
زندہ بجاں خود ہمہ حیواں بود | زندہ بدل باش کہ عمر آں بود
زندگیِ دل چہ بود؟ سوز و چاک | زندگیِ کالبدی چیست؟ خاک
غمزدہ بہ جاں کہ غم اندوز نیست | سوختہ بہ دل کہ در و سوز نیست
سردیِ دل مردگیِ دل بود | خوں چو بہ تن سرد شود گل بود

مثال چہارم | عشق کی کیا شان ہی عشاق کی کیا روش ہی - عشق کا کیا درجہ ہی ان باتوں کو اس وجد و کیف میں بیان کرتے ہیں کہ اگر ذرا غور کرو تو دل روحانی سرور سے

یکیف ہو جائے ؎

عشقِ زبانی زہر افسردہ پرس — سوزش آں از دلِ آزردہ پرس
ذوقِ نمک گرچہ زباں را خوش ست — چوں بجراحت فگنی آتش ست
موم بود دل کہ ز عشق ست زار — کو بگداز او فتد از یک شرار
شعلۂ عشق چو شد خانگی — سوختہ شد عقل بہ پروانگی
زندہ نہ آنست کہ جانے در وست — اوست کہ از عشق نشانے در وست
جاں کہ نہ عشقش بود آں بازی ست — عشق نہ بازی ست کہ جاں بازی ست
چند بری عشق بہ بازی پسر — عشق دگر باشد و بازی دگر
مرد کہ در عشق ز جاں فرد نیست — گر صفِ کافر شکند مرد نیست
چوں تو فغاں از سرِ خارے کنی — بہ کہ جز از عشق شمارے کنی

مثال پنجم | مرد وہی ہے جو مصائب میں گھبرا نہ جائے۔ ابتلا و امتحان کے میدان میں جرأت و استقامت سے مقابلہ کرے اور آخر میں کامیاب ہو کر رہے ؎

مرد نہ ترسد ز فقر شیر نہ ترسد ز زخم — مذہبِ عیّار نیست بیمِ عسس داشتن
عذرِ عروساں بود دعوئ مردی و بس — گاہ وغا پیشِ خصم روے بہ پس داشتن

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں ؎

شیر شو و صید را در تہِ چنگال کش — مرد شو و خصم را بر سرِ میداں طلب

تصوف کا تیسرا شعبہ | سب سے وسیع ترین تصوف کا وہ حصہ ہے جس میں عشقیہ روش کی

آمیزش ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد سعدی علیہ الرحمۃ نے ڈالی تھی جس پر ایک قصرِ عالی شان خسروِ اقلیمِ سخن نے تعمیر کر دیا۔

تخیل کا کمال اور کلام میں درد

بیان کی اس صنف میں خصوصیت کے ساتھ ان کا تخیل بہت ہی بلند پایہ رکھتا ہے۔ اپنے تخیل کو یہ جسمانی جامہ پہنا کر اس طرح پیش کر دیتے ہیں جس سے ان کا تخیل تخیل باقی نہیں رہتا بلکہ وہ گوشت و پوست و استخواں سے درست ملکوتی روح پھونکی ہوئی مورتیں ہوتی ہیں۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار دیکھو ؎

مثال اوّل

گُل اندر خوابگاہِ نرگس افتد چوں زد بوئے ... ولیکن عشق بازاں را اشکِ در خوابگاہ اُفتد

ز چشمت کاروانِ صبرِ من تاراج کا خر شد ... مسلماناں کسے دیدست کاندر شہر راہ اُفتد

مثال دوم

فصلِ نوروز کہ آورد طرب بر ہمہ خلق ... چشمِ بد دور مرا موسمِ باراں آورد

ہر سحر باد کہ بر سینۂ من کرد گزر ... در چمن بوئے کباب از پئے مستاں آورد

انھیں اشعار کو دیکھو تخیل کیسا اعلیٰ ہے اور پھر کلام میں کس طرح درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہے کہ دل تڑپ کر رہ جاتا ہے یہ شاعرانہ حیثیت سے بھی اعلیٰ مظہر ملکوتی عالم میں حسن و عشق حقیقی کے خیالات میں محو اور دوسرے نازک تر جذبات و لطائف میں غرق زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ان کے لئے بقول انہیں کے ؎

(یک بلبلِ خوش نوائے و دل کش ... بہتر ز دو صد کلاغ ناخوش) ہے۔

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ اوائل میں جب امیر خسرو شعر کہتے تو اس کو اپنے شیخِ طریقت حضرت سلطان المشائخ (رضی اللہ عنہ بجرمتہ) کو دکھایا کرتے تھے۔ ایک

روز حضرت نے فرمایا کہ "طرز صفاہانیاں بگو یعنی عشق انگیز و زلف و خال آمیز۔ اُسی روز سے خسرو زلف و خال کے پھندے میں ایسے پھنسے کہ تمام ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو گئے اور آج تک اُن کا عاشقانہ کلام مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا کام کر رہا ہے۔ ثبوت کے لئے ان کے کلام کا دفتر بھرا پڑا ہے۔ جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھو ایک چھوڑ ہزار ثبوت پاؤ گے۔ یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ؎

مثال سوم

بروائے یار پیشِ دیگراں دہ جلوہ بستاں را
مرا بگزار تا می بینم آں سروِ خراماں را
گرفتارِ خیالات لبش گشتم یقیں باشد
اثر ہر گہ مگس در خواب بیند شکرستاں را
مپرس از من کہ چوں می باشد آخر جانِ غمناکت
کہ من دیریست کز یادش فراموش کردہ ام جاں را

مثال چہارم

تنِ پاکت کہ زیر پیرہن ست	وحدہ لاشریک لہ چہ تن ست
اندر آ۔ درمیانِ جاں بنشیں	کہ تو جانی و جانِ من بدن ست
تا زیم در غمِ تو جامہ درم	وز پسِ مرگ نوبتِ کفن ست
دلِ خسرو خوش ست با تنگی	کہ مرا یاد گار زاں دہن ست

کلام میں دردآگینی کی وجہ

اس دردآگینی کی وجہ صاف ہے۔ انچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ ان کو اہل دل گروہ سے واسطہ تھا۔ ناسوت و ملکوت جبروت و لاہوت اور

ان چاروں سے ماوراجو عالم ہیں ان کی سیر سے ان کی چشم بینا بصارت حاصل کئے ہوئے تھی اور انھیں عالموں کی آب و ہوا میں ان کے قوائے باطنی نے پرورش پائی تھی۔ دل خستہ تھا اور آتشِ عشق سے برشتہ زبان صرف دل کی ترجمان تھی اور بس خسرو دل کی برشتگی و سوختگی کچھ ازل سے ہی لیکر آئے تھے جس کو چشتی نسبت نے اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ اس پر شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین اولیا سلطان المشائخ محبوب الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کی توجہ ظاہری و باطنی جب پڑتی تو اس آتش کی شعلہ فشانی افسردہ دلوں کو اور بھی جلاکر خاکستر کردیتی۔

لطائفِ اشرفی، سفینۃ الاولیا، سیر الاولیا، سبع سنابل، نفحات الانس وغیرہ میں خسرو علیہ الرحمہ کے شرر افشاں دل کے متعلق حضرت سلطان المشائخ کے یہ کلمات نقل کئے ہیں:۔

ایک بار آپ نے فرمایا کہ "کل قیامت میں جب خداوند عالم پوچھے گا کہ میرے دربار کے لئے کیا تحفہ لائے تو میں خسرو کو پیش کردونگا۔" پھر کسی وقت ارشاد ہوا کہ "کل قیامت میں ہر ایک شخص کسی شے پر ناز کریگا اور اے ترک میں تیرے سوزِ سینہ پر ناز کرونگا۔" اکثر دعا میں یوں فرماتے کہ "الٰہی بسوزِ سینۂ ایں ترک مرا ببخش" اور ایں کا اشارہ حضرت خسرو کی طرف فرماتے۔ اللہ اللہ وہ کیا دل تھا اور دولت عشق سے کیسا مالا مال تھا۔

اسی سوز و گداز نے خسرو کو حضرت سلطان المشائخ کا ایسا محبوب بنا دیا تھا کہ

آپ اکثر فرماتے کہ "اے ترک میں سب سے تنگ آ جاتا ہوں یہاں تک کہ کبھی خود اپنے آپ سے بھی تنگ آتا ہوں لیکن تجھ سے کبھی تنگ نہیں آتا۔" کبھی یوں اظہارِ محبت فرماتے کہ اگر ایک قبر میں دو شخص مدفون ہو سکتے تو میں وصیت کرتا کہ خسرو کو میری قبر میں دفن کرنا"

حضرت سلطان المشائخ کا یہ شعر ؎

گر برائے ترکِ ترکم آرہ بر تارک نہند	ترکِ تارک گیرم و اما نہ گیرم ترکِ ترک

اسی محبت کو مشعر ہے۔ ایک اور آپ کی رباعی کلام خسرو کے مدح میں ہے جس سے ان کے کلام کی مقبولیت معلوم ہوتی ہے وہو ہذا ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست	ملکیتِ ملکِ سخن آں خسرو راست

آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست	زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

دربارِ شیخ سے خسرو کو ترک اللہ کا لقب عطا ہوا تھا۔ اور اکثر صرف لفظ ترک سے خطاب ہوتا خسرو علیہ الرحمہ کو اس خطاب پر ناز تھا۔ چنانچہ ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

بر زبانت چوں خطابِ بندہ ترک اللہ رفت	دستِ ترک اللہ بگیر و ہم باللّٰہش سپار

یہ چند کلماتِ طیبات جو حضرت سلطان المشائخ کے نقل کئے گئے ہیں ان سے مدعا یہ ہے کہ ایک وہ شخص جو فطرتاً آتشِ عشق دل میں دبی رکھتا ہو جب اُسے کامل و مکمل شیخ طریقت مل جائے اور پھر شیخ کی محبت و عنایت اُس پر ایسی ہو کہ مرید کے مرتبے سے مراد کے مرتبے میں پہنچ جائے تو اُس کے مقاماتِ سلوک و تصوف کا کیا پوچھنا اور اُس کے کلام کی تاثیر کا کیا کہنا۔

تاثیر کلام | اہل دل جو کچھ کہتا ہے اُسے ایک اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے۔ تزک جہانگیری و دیگر تذکرہ مثل داغستانی وغیرہ میں یہ روایت معتبر موجود ہے کہ جہانگیر نے صوفیہ کی دعوت سماع کی مجلس گرم ہوئی۔ قوال نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کا یہ شعر گانا شروع کیا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

مولنا علی احمد مہر کن نشانی تخلص اُس وقت وجد و رقص میں آئے۔ جہانگیر نے اس شعر کا مطلب پوچھا مولنا اُسی طرح رقص کرتے ہوئے جہانگیر کے سامنے گئے اور فرمایا کہ ہنود اپنی کسی عید میں عورت مرد سب کے سب جوق در جوق نہایت شان و شوکت سے دریا کنارے جمع ہو رہے تھے اور بموجب اعتقاد غسل کرکے ثواب حاصل کر رہے تھے حضرت سلطان المشائخ بھی اُس وقت سیر کرتے ہوئے اُس طرف گزرے۔ اُن کے اس شغف مذہبی و انہماک کو دیکھ کر آپ نے خسرو علیہ الرحمہ کی طرف جو ہمرکاب تھے اشارہ کرکے فرمایا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

اُس وقت ٹوپی حضرت سلطان المشائخ کے سر مبارک پر اتفاقاً کج تھی۔ خسرو علیہ الرحمہ نے فوراً دوسرا مصرع

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

عرض کرکے پورا شعر کر دیا۔ مولنا علی احمد روایت ختم کرکے چاہتے تھے کہ اپنے سر پر ہاتھ لے جائیں تاکہ ٹوپی اپنی اُسی طرح کج کرکے جہانگیر کو دکھائیں کہ اس شان سے کلاہ مبارک حضرت سلطان المشائخ کی کج تھی۔ لیکن ہاتھ کا اُٹھنا تھا کہ وجد کا وہ عالم طاری ہوا کہ یک

نعرہ کے ساتھ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

سیر الاولیا جس کے جامع امیر خُرد خلیفہ حضرت سلطان المشائخ ہیں۔ اُس میں ایک نقل لکھی ہے کہ ایک روز حضرت سلطان الاولیا محبوب الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کے حضور میں امیر خسرو کے صاحب زادہ نے امیر کی ایک غزل پڑھنی شروع کی۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے کہ ؎

خسروتو کیستی کہ در آئی دریں شمار — کیں عشق تیغ بر سرِ مردانِ دیں زدہ است

حضرت سلطان المشائخ کی روتے روتے یہ حالت ہوئی کہ آپے سے گزر گئے۔

اسی سیر الاولیا میں ایک وقت کی اور نقل لکھی ہے کہ امیر خسرو خود سلطان جی کے حضور میں اپنی ایک غزل پڑھنے لگے جونہیں اُنھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

رخ جملہ را نمود و مرا گفت تو مبیں — زیں ذوق مست و بیخبرم کیں سخن چہ بود

حضرت سلطان المشائخ نے گوشۂ چشم سے (کہ چشمۂ محبت تھا) خسرو کی جانب دیکھا اور بیخود ہو گئے۔

الغرض ایسی بہت سی معتبر روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل گروہ میں خسرو کا کلام کیا مرتبہ رکھتا ہے۔

خسرو کی غزل سرائی | اس میں کچھ شبہ نہیں کہ غزلیات کے اُن انقلابات و ایجادات کے سبب سے جو سعدی نے شاعری کی اس صنف میں کئے تھے خسرو بہت کچھ سعدی کے مقلد و متبع ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سعدی سے قبل نظم کے لئے بہت سے کام تھے۔ صرف اوقات فرصت میں عشق و عاشقی اور اُس کے لوازم سے تفریح کر لی جاتی تھی اور باقی اوقات دوسرے کاموں کے لئے تھے۔ قدما میں تو غزل کوئی نظم کی قسم ہی نہ تھی۔ تشبیب میں کچھ عاشقانہ مضمون

ادا ہو جاتے تھے۔ آخر دورِ قدما میں غزل نے اپنا مستقل وجود اختیار کیا لیکن اُن غزلوں کا یہ رنگ تھا کہ چمن سے گزرے ایک نگاہ پھولوں کے خوش رنگ تختے پر بھی ڈالی اور بڑھ گئے۔ اچھی صورت سامنے آگئی۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ کبھی کبھی دل میں ایک گدگدی سی ہو گئی اور بس۔ جام و صراحی محفل میں رکھی گئی تو شاعری نے دو ایک گھونٹ سے تبدیلِ ذائقہ کر لیا۔ یہی انداز دوسرے دور تک رہا۔

لیکن تیسرے دور میں نظم محض تفریح کے لئے رہ گئی۔ جوش اور ولولے ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ اصل مردی مٹ رہی تھی۔ اس لئے اس دور میں نظم اور کاموں سے فارغ تھی۔ صرف ایک غزل سرائی تھی جس سے بزمِ سخن کی گرمی تھی۔ زبان زیادہ منجھ کر صاف ہو گئی تھی۔ سعدی اسی تیسرے دور کے رنگین بیان شاعر تھے۔ لیکن یہ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک عالم و ولی کامل بھی تھے۔ اُنھوں نے غزل میں تصوف کی آمیزش کی اور نہایت لطف سے حقائق و واردات قلبیہ کو غزل میں کہنا شروع کیا۔ عشق و حسن کے راز و نیاز اور اُس پر تصوف کی چاشنی پھر زبان کی صفائی و شیرینی۔ کلام میں پختگی و گھلاوٹ ان چیزوں نے سعدی کو غزل کا امام بنا دیا۔

خسرو بھی اسی دور میں مسندِ شاعری پر جلوہ افروز ہوئے۔ قاعدہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں کسی ناظم یا ناثر کا طرز اہلِ زمانہ کے مذاق و خیال کے مطابق ہو تو پھر وہی طرز رائج الوقت و عام پسند ہو جاتا ہے اور خواہی نخواہی اُس زمانے کے ناظم یا ناثر کی نظم و تحریر کا جزو لاینفک بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ بلا آورد ویسی ہی عبارات مضامین و خیالات ہر ایک فی جوہر کے

ادا ہو جاتے تھے۔ آخر دورِ قدما میں غزل نے اپنا مستقل وجود اختیار کیا لیکن اُن غزلوں کا یہ رنگ تھا کہ چمن سے گزرے ایک نگاہ پھولوں کے خوش رنگ تختے پر بھی ڈالی اور بڑھ گئے۔ اچھی صورت سامنے آگئی۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ کبھی کبھی دل میں ایک گدگدی سی ہو گئی اور بس۔ جام وصراحی محفل میں رکھی گئی تو شاعری نے دو ایک گھونٹ سے تبدیلِ ذائقہ کر لیا۔ یہی انداز دوسرے دور تک رہا۔

لیکن تیسرے دور میں نظم محض تفریح کے لئے رہ گئی۔ جوش اور ولولے ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ اصل مردی مٹ رہی تھی۔ اس لئے اس دور میں نظم اور کاموں سے فارغ تھی۔ صرف ایک غزل سرائی تھی جس سے بزمِ سخن کی گرمی تھی۔ زبان زیادہ منجھ کر صاف ہو گئی تھی۔ سعدی اسی تیسرے دور کے رنگین بیان شاعر تھے۔ لیکن یہ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک عالم و ولی کامل بھی تھے۔ اُنھوں نے غزل میں تصوف کی آمیزش کی اور نہایت لطف سے حقائق و واردات قلبیہ کو غزل میں کہنا شروع کیا۔ عشق و حسن کے راز و نیاز اور اُس پر تصوف کی چاشنی پھر زبان کی صفائی و شیرینی۔ کلام میں پختگی و گھلاوٹ ان چیزوں نے سعدی کو غزل کا امام بنا دیا۔

خسرو بھی اسی دور میں مسندِ شاعری پر جلوہ افروز ہوئے۔ قاعدہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں کسی ناظم یا ناثر کا طرز اہلِ زمانہ کے مذاق و خیال کے مطابق ہو تو پھر وہی طرز رائج الوقت و عام پسند ہو جاتا ہے اور خواہی نخواہی اُس زمانے کے ناظم یا ناثر کی نظم و تحریر کا جزِ لاینفک بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ بلا آورد ویسی ہی عبارات مضامین و خیالات ہر ایک فی جوہر کے

قلم سے نکلنے لگتے ہیں۔ خاصتہً جب کہ اُس ایجاد میں واقعی پاکیزگی اور لطف بیان بھی ہو تو پھر اُس کی ہمہ گیری کا کیا پوچھنا۔

سعدیؔ جن کے عہد پیری میں خسروؔ کی شاعری جوان ہوئی ہے کچھ اس شیرینی و حلاوت سے شیراز میں بیٹھے ہوئے غزل کی نغمہ سرائی کر رہے تھے کہ ان کی اس تازہ روش نے اپنا سکہ بٹھا رکھا تھا۔ عام مذاق کی پسندیدگی گرویدگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ جو جو انقلاب و ایجاد کہ اس صنف میں انہوں نے کئے وہ مثل عناصر کے ضروری مان لئے گئے تھے۔ اور حق تو یوں ہے کہ سعدی کی غزل گوئی اسی کی مستحق تھی اور ہے۔ پس خسرو جیسا صحیح مذاق رکھنے والا خلقی شاعر کیوں اُسے نمونہ نہ بناتا۔ لیکن اسی کے ساتھ جہاں سعدی کی متبعیت ضروری مان لی وہاں اپنے اختراعات و اضافات کا بھی ایک کافی ذخیرہ فارسی داں عالم کے لئے چھوڑ گئے۔

صنف غزل میں خسروؔ کے اضافے

غزل کی صنف میں کس طرح کے اضافے ہیں جو خاص دماغ خسرو کے مرہون ہیں اُن کی مجمل فہرست یہ ہے۔ بحروں کی موزونی، تشبیہ و محاورات کی جدت، بیان کا اعجوبہ اسلوب۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے غزل میں جان پڑ جاتی ہے۔ غزل کا کمال یہ ہے کہ درد، سوز و گداز، شکستگی و نیاز، عشق کی ہنگامہ آرائی، حسن کی دلکشی و دلربائی، اس طرح عام محاورہ اور روزمرہ کی بول چال میں ادا ہو جس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔ ہاں اسلوب بیان ایسا ہو جس سے دل شگفتہ ہو جائے۔ تشبیہ ایسی لطیف ہو کہ جذبات میں ہلچل پڑ جائے۔ واقعات عشق اس طرح کہے جائیں کہ سننے والے کو بھی عاشق

پر رحم آجائے۔ غزل میں شاعر کا بس یہی کمال ہے۔ اس جگہ چند اشعار لکھے جاتے ہیں تاکہ ہر ایک کی مثال ناظرین کے سامنے ہو۔ مثلاً:

ایک وہ شخص جس کے مسلمہ فضل و کمال نے اُسے محسود خلائق بنا رکھا تھا عاشق ہو کر سب کچھ کھو بیٹھتا ہے اب وہ حاسدوں سے کہتا ہے خوش ہو کہ تمہاری مرادیں پوری ہوئیں دیکھو میں وہی یکتائے زمانہ ہوں لیکن اب نہ فضل مجھ میں رہا نہ کمال۔ اس مضمون کو خسرو اس درد سے ادا کرتے ہیں کہ سُننے والے کا دل بھر آتا ہے ؎

حسد می بردی اے دشمن بعقل و دانشِ خسرو
بیا تا برمرادِ خاطرِ خود بینی اکنونش

معشوق جن کو اپنے بناؤ سنوار کے سوا کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی اُن کے اس استغنا اور خود آرائی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

گل چہ داند کہ حالِ بلبل کیست
او ہمیں کارِ رنگ و بو داند

معشوق سامنے سے گزرتا ہے عاشق کے دل پر ایک بجلی گرتی ہے۔ اب نہ طبیعت پر قابو ہے نہ دل پر اختیار استغاثہ کرتا ہے تو دار القضا و دار الافتا کوئی بھی اس مظلوم کی داد رسی نہیں کرتا اس مضمون کو دیکھو ؎

کافرے رفت و دلم غارت کرد
شہر اسلام و مرا داد نہ بود

معشوق کی ہر ہر ادا ہے کہ دل چھینے لیتی ہے۔ عاشق کا ایک دل کس کس کا مقابلہ کرے۔ بھاگنا چاہے تو یہ بھی ممکن نہیں۔ آخر گھبرا کر اُسی سے تدبیر پوچھتا ہے ؎

لب و دہان و رخت ہر یکے بلائے دل اند
یکے دلم چہ کند جانب کدام شود

بخت بیدار معشوق کو عاشق پر مہربان کرتا ہی۔ معشوق حالت پوچھتا ہی۔ عاشق جس کی تباہی و بربادی شرح و بیان سے مستغنی ہی وہ کہے تو کیا کہے۔ اپنا دل جو معشوق کے پیچھے کھو چکا ہی اور اب وہ معشوق کا ہی نہ عاشق کا۔ اُس کا گلہ کیوں کر کرے۔ اُسے معشوق سے کیوں کر مانگے ان پُر کیف معاملات کو دیکھو ے

مرا غمے ست کہ پیدا نمی توانم کرد　　　شکایتِ دلِ شیدا نمی توانم کرد

تو حالِ من خود ازیں روے زردِ من دریاب　　　کہ من بروے تو پیدا نمی توانم کرد

مگر تو خود بکرم باز بخشیم دلِ ریش　　　کہ من ز شرم تقاضا نمی توانم کرد

عشاق کے آنسو کبھی دریا ہیں اور کبھی سمندر ان کے جوش و طغیانی کا یہ عالم ہی کہ کبھی سکون آنے ہی نہیں پاتا لیکن خسرو نے جس انداز سے اس مضمون کو ادا کیا ہی وہ اپنی جدّت میں آج تک نیا ہی ے

میروی و گریہ می آید مرا　　　صبر کن چنداں کہ باراں بگزرد

اس شعر کی جدت و جامعیت قابل لحاظ ہی۔ معشوق جانا چاہتا ہی اس لئے کہ لازمۂ معشوقیت ہی یہ ہی۔ عاشق کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلتے ہیں اب وہ معشوق سے کہتا ہی کہ گو میرے پاس بیٹھنا ناگوار سہی۔ لیکن ذرا صبر کر پانی تھم جائے تو چلے جانا۔ لطف یہ کہ اس پانی کی علت معشوق کا جانا ہی ہی۔ دیکھو صرف ایک چھوٹے سے شعر میں کتنے مضامین ہیں۔ معشوق کے جانے سے جو صدمہ کہ عاشق پر گزرتا ہی اُس کا بیان ہی۔ معشوق کو عاشق کے پاس بیٹھنا جبر ہی جس کے لئے تلقینِ صبر ہی۔ آنسو بارش کی طرح آنکھوں سے

جاری ہیں جب تک یہ بارش نہ تھمے اُس وقت تک کے لئے معشوق سے التماس توقف ہی طول قیام کی آرزو کس لطف سے پیش کی گئی ہی۔ افسوس ہم سطریں کی سطریں لکھ گئے لیکن وہ مزہ کہاں جو خسرو کے ایک شعر میں ہی۔

اسی اشک کے مضمون کو ایک دوسرے شعر میں نظم کرتے ہیں۔ اور ایک عجیب خیال کا اظہار کرتے ہیں ؎

اشکم بروں می افگند رازِ درونِ پردہ را آرے نشکا تنہا بود مہمانِ بیروں کردہ را

شعرا نے معشوق کے قامت کو کیا کیا کچھ نہیں کہا ہی لیکن زرا اندازِ خسرو دیکھنا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کس طرح کہتے ہیں ؎

یارب آں بالا مگر از آبِ حیواں ریختند یا مگر جانِ کساں بگداختند آں ریختند
شیرۂ جانہائے شیریں برکشید ندازنہاں دیں تنِ شیریں ازاں شیرینیٔ جاں ریختند

آتشِ عشق سے سوختہ و برشتہ عاشق جب اپنے معشوق کو دیکھتا ہی تو اس میں ایک حیاتِ تازہ آجاتی ہی۔ اب وہ اس اثر سے متعجب ہی۔ حیات بخشی کی وجہ پوچھے تو کس سے پوچھے خالقِ عالم کو پکارتا ہی۔ اور پوچھتا ہی کہ تو ہی بتا۔ اس کا خمیر آبِ حیات سے ہی جس کی تاثیر سے مجھ میں جان پڑجاتی ہی یا بہت سی جانوں کو پگھلا کر یہ ایک جسم بنا ہی یا شیریں جانوں کا شیرہ و روح کھینچکر یہ ایک جسم شیریں بنا ہی۔ دیکھو کیسا لطیف و شیریں خیال ہی۔

نظم کے پرکھنے والے اربابِ بصیرت کا یہ فیصلہ ہی کہ بعض بعض اشعار خسرو کے ایسا بلند پایہ رکھتے ہیں کہ ہر شعر ایک دیوان کی قوت رکھتا ہی۔ مثلاً ؎

زلفت ز ہر دو جانب خوں ریزِ عاشقاں ست — چیزے نمی تواں گفت روئے تو درمیان ست

رُخِ خود بپوش ورنہ رقمِ منجماں را — بحسابِ ہشتم آخر بشمار خواہی آمد

خلاصہ یہ کہ غزلوں میں ان کا مستانہ وار نعرہ دل ہلا دیتا ہے اور یہاں ان کا تیر بے خطا ثابت ہوتا ہے کہیں کہیں ان کی نمکینی سعدی کی شیرینی پر چشمک زن ہے۔ اپنی تمنا، اپنی مایوسی، اپنا انتظار، اپنی ناکامی، اپنی بیقراری، اپنی پریشانی کی جو تصویریں اپنی غزلوں میں اُنہوں نے کھینچی ہیں وہ گویا جیتی جاگتی بولتی چالتی چڑیاں ہیں جو اپنی دردانگیز آواز سے دل ہلائے دیتی ہیں۔ چند غزلوں کے مسلسل اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں ؎

از جانِ من آرام رفت آرامِ جانِ من کجا — ہجرم نشانِ فتنہ شد فتنہ نشانِ من کجا

آمد بہارِ مشک دم سنبل دمید و لالہ ہم — سبزہ بصحرا زد قدم سروِ روانِ من کجا

در کارِ غم شد سوریم بے پردہ شد مستوریم — تلخ ست عیش از دوریم شکر فشانِ من کجا

ہر دم جگر در سوز و تاب از دیدہ ریزم خونِ ناب — اینک مَی و اینک کباب آں میہمانِ من کجا

گل نو رسید و بوئے ز بہارِ من نیامد — چہ کنم نسیمِ گل را چو ز یارِ من نیامد

دلِ من چرا چو غنچہ نہ شود دریدہ صد جا — کہ صبا رسید و بوئے ز بہارِ من نیامد

اگر اے حریف داری نظرے بروئے یارے — تو بہارِ خویش خوش کن کہ بہارِ من نیامد

بہ شبِ نشاط یارا چہ خبر ترا ز خسرو — کہ بہ جانبِ تو روزے شبِ تارِ من نیامد

زندگی کی بے ثباتی، دنیا کی بے وفائی، زمانہ کا جور، یارانِ رفتہ کی جدائی کا گلہ

اکثر شعرا نے کیا ہی مگر جس درد انگیز لہجہ میں راگ خسرو الاپ گئے ہیں انھیں کا حصہ ہے ؎

یاران کہ بودہ اند ندانم کجا شدند | یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند
گر نوبہار آید و پرسد ز دوستاں | گو اے صبا کہ آن ہمہ گلہا گیا شدند
اے گل چو آمدی ز زمین گو چہ گونہ اند | آن روبہا کہ در تہِ گردِ فنا شدند
آں سروراں کہ تاجِ سرِ خلق بودہ اند | اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاکِ پا شدند
خورشید بودہ اند کہ رفتند زیرِ خاک | آں ذرہ ہا کہ ہر ہمہ اندر ہوا شدند
بازیچہ ایست طفل فریبِ متاعِ دہر | بے عقل مرد ماں کہ بریں مبتلا شدند

غزل میں خسرو کی قادر الکلامی احاطۂ انضباط و تحسین سے باہر ہے۔ ان کی عبارت میں الفاظ کو اپنے مضمون کے ساتھ غضب کا تناسب پایا جاتا ہے۔ جو لفظ جہاں کے لئے مناسب ہوتا ہے وہی یہ استعمال کرتے ہیں بحروں اور قافیوں کے یہ بادشاہ ہیں چاہئے کہ بحور و قوافی انکی روانی طبع کے سد راہ ہوتے ہوں ہرگز نہیں بلکہ یہ اور بھی ان کی طبعیت میں جولانی پیدا کردیتے ہیں تمثیلاً ذیل کی غزل پڑھو۔ کیسا سرتوڑ قافیہ ہے۔ مگر رہوار قلم اس روانی سے جاتا ہے کہ زمین ہموار و مسطح معلوم ہوتی ہے ؎

سروے چو تو در اُچہ و در ننتہ نباشد | گل شکلِ رخِ خوبِ تو البتہ نباشد
دوزند قبا بہرِ قدت از گل سوری | تا خلعتِ زیبائے تو از لتہ نباشد
در جنتِ فردوس کسے را نہ گزارند | تا داغِ غلامیِ تو اش بتہ نباشد
تقمانی مسکیں نکند میل بہ جنت | در صحنِ بہشت ار طبقِ بتہ نباشد

این حسن و لطافت کہ تو کافر بچہ داری　　در چین و خطا و ختن و خیتہ نہ باشد

اب ایک دو نمونے عام عاشقانہ جن میں معشوق سے خطاب عشق کی واردات مستی و بیخودی کی باتیں ہیں درج کرتا ہوں ؎

ساقیا مے دہ کہ امروزم سرِ دیوانگیست　　دور بر گرداں کہ مرگم از تہی پیمانگیست

من برغبت جاں دہم تو زحمت آری برتنم　　این عنایت درمیانِ دوستاں بیگانگیست

شمع شیرینی چشیدست ار بسوزد باک نیست　　لذت از آتش گرفتن مذہبِ پروانگیست

بہر تو خلقے می کشد ہر سو منِ بدنام را　　بس می بنایم چوں کنم وہ ایں دلِ خودکام را

یکشب بجامے دیدمت وانگہ بیاد پائے تو　　رنگیں بساطے می کشم از خونِ چشم آں بام را

خواہم کہ خونِ خود دمے در گردنِ جامت کنم　　دانی چہ دولت میدہی ساعت از لب جام را

تا چند ہر دم از صبا در جنبش آید زلفِ تو　　آخر دمے آرام دہ دلہائے بے آرام را

گر کشتہ شد خسرو زغم تہمت چہ بر خوباں نہم　　چوں چرخ خنجر میدہم در کشتنم بہرام را

شمعِ فلک بر آمد با آتشیں زبانہ　　ساقی نامسلماں در دہ مے مغانہ

کشتیِ ما رواں کن تا تا کنارہ یابم　　دریائے غم ندارد چوں ہیچ جا کرانہ

نے نے کہ از رخِ خود کن بہشتیم کہ بارے　　یک دم خلاص یابم از محنتِ زمانہ

روتا رویم بیروں دستے بگردنِ تو　　تو بیخودِ صبوحے من بیخودِ شبانہ

اے من غلامِ شکلت چوں در خمار باشی　　نے روئے خواب شستہ نے موئے کردہ شانہ

مطرب بدہ خود بر دستے چو ابر بارال　　ویں زہد خشکِ ما را تر کن بیک ترانہ

من نیم خوردہ خوردم وز بادہ نرنجی — دل بر لبِ تو دارم می خواستن بہانہ
خسرو کہ ہست مطرب وا مستِ ناز خوش — ہاں در چنیں نشاطے یک رقصِ عاشقانہ

لشکر کشید عشق و دلم ترکِ جاں گرفت — صبر گریز پاے سر اندر جہاں گرفت
گفتی کہ ترکِ من کن و آزاد شو زغم — آساں بہ ترک ہیچو توئی چہ تواں گرفت
اے آشنا کہ گریہ کناں پند میدہی — آب از برون مریز کہ آتش بجاں گرفت
نظّارہ ہم نہ کرد کہ سوختن مرا — آنکس کہ آتشم زد و از من کراں گرفت
در طوقِ بندگیش رود جاں بعافیت — ہر فاختہ کہ خدمتِ سروِ رواں گرفت

کج کلہا ستمگرا تنگ قباے کیستی — لابہ گرا و دلبرا عشوہ نماے کیستی
زیر کلاہِ جعد تر تا کمرت کشیدہ سر — بستہ بہ چابکی کمر چیست قباے کیستی
مرکبِ ناز کردہ زیں دادہ بغمزہ تیغِ کیں — ساختہ آمدہ چنیں تا زبراے کیستی
سینہ بند جاے تو دیدہ بزیرِ پاے تو — با ہمہ در ہواے تو تو بہ ہواے کیستی
خسروِ خستہ راسخن بستہ شد از تو در دہن — طوطیِ شکرینِ من نغمہ سراے کیستی

اگرچہ غزل میں مسلسل کلام نہیں ہوتا اُس کا ہر شعر ایک الگ مضمون ہوتا ہی (اور اسی لئے شعرائے غزل ایجاد کی)، لیکن یہ عاشق کی گفتگو ہی۔ کبھی کبھی وہ ایک مسلسل کلام بھی کرتا ہی۔ اس لئے اساتذہ غزل کے دیوانوں میں ایسی غزلیں بھی بکثرت موجود ہیں جن کا مضمون مسلسل ہی۔ خسرو کی آخری غزل جو میں نے درج کی ہی وہ تسلسل ہی کا نمونہ ہی۔

شوخی و ظرافت پر جب آتے ہیں تو ایک ایک جملے میں سو سو چمن کھلا جاتے ہیں۔

طبیعت اس بلا کی چلبلی پائی ہے کہ خود حسنِ بیان منہ چومنے دوڑتا ہے مثلاً ؎

توشبانہ می نمائی بہ برکہ بودی امشب | کہ ہنوز چشمِ مستت اثرِ خمار دارد
ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ | نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
مست آمدہ بازمہمان کہ بودی | دائم شکری در شکرستان کہ بودی
اے یار جدا ماندہ دلِ تنگ کہ جستی | اے یوسفِ گم گشتہ بہ زندان کہ بودی
دیوانہ من بر سرِ کوے کہ گزشتی | تشویش دہِ حالِ پریشان کہ بودی
می دوش کجا خوردی و ساغر بہ کہ دادی | در ظلمتِ شب چشمۂ حیوان کہ بودی
جعدت کہ کشیدست ولبت راکہ گزیدست | پیشِ کہ نشستی شب و مہمان کہ بودی
آراستہ و مست در آغوش کہ خفتی | ایں بخت کرا بود بفرمان کہ بودی

چھوٹی بحروں میں یہ جب کہتے ہیں تو آبِ حیات کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہے۔ مثلاً اس غزل کو دیکھو ؎

دیوانہ شدم در آرزویت | اے چشم ہمہ جہاں بسویت
مائیم و تحیر و خموشی | و آفاق ہمہ بہ گفتگویت
دے روے تو دیدم و نمردم | شرمندہ بماندہ ام ز رویت
پرسی کہ چگونۂ زمن دور | دور از تو چہ پرسیم چو مویت
خسرو بکمندِ تو اسیر ست | بیچارہ کجا رود ز کویت

اگر غزل گو شعرا کی فہرست طیار کی جائے تو صرف اُن کے اسماء سے ایک ضخیم جلد طیار ہو سکتی

ہے۔لیکن غزل کا حق جس نے ادا کیا ہو اگر اس نقطۂ نظر سے فہرست طیار کیا چاہو تو بجز چند ناموں کے اور کچھ نہ پاؤ گے جن میں اُستادِ غزل سعدی ہیں اور ان کے بعد خسرو و حسن دہلوی۔سعدی نے جن اصول و مضامین پر غزل کی بنیاد رکھی وہ محض شاعری نہ تھی بلکہ حقائق و معارف کی چاشنی بھی اُن میں تھی اس لئے خسرو و حسن دہلوی کے سوا کوئی شاعر سعدی کے تتبع میں کامیاب نہ ہو سکا۔ان دونوں میں بھی خسرو کو مرتبۂ اولیت حاصل ہے خسرو کی غزلوں پر اگر ایک مختصر و جامع تنقید چاہتے ہو تو صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ وہی بادۂ شیراز ہے جو دوبارہ کھینچ کر دو آتشہ ہو گئی ہے۔

غزل کا دوسرا دور

اس کے بعد ایک دوسرا دور غزل کا آیا جس میں خواجو کرمانی و حافظ شیرازی ہیں اگرچہ یہ کوئی نیا دور نہ تھا لیکن بعض مضامین مثلاً ساقی و صراحی بادہ و جام میخانہ و پیر مغاں رند و خراباتی کی مدح زاہد و واعظ کی ہجو۔دنیا کی بے ثباتی انکا نہایت ہی جوش و بلند آہنگی سے ترانہ گایا گیا تھا۔یہ باتیں سعدی کی غزلوں میں اُسی انداز خاص سے جو اُنکا طرز تھا موجود تھیں لیکن ان کا مرتبہ بنیاد کا تھا۔خواجو کرمانی نے اُنھیں بنیادوں کو ذرا نمایاں کیا اور حافظ نے اُسے آسمان تک پہنچا دیا۔اُنہوں نے اپنی سُریلی آواز سے فارسی داں دنیا میں ایک مستی و مدہوشی کا عالم پیدا کر دیا جس کا نشہ آج تک باقی ہے۔خواجہ حافظ نے جس وقت شاعری شروع کی ہے اُس وقت سلمان ساوجی و خواجو کرمانی کا رنگ چھایا ہوا تھا خود ان کی طبیعت میں بھی فطری جوش و مستی بھری ہوئی تھی۔اُنہوں نے اپنے کلام کی بنیاد انھیں دونوں کی داغ بیل پر ڈالی جیساکہ اُن کے بعض اشعار سے ظاہر ہے ؎

شہنشہِ فضلا بادشاہِ ملکِ سخن　　جمال ملت و دیں خواجہ جہاں سلماں

چہ جائے گفتۂ خواجو و شعرِ سلمان ست　　کہ شعرِ حافظِ شیراز بہ ز شعرِ ظہیر

اوستادِ غزل سعدی ست پیشِ ہمہ کس امّا　　دارد غزلِ حافظ طرز و روشِ خواجو

لیکن ان کی طبیعت کے اصلی جوہر نے اُسے ایسا چمکایا جس کے سامنے سلمان و خواجو دونوں کے گوہرِ فکر بے آب معلوم ہونے لگے۔ سلمان کی غزلوں میں تو کچھ نہیں۔ ہاں ان کے قصائد ہیں جن سے ان کی شاعرانہ قوت ظاہر ہے۔ البتہ خواجو کے دیوان میں ایسی بہت سی غزلیں ہیں جو حافظ کی ہم ردیف و ہم قافیہ و ہم بحر ہیں۔ اسی کے ساتھ اکثر مضامین اور اسلوب ادا کا بھی اتحاد پایا جاتا ہے جس سے حافظ کا تتبع صحیح ثابت ہوتا ہے۔ خواجو کا دیوان نایاب ہے جس نے نہ دیکھا ہوگا اُس کو تعجب ہوگا کہ حافظ اور خواجو کا تتبع۔ لیکن جس نے خواجو کا دیوان دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ وہی صہبائے مستی ہے جس کی تندی و تیزی بڑھا دی گئی ہے۔

مقصود اس سے یہ ہے کہ خسرو کا مقابلہ غزل میں حافظ شیراز سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں کا طرز ہی جداگانہ ہے۔ جہاں ایک دد و سرود زلف و خال باغ و راغ کوہ و صحرا دشت و دریا میں شاہد معنی کے جمال جہان آرا سے مست ہو رہا ہے وہاں دوسرا میخانہ و مَی کا دلدادہ بن کر مے کی لہروں میں معشوق حقیقی کے رخ و عارض کا جلوہ دیکھ کر مدہوش ہے اگرچہ دونوں یکساں عشق کے پھندے میں پھنسے ہیں مگر دو رنگ سے ؎

ہر دو شاعر ہم سبق بودند در دیوانِ عشق　　یک بصحرا رفت و دیگر با مغاں مستانہ شد

حافظ کا صحیح مقابلہ خواجو کرمانی سے جو ان کے عہد میں تھے اور حکیم سنائی و عمر خیام سے جو

ان سے بہت قبل تھے کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان تینوں کا ایک ہی رنگ ہے۔ ورنہ یوں تو دس بیس شعر متحد المعنی انتخاب کر کے لکھ دینا کچھ دشوار نہیں مگر یہ فی الحقیقت اپنی بد مذاقی کا ثبوت دینا ہو گا مثلاً خسرو کا ایک شعر ہے ؎

ازپسِ مرگ اگر بر سرِ خاکم گذری
بانگِ پایت شنوم نعرہ زناں برخیزم

اسی مضمون کو اسی بحر و قافیہ میں حضرت حافظ و سلمان ساوجی نے کہا ہے۔

حافظ ؎

بر سرِ تربت من با مے و مطرب بنشیں
تا من از کنجِ لحد رقص کناں برخیزم

سلمان ؎

چوں شوم خاک بخاکم گذرے کن چو صبا
تا بہ بوئیت ز زمین رقص کناں برخیزم

خسرو نے جس سادگی اور صفائی کے ساتھ خوش نما پیرایہ میں مضمون بیان کیا ہے وہ مذاقِ سلیم رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ عاشق جو فراقِ یار میں ہمہ تن انتظار ہے اُس سے اتنا صبر نہیں ہو سکتا کہ معشوق کے پہونچنے کا انتظار کرے۔ پاؤں کی آہٹ پاتا ہے اور استقبال کو کھڑا ہو جاتا ہے۔ چوں کہ یہ مضمون فطرت سے بہت نزدیک ہے بدیں وجہ کلام نہایت بلیغ ہو گیا۔ "بانگ پا" اور "نعرہ زناں" نے شعر کے لطف کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔

حضرت خواجہ حافظ نے برخیزم کی کیفیت کو رقص سے اور بھی مکیف کر دیا۔ مگر ان کو لحد سے اُٹھانے کے لئے ساز و سامان چاہیئے۔ مے ہو مطرب ہو اور اس کے ساتھ یار کی

نشست ہو۔ صرف آمد کافی نہیں۔ ان تینوں کے مجموعۂ قوت کا یہ اثر ہو کہ لحد سے رقص کناں اُٹھیں۔

سلمان کا شعر ان دونوں کے مقابل ہیچ ہے۔ اگرچہ سادگی و صفائی ہے مگر کوئی لطف نہیں۔ جو ہوا کہ خاک کو رقص میں لاتی ہے اور بگولا بناتی ہے وہ صبا نہیں ہے۔ صبا لطیف پُروائی ہوا کو کہتے ہیں یہاں بو کی وجہ سے صبا کا ہونا ضرور تھا۔ اگر شاعر صبا کی جگہ کسی تند و تیز ہوا کو لاتا تو بو اُڑ کر غائب ہو جاتی۔ یہاں صبا سے بو پہنچانے کی خدمت لی گئی ہے رقص کناں برخیزم کو اُس سے کوئی تعلق نہیں۔

غرض یہاں بحث خسرو کی تغزل سے ہے کہ یہ کس رنگ میں غزلیں کہتے ہیں اور ان کا پایہ غزل میں کیا ہے اور یہ بحث اس مختصر رسالے کے تحمل سے زیادہ ہو چکی اب ہمیں صرف ایک بات اور کہنی ہے کہ شاعری میں موسیقی کا بھی دخل بعضوں نے تسلیم کیا ہے چنانچہ سعدی و حافظ کی غزلوں میں جہاں اور لطافتیں بیان کی گئی ہیں وہاں بحور کی نغمہ و ترنم سے موزونی و مناسبت بھی بیان ہوئی ہے۔ اب میرا یہ کہنا کہ اگر شاعری کے محاسن میں موسیقی کا دخل ہے اور لطیف نظم کے الفاظ تال و سم سے مطابقت رکھتے ہیں تو اس باب میں خسرو علیہ الرحمہ کا کوئی بھی مقابل و مساوی نہیں۔

قصائد امیر خسرو سے قبل ظہیر رشید کمال اسمٰعیل الملقب بہ خلاق المعانی خاقانی الملقب بہ حسان العجم انوری وغیرہ مشہور قصائد نگار گزر چکے تھے۔ لیکن جس طرح کہ غزل میں یہ شیخ سعدی کے قدم بقدم رہے اور بہت سی غزلوں میں اپنی شان خسروی بھی

ظاہر کر گئے۔ اُسی طرح قصائد میں بھی ان باکمالوں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں اور جب ان کا خاص میدان آتا ہے تو سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتے ہیں۔

یہ ایک زمانہ دراز تک چونکہ شاہزادوں اور بادشاہوں کے دربار کے زیور رہے ہیں اس لئے قصائد نویسی کا موقع ان کو بہت ملا جس نے ان کی طبیعت پر اور بھی جلا کر دی۔

قصیدہ میں شاعر کا جوہر دو جگہ کھلتا ہے۔ ایک تو مخلص یعنی گریز جہاں سے مقصد شروع ہوتا ہے دوسری تشبیب و مقصد میں توازن و لطف کا اس طرح قائم رکھنا کہ دونوں حصوں میں سے کوئی بھی بدمزہ نہونے پائے۔

نصر بن سیار جو بنی اُمیّہ کی طرف سے خراسان کا والی تھا اُس کے سامنے کسی نے مدحیہ قصیدہ پیش کیا جس میں سو شعر تو تشبیب کے تھے اور صرف دس شعر میں پوری مدح تھی۔ نصر نے جو کہ خود سخن فہم تھا قصیدہ سُن کر کہا ما ابقیت کلمۃ عذبۃ ولا معنی لطیفاً الا وقد شغلتہ عن مدیحی بتشبیبک یعنی الفاظ شیریں اور معنی لطیف تو سب تشبیب میں ختم ہو گئے اب مدح کے لئے گیارہ گیا تب اُس نے دوبارہ قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا۔

ھل تعرف الدار لام العمر   دع ذا وحبّر مدحہ فی نصر

یعنی کیا تو ام عمر کے مکان کو پہچانتا ہے اس ذکر کو چھوڑ اور نصر کی مدح لکھ۔ اسے سُن کر نصر نے کہا۔ لا ذالک ولا ھذا ولکن بین الامرین۔ یعنی نہ وہ افراط نہ یہ تفریط۔ بلکہ ان دونوں کے بین بین کلام ہونا چاہیئے۔

اس واقعہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں گریز میں شاعر کی قوت دیکھی جاتی ہے کہ

سلسلہ کلام کو باقی رکھتے ہوئے کس طرح مطلب و مقصد کی طرف آتا ہے وہاں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ لطف بیان اور زور کلام میں بھی توازن رہا یا نہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے قصائد سیکڑوں ہیں اور ان دونوں کمالوں سے آراستہ و پیراستہ ہاں ارباب دنیا کی مدح میں اُن کا بیان پھیکا ہو جاتا ہے چوں کہ وہ دل کی صدا نہیں ہوتی اس لئے ایسے قصائد میں ساری قوت تشبیب میں صرف کر دیتے ہیں۔ گریز اچھی کرتے ہیں لیکن مدحِ اہلِ دول ان سے نہیں بن آتی۔ پھر بھی اگر کہیں اس پر متوجہ ہو گئے ہیں تو مبالغہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے مثال کے طور پر دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

ظہیر فاریابی اپنے ایک قصیدہ میں قزل ارسلاں کی شان میں لکھتا ہے ؎

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پائے   تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اس پر یوں تعریض کرتے ہیں ؎

براہِ تکلف مرو سعدیا   اگر صدق داری بیار و بیا
تو منزل شناسی و شہ راہ رو   تو حق گوے و خسرو حقائق شنو
چہ حاجت کہ نہ کرسیِ آسماں   نہی زیر پائے قزل ارسلاں
مگو پائے عزت بر افلاک نہ   بگو روے اخلاص بر خاک نہ

خسرو نے سلطان جلال الدین کی شان میں جو قصیدے لکھے ہیں اُن میں سے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں ؎

زآبِ حیات شست دہن را ہزار بار   تا بوسہ بر رکاب شہِ کامراں دہد

اندیشہ کے رسد کہ بہ بوسد رکابِ شاہ | گر بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد
زاں سوے کوں گر پرد اندیشہ تا بہ | نتواند آنکہ بوسہ براں آستاں دہد

اسی بحر و قافیہ میں سلمان ساوجی کا بھی ایک قصیدہ شیخ اویس کی شان میں ہی اُس میں وہ کہتے ہیں ؎

در بوستاں بیادِ دہانِ تو غنچہ را | ہر دم ہزار بوسہ صبا بر دہاں دہد
ہست آستانِ حضرتِ تا اقبال را حرم | مقبل کسے کہ بوسہ براں آستاں دہد
گشت ست پاے بازمشرف بدست تو | بر پاے خویش بوسہ بپایے ازاں دہد

دیکھو ظہیر فاریابی امیر خسرو سلمان ساوجی تینوں ایک ہی مضمون کہہ رہے ہیں۔ لیکن یہاں خسرو چونکہ مبالغہ کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے ظہیر و سلمان دونوں سے ان کا مبالغہ بڑھ گیا۔

ماہ نو کی تشبیب مشاہیر قصائد نگاروں کی ایک موقع پر صاحب خزانہ عامرہ نے جمع کردی ہی ہم اُس میں سے بخوفِ طوالت صرف خاقانی و انوری و خسرو کی تشبیب درج کرتے ہیں۔ ظہیر کے ساتھ مقابلہ اوپر گزر چکا اب تکرار سے کیا حاصل۔

خاقانی ؎

دوش چوں خورشید را مصراعِ خاور ساختند | ماہِ نو را چوں حمائل حلقہ پیکر ساختند
محتسب گوئی بماہِ روزہ جام می شکست | آں شکستِ جام را رسواے خاور ساختند
چرخِ جادو پیشہ چوں زریں قواں کرد گم | دامن تحلیش را جیبِ مقور ساختند

در زبان چرخ را گوئی چہ سہو افتادہ بود | کاں زہِ سیمیں بدیں دامن نہ در خور ساختند
یا شبانگہ قصد کردند اختران تپ زدہ | کاسماں طشت و شفق چوں ماہ نشتر ساختند
نیمۂ قندیل عیسے بود یا محراب روح | یا مثالِ طوق اسپ شاہ صفدر ساختند

انوری ؎

دوش سلطانِ چرخ آئینہ فام | آنکہ دستور شاہ راست غلام
از کنارِ نبرد گاہِ اُفق | چوں بدستِ غروب داد زمام
دیدم اندر سواد طرۂ شب | گوشوارہ فلک زگوشۂ بام
گفتم آں نعل خنگ دستور ست | قرۃ العین و فخر آل نظام

خسرو ؎

برآمد ماہِ عید از اوج گردوں | طرب چوں ماہِ نو شد ہر دم افزوں
بلوحِ آسماں نونے ست یا عین | کہ بیروں آمدہ از کلکِ بیچوں
بہ بیں اندر رکوع آں پارۂ نور | ہلالش گوئی خواہی ذوالنوں
ہمانا حلقۂ گوشِ سپہر ست | کہ دارد از کواکب درِ مکنوں
سواد شام در پیشِ مہِ نو | مگر لیلے ست در پہلوے مجنوں
چنیں ماہِ نو عیدِ خجستہ | مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں

قصائد گوئی کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے وہ بوجہ احسن و اکمل خسرو میں موجود تھیں اور اُنھوں نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے اپنے قصائد میں اپنے جوہر کا اظہار کر دیا ہے۔

شوکت و ندرت الفاظ مسائل علمیہ مقدمات حکمیہ دقائق سلوک و تصوّف اصطلاحات علوم مختلفہ دقت معانی صنائع و بدائع لفظی و معنوی (خصوصاً تجنیس و ترصیع) بلند پروازی مبالغہ وغیرہ۔ قصائد نویسی کے زیور ہیں۔

خسرو کا خزانۂ خیال ان سب متاع سے مالا مال تھا۔ پھر جس فراوانی سے وہ اس کو لٹا سکتے تھے وہ کچھ کہنے کی بات نہیں۔ ان کے کلیات کو اُٹھا کر دیکھو۔ مختلف بحور و قوافی میں پچاسوں قصیدے پاؤ گے اور نہایت سیر۔

الحمد للہ کہ پیرِ جواں ہمت خادم اسلام و مخدوم قوم نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے چشمۂ فیض کی بڑھتی ہوئی موجوں میں قوم کو قصائد خسرو کے بھی مطالعہ کا موقع ملے گا۔

ہم یہاں محض ایک دو نمونے قصائد خسروی کے درج کرتے ہیں تاکہ ایک مجمل اندازہ ان کی قصائد نویسی کے متعلق ناظرین کر سکیں۔

موعظمت و اخلاق میں ان کا ایک قصیدہ ہے جس کا نام بحر الابرار یا دریائے ابرار ہے نہایت ہی سیر قصیدہ ہے اُس میں یہ التزام ہے کہ ہر شعر کا پہلا مصرع دعویٰ ہے اور دوسرا دلیل دو شعر اُس کے یاد ہیں اُنھیں کو لکھتا ہوں ؎

عاشقی رنج ست و مرداں را بسینہ راحت ست ۔۔۔ سلسلہ بند ست و شیراں را بگردن زیور ست
راہ رو چوں در ریا کوشد مریدِ شہوت ست ۔۔۔ بیوہ زن چوں رخ بیارا ید بہ بندِ شوہر ست

چند قصائد ان کے صنعت لف و نشر مرتب میں ہیں جن میں علاء الدین کی مدح کی ہے۔ تین شعر نمونۃً اُس میں سے بھی لکھتا ہوں ؎

کجا خیزد چو تو سروے جوان و نازک و نوبر | شکر گفتار و شیریں کار و گل رخسار و مہ پیکر
نباشد چوں لب و اندام و گیسو و رخت ہرگز | شکر شیریں و گل رنگیں و شب مشکیں و صبح ازفر
بر اندیشۂ مہر و فراق و آرزوئے تو | ز تنصم تاب و ز دیدم آب و چشم خواب و جانم خور

خسرو کے بعد سلمان ساوجی و قاآنی نے اسی صنعت میں قصیدے لکھے ہیں جو اُن کے کلیات میں موجود ہیں لیکن سلمان ساوجی کا قصیدہ تو بہت ہی پھیکا رہا۔ بالکل آورد و تصنع معلوم ہوتا ہے۔ قاآنی جو شوکتِ الفاظ کا بادشاہ ہے یہ اپنے زورِ الفاظ سے بہت کچھ رنگ آمیزی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن خسرو سے بمراحل دور ہے۔

خسرو نے اپنے ایک طولانی قصیدے میں جس قادر الکلامی کے ساتھ مسئلہ تخلیقِ عالم اور اُس کے متعلقات پر بحث کی ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان فلسفیانہ مسائل میں وہ اس طرح تیرے ہوئے ہیں اور فلسفہ کے دقائق و نکات اُن پر اس طرح حل ہیں کہ طرح طرح کے اسلوب سے بیان کرنے پر اُنھیں قدرتِ تامہ حاصل ہے۔

پدید کرد جواہر مجرد از مادہ | کہ در خزانۂ ملکش بسلکِ اظہار است
یکی ست نفس کہ ہست او مدبر ابدال | کہ بہر بہر بدنے روز و شب بہ تیمار است
دگر دوم طلبی عقل جوہر یست کہ آں | نہ در تعلقِ کارِ دیار و دیار است
زہے عجائب صنعش کہ در لوائح کن | ولد سہ پشت نہ و مرد ہفت زن چار است
نبات و معدن و حیوان دریں حدیقہ کنوں | سہ میوہ ایست کہ از یک درخت آں بار است
یکے ست سنگ جماد و ملون و سادہ | کہ از مشابہتِ دو شریک بیزار است

دوم چو شعلہ دراں تکیہ کرد بر پایش ۔۔۔ گھے بکنج حرم گہ بصفۂ نارست

سوم رونده وگرداں خزانہ خانۂ جانست ۔۔۔ کہ بہر نقب خزانہ بسعیش ہنجارست

دراں خزینہ چہارم گراں بہا گہرِیست ۔۔۔ کہ قیمتیش نہ دو عالمش خریدارست

ازاں سہ جاہل سود زیان و لذت و ذوق ۔۔۔ بریں یکے کہ یگانہ ست جملہ اختیارست

وجودِ آدمی از عین غرتش عکس ست ۔۔۔ چو عکسِ آب کہ از آدمی نمودارست

اسی قصیدے میں انسان کی ترکیب جسمانی وحیوانی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

زآب و گل تنِ مردم چو قلعۂ آراست ۔۔۔ بشکلِ تنگ و معنی جہانِ اسرارست

درو کشید چو عنصر چہار بازارے ۔۔۔ کہ رختِ ہر دو جہانش بچار بازارست

خزینہ دارِ نفائس بسینہ دل را ساخت ۔۔۔ خرد وزیر شد و جان سپاہ سالارست

نخست حسِ بروں را بہ تجربہ بنگر ۔۔۔ کہ ذوق و فائدہ در ہر یکے چہ مقدارست

دگر چو ہں روں بینی آں خود اندر تن ۔۔۔ ہزار عالمِ مستور خاص ستارست

تو حس مشترک و وہم و فہم صورت کن ۔۔۔ کہ ہر یک آئینۂ جاں بغیر زنگارست

شاعر کی جادوگری وسحر نگاری کے جو مواقع ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ خشک علمی مضامین کو اپنی رنگین بیانی سے ایسا آراستہ کرے کہ صحیح مسائل کا بیان دل آویز و دل پذیر ہو جائے جس نے فلسفہ وحکمت میں ان مسائل کو پڑھا ہوگا وہی سمجھ سکتا ہے کہ ان دقیق مسائل کو خسرو نے کس محققانہ طرز سے ادا کیا ہے۔ جو مسائل کتب حکمیہ میں چند صفحوں میں بیان ہوئے ہیں یہاں اُنھیں چند اشعار میں بیان کر رہے ہیں۔

خاقانی ے

دلِ من پیرِ تعلیم ست و من طفلِ زباندانش — دمِ تسلیم سرِ عشر و سرِ زانو دبستانش

نہ ہر زانو دبستان ست و ہر دم لوحِ تسلیمش — نہ ہر دریا صدف دارست و ہر نم قطرہ نیسانش

سرِ زانو دبستان ست چوں کشتی نوح آں را — کہ طوفان جوش درد است و جودی گرد دامانش

کسے کیں خضرِ معنی راست دامنگیر چوں موسیٰ — کفِ موسیٰ و آبِ خضر بینی در گریبانش

مرا ہمت چو خورشید ست شاہنشاہ زندستا — کہ چرخش زیرِ رانست و سرِ عیسیٰ ست بر رانش

بلے خود ہمتِ درویش چوں خورشید می باید — کہ سامانش ہمہ شاہی ست و فارغ ز سامانش

زہے خضرِ سکندر دل ہوا تخت و خرد تاجش — خمے سرمست عاقل جاں بقا منزل و رضا خوانش

دو کون امروز دکاں نیست کحال شریعت را — کہ خود کحل الجواہر یافتند انصار و اعوانش

بہ بندار کحل دیں خواہی کمر چوں دستہ ہاون — بہ بیتِ آنکہ ارواح اند ہاون کوب دکانش

ہمہ گیتی ست بانگ ہاون اما نشنود خواجہ — کہ سیمابِ ضلالت ریخت اندر گوش خذلانش

فلک ہم ہاون کحل ست کردہ سرنگوں گوئی — کہ منع کحل سائی را نگوں کردند زیں سانش

حق یہ ہی کہ اس خاقانِ ملکِ سخن نے اپنی قادر الکلامی اور بلند خیالی کا بے مثال نقش صفحہ قرطاس پر کھینچ دیا ہی۔ بلحاظ شکوہ الفاظ۔ رفعت خیال۔ زور کلام۔ استعارات و تشبیہات کی موزونی۔ بندش کی چستی۔ اشعار کی برجستگی۔ فصاحت و بلاغت و متانت اور صنائع شعری کے خاقانی کا یہ قصیدہ بے بدل ہی۔

امیر خسرو

دلم طفل ست و پیر عشق استاد زبان دانش
سواد الوجہ سبق و مسکنت کنج دبستانش

زبان داں پیر عشق آمد کہ ہر کہ آموخت فرداں
درونش لوح محفوظ ست و خاموشی ست بزبانش

ببازار فقیراں رو اگر نقدلیست در کیسہ
کہ چندیں تحفہ گنج ست و رہر کنج دکانش

چو مرد از خود بروں آید گل و خارست یکر نگش
چو مست از ہوش فارغ شد شب و روزست یکسانش

ز دریاے شہادت گر نہنگ لا برآرد سر
تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش

نہ من گفتار دانا را جوابے ساختم لیکن
جوے آوردم و کاہی کہ ریزم پیش یکرانش

سخن زاں گونہ گفتم من بلند امروز در دہلو
کہ از خواب گراں بیدار کردستم بنشر دانش

مرا انصاف مطلوب ست نے تحسیں ازیں معنی
کسے کو بگزرد زانصاف باشد خصم یزدانش

خسرو اقلیم معانی نے بھی اپنے قصر مرات الصفا کی آئینہ بندی اور زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے! اور جواہر زواہر معانی سے اُس کی آرائش و زیبائش اس طرح کی ہے کہ خاقان ملک سخن کے قصر معلی کی رفعت شان سے ہم رتبہ ہو سکے۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر بتما! جہانہیں، تو قریب قریب بام مراد تک رسائی حاصل کی ہے۔ لذت کلام نزہت خیال حسن ادا فصاحت و متانت اور صنائع شعری کے اعتبار سے ان کا قصیدہ بھی لاجواب جواب ہے۔

جامی

معلم کیست عشق و کنج خاموشی دبستانش
سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش

زہر کس نایداین وستاد و شاگردی نہ ہر کو ہے — بدخشاں باشد و ہر سنگ پارہ لعلِ رخشانش

زبان جز بے زبانی نیست این نادر معلم را — دریغا در ہمہ عالم ندانم کس زباں دانش

دو شاخِ لا شود در کفرِ غلّ گردن سالک — چو بکشاید درِ الّا بوحدت چشم عرفانش

میانِ لا و الا یک الف فرق ست و زبود — درِ الّا آں الف بالا شمارد عقل یکسانش

سخن آں بود کز اوّل نہاد استاد خاقانی — بمہمان خانۂ گیتی پے دانشوراں خوانش

چو در سیرِ معانی یافت خسرو سوے آں خوان رو — ملاحتہائے او فگند شورے در نمکدانش

اگر امروز ایں خادم زہجر شعر تر آبے — پے دست و زباں شستن بیار و نیست تاوانش

سخن سنج جام نے جو فیصلہ کیا ہی اُس سے بہتر فیصلہ اس زمانے کے لوگوں کا کیا ہوسکتا ہی۔ خاقانی نے خوانِ نعمت بچھایا۔ خسرو نے اُس کو نمک ڈال کر بامزہ بنایا جامی علیہ الرحمۃ نے کھانے والوں کے ہاتھ دھلوا دیئے اب ہم بھی قصائد کی بحث کو ختم کرتے ہیں۔

مثنوی

مثنوی میں بھی خسرو کا پایہ بہت ارفع ہی سادگی و صفائی کے ساتھ ساتھ ایک خاص جوش و اثر دل آویزی و دل ربائی ان کی مثنویوں میں پائی جاتی ہی۔ بیان کی سلاست زبان کی شوخی الفاظ کی موزونیت و ندرت۔ بندش کی نفاست۔ خیالات کی ہمواری۔ عبارت کی روانی مثالوں کی چاشنی تمثیلوں کی برجستگی مواعظ و پند کی لینت و شیرینی اہل ذوق کو والہ و شیدا بناتی ہی۔

اصناف نظم میں مثنوی کی قدامت اور اس کے اقسام

مثنوی نظم کی بڑی صنف اور بہت قدیم صنف ہی باعتبار مضامین

اس کی تین قسمیں ہیں رزمیہ۔ بزمیہ۔ اور اخلاقی وصوفیانہ۔

رزم اور فردوسی

فردوسی کا شاہنامہ جو اُس کی تمام شاعرانہ قوت کا خلاصہ و جوہر ہے اُس میں رزم کی تصویر ایسی ہوبہو کھینچی ہے جس کا مقابل آج تک کوئی پیش نہ کرسکا اگرچہ اُس کے اس التزام نے کہ عربی آمیزش سے حتی الامکان زبان فارسی محفوظ رہے بہت سے ثقیل و نامانوس الفاظ داخل کر دئیے۔ لیکن رزم کی مثنوی میں فردوسی کی زبان سے اُن الفاظ کی ثقالت بھی ایسی ہی خوش نما و پیکر آرا رہی جیسے ایک نبرد آزما جنگ جو کے جسم پر جوشن و زرہ۔

فردوسی و یوسف زلیخا

محمود کے دربار سے جب فردوسی شکستہ خاطر ہو کر بھاگا تو اُس نے اپنی اُس زندگی میں یوسف زلیخا لکھی اور چاہتا تھا کہ بزم میں بھی اپنی عروس سخن کو اس جلوہ گری سے ظاہر کرے کہ رزم و بزم دونوں کا سکہ فردوسی ہی کے نام کا جاری ہو لیکن یہ حصہ کسی آیندہ آنے والے کا تھا۔ اس لئے اس کی سعی یوسف زلیخا میں کچھ کامیاب نہو سکی۔ بعض اس کی علت اُس کی شکستہ خاطری اور پریشاں حالی قرار دیتے ہیں خیر سبب کچھ بھی کیوں نہو لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ رستم وسہراب۔ بہمن و اسفندیار کے خنجر و شمشیر کا بیان کرنے والا لیلیٰ کے تیغِ ادا اور کمندِ گیسو کو کیونکر جان سکتا ہے اس لئے اس کا لکھنا نہ لکھنے کے برابر تھا۔

ہاں اُس قدر عشق کا بیان جس میں سپاہ منشی کی آن بان قائم رہے وہاں تک تو اُس کا قلم بے مثل مصوری کرتا ہے۔ لیکن اس سے جہاں عشق نے قدم آگے

بڑھایا۔ بس فردوسی کا قلم کانپ اٹھتا ہے اگر کوئی فردوسی کے کمالات پر خاک ڈالنا چاہے تو اس کی یوسف زلیخا سے جامی علیہ الرحمۃ کی یوسف زلیخا کا مقابلہ کر کے عوام کو بخوبی دھوکا دے سکتا ہے۔

صوفیانہ و اخلاقی مثنویاں مولانا رومی حکیم سنائی فرید الدین عطار کے رشحات قلم سے عالم وجود میں آئیں اور اس طرح مثنوی کی دو قسمیں بہ تمام و کمال زیور نظم سے آراستہ پیراستہ ہوگئیں۔ لیکن ان کی ایک قسم یعنی بزم و عاشقانہ وہ اپنی پوری آرائش و زیبائش کے لئے کسی زبردست قلم کی ہنوز منتظر تھی۔

مولنا نظامی اور مثنوی

یہاں تک کہ ۵۳۳ھ میں مولنا نظامی گنجوی پیدا ہوئے ان کا خاندان ایک علمی خاندان تھا اور اس کے ساتھ شعر و سخن کا بھی گھر میں شغل رہا کرتا تھا۔ مولنا طالب العلمی کے ساتھ اشعار کی بھی مشق کرتے جاتے تھے۔

پچیس یا چھبیس برس کی عمر میں پہنچکر مخزن الاسرار تصنیف فرمائی۔ اور بہرام شاہ کے نام سے اسے معنون فرمایا۔ پانچ ہزار دینار سرخ ایک قطار شتر اور مختلف قسم کے کپڑے انعام پائے۔ یہ مثنوی صوفیانہ ہے فلسفۂ نظری و عملی کو صوفیانہ طرز میں بیان کیا ہے اگرچہ اس موضوع پر مولنا سے پیشتر اسلاف بہت کچھ لکھ چکے تھے لیکن رنگینی و مرصع کاری مولنا کے قلم سے ہونی تھی جیسا کہ مطالعۂ مخزن الاسرار سے یہ وصف ظاہر ہوگا

مخزن الاسرار کے بعد شیریں و خسرو تصنیف ہوئی۔ اس سے فارغ ہو کر داستان لیلیٰ و مجنوں کو نظم کا جامہ پہنایا۔ پھر ہفت پیکر کی آراستگی فرمائی۔ آخر عمر میں سکندر نامہ

لکھ کر اپنے زورِ قلم کا ایک نمونہ چھوڑ گئے۔

مولٰنا نظامی کی جامعیت | اگرچہ مولٰنا کی ہمہ گیر طبیعت نے تمام اصنافِ سخن پر زورِ قلم دکھانا چاہا۔ غزلیں بھی کہیں قصائد بھی لکھے لیکن اصل مضمون مثنوی ہی جس میں مولٰنا کی طبع رواں عجیب عجیب خوش رنگ و خوشبو گل کھلاتی ہی۔

مثنوی میں نظامی کی خصوصیات | یہ نظامی ہی کی جدت آفریں طبیعت تھی جس نے شیریں و خسرو اور لیلیٰ مجنوں لکھ کر شاعری کو عشق و حسن کے مراحل و منازل بھی مثنوی کے سہارے طے کرا دیئے۔ اور مثنوی کی تیسری قسم جو ہنوز تشنہ تھی وہ نظامی کے چشمۂ فیض سے اب ایسی سیراب ہوئی کہ آج تک اس راہ کے پیاسے اُسی چشمۂ صافی سے پیاس بجھاتے ہیں۔

مولٰنا نظامی سے قبل مثنوی کے لئے تین بحریں مخصوص تھیں شعرا جب مثنوی کہتے تو اُنھیں تین بحروں میں اُن کے کلام کی روانی پائی جاتی۔ مولٰنا نے دو بحریں اور اضافہ کیں۔ مخزن الاسرار و ہفت پیکر کی بحریں مثنوی کو نظامی ہی کے دبیرِ قلم کی عطا کردہ ہیں شعرائے مابعد نے ان دونوں نئی بحروں کو بھی ویسا ہی قبول کیا جیسا کہ اس سے پیشتر کی تین بحریں مقبول تھیں اس طرح اب مثنوی کی پانچ بحریں ہوگئیں۔

علاوہ اس کے کہ یہ دو امور خصوصیات بلکہ اولیات نظامی ہیں نفس بیان، ترکیب و نشست الفاظ، زور تشبیہ اور ندرت استعارہ۔ ان محاسن سے مولٰنا کا گنجینۂ سخن مالامال ہی۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جن سے دورِ اوّل کا کلام بہت کچھ خالی تھا اگرچہ ایک

خلقی حسین آرائش کا محتاج نہیں ہوتا۔لیکن جب وہی حسین آرائش کے ساتھ سامنے آتا ہی تو پھر دل پر کچھ اور ہی اثر پڑتا ہی۔

نظامی کے کلام میں وہ حسن بھی ہی جو قدما، کی مثنویوں میں تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُسے سولہ سنگار سے ایسا آراستہ کیا ہی کہ اہل نظر کی نگاہ اُن سے ہٹنے نہیں پاتی۔مولنا کے اس کمال کا سخن سنجوں نے ایسا صحیح اعتراف کیا کہ بزم شعرا میں انھیں خدائے سخن کا لقب ملا۔اور یہ لقب مولنا کے ساتھ مخصوص اور آپکے تخلص نظامی کا مرادف ہو گیا ہی۔

اقسام سہ گانہ مثنوی میں جس قوت جامعیت سے کہ مولنا کے قلم نے مضامین رنگین کے مینھ برسائے ہیں۔اُن کا احاطہ ناممکن ہی۔پھر جذبات کی مصوری واقعات کی تصویر کشی مولنا نے کچھ اس کمال و خوبی سے کی ہی کہ فردوسی جیسا واقعہ نگار بھی کہیں کہیں پیچھے رہ جاتا ہی۔مولنا کے اس کمال کے دو نمونے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

مثال اوّل دارا جب غلاموں کے ہاتھ سے زخمی ہوتا ہی اور حالت نزع میں آخری سانس لے رہا ہی اُس وقت سکندر اُس کے پاس جاتا ہی اور دارا اُس سے کچھ کہتا ہی اس واقعہ کو فردوسی و نظامی دونوں نے بیان کیا ہی لیکن جو تصویر کہ مولنا کے قلم نے کھینچی ہی اُس کے خط وخال ایسے نمایاں ہیں کہ دارا کے جذبات جذبات معلوم نہیں ہوتے بلکہ گوشت و پوست سے درست ایک چلتی پھرتی صورت معلوم ہوتی ہی۔

فردوسی نے واقعہ یہ دکھانا چاہا ہے کہ مرتے وقت انسان کے تمام ولولے اور جوش فنا ہو جاتے ہیں بسترِ مرگ پر ایک فقیر و بادشاہ دونوں کے جذبات پہلو بہ پہلو ہوتے ہیں۔ اپنی بیکسی و بے مائگی۔ پس ماندوں کی حیرانی و تباہی دونوں پر یکساں چھا جاتی ہے۔

اس لئے فردوسی دارا سے ایسے کلمات نقل کرتا ہے جس سے صرف دنیا کی بے ثباتی اپنی مجبوری انقلابِ دہر کا عبرت ناک سماں سمجھا جاتا ہے۔

برخلاف اس کے مولانا نظامی علیہ الرحمۃ اُس لطیف فرق کو نہایت خوبی سے بیان فرماتے ہیں جو شاہانہ و خسروانہ دماغ کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی تاسف و تحسر کے کلمات دارا کی زبان سے بیان کرتے ہیں لیکن شاہنشاہی اور کیانی تاجداری کی شان اُس میں مضمر ہے اور یہی نکتہ بیان کا کمال بلکہ سخن کی جان ہے۔ دونوں کے کلام سے سات سات شعر اس جگہ ثبوت کے لئے نقل کرتا ہوں۔

نظامی	فردوسی
اگر تاج خواہی ربود از سرم	زمین و زماں بندہ بد پیشِ من
یکے لحظہ بگزار تا بگزرم	چنیں بود تا بخت بد خویشِ من
مگرداں سرِ خفتہ را از سریر	چو از من ہماں بخت بیگانہ شد
کہ گردنِ گرداں برآرد نفیر	ہمہ کاخ و ایواں چو ویرانہ شد

نظامی	فردوسی
تو اے پہلواں کآمدی سوے من	زنیکی جدا ماندہ ام زیں نشاں
نگہ دار پہلو ز پہلوے من	گرفتار در دست دشمن کشاں
کہ با آنکہ پہلو دریدم چو میغ	ز فرزند و خویشاں شدہ نا اُمید
ہمی آید از پہلویم بوئے تیغ	سیہ شد جہاں دیدگانم سفید
چہ دستت کہ با ما درازی کُنی	ز خویشاں کسے نیست فریادرس
بتاجِ کیاں دست بازی کُنی	اُمیدم بہ پروردگارست دبس
نگہ دار دستت کہ دار است ایں	برین ست آئینِ چرخ رواں
نہ پنہاں چو روز آشکار است ایں	اگر شہریاری وگر پہلواں
زہیں را منم تاج تارک نشیں	بزرگی بفرجام ہم بگزرد
مجنباں مرا تا بجنبد زمیں	شکارست مرگش ہمی بشکرد

دیکھو فردوسی نے بجز اس کے کہ پہلے شعر میں اُس کا صاحب تخت و اقبال ہونا بیان کیا ہی اس کے سوا اور کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا جس سے ایک ایسے شخص کے جذبات کی خصوصیت معلوم ہوتی جس کا وجود ایک بہت بڑے شاہی خاندان کی یادگار تھا اور جس کی زندگی کی ہر حرکت و سکون سلطنت کیانی کا ایک تاریخی ورق تھا۔

برخلاف اس کے مولٰنا کا ہر شعر اس خصوصیت کے اظہار میں کیسا کامل ہی

جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ دم واپسیں تک بھی شاہی جذبات سے خالی نہیں ہوتا۔

مولانا نظامی کے کمال کی ایک دوسری مثال

اسی طرح اس واقعہ کو کہ خود سکندر قاصد کے لباس میں ایک دوسرے شاہانہ دربار میں جاتا ہے۔ پیام پہنچاتا ہے اور پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ قاصد نہیں بلکہ خود سکندر ہے۔ لیکن سکندر انکار کرتا ہے۔ آخر میں شاہانِ عہد کی تصویریں نکالی جاتی ہیں اور سکندر کے پاس کوئی حجت نہیں رہتی ہے۔

اس واقعہ کو دونوں نے بعینہٖ لکھا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ مولٰنا نظامی نے نوشابہ کے دربار میں پہنچایا ہے اور فردوسی قیدافہ کی بارگاہ میں لیجاتا ہے لیکن واقعات کا تسلسل جو نظامی کے یہاں ہے وہ فردوسی کے یہاں بالکل نہیں پایا جاتا۔

فردوسی نے سکندر کو جو قاصد بنایا تو تھوڑی دیر کے لئے اس کے شاہانہ حوصلے خسروانہ جذبات ملوکانہ اولوالعزمی شجاعانہ ہمت یہ سب ہیچ پچ فنا ہو گئے اور قاصدی کے جامہ میں آتے ہوئے حقیقتاً ہر طرح کا ضعف بھی اس میں آگیا۔ چنانچہ قیدافہ کے دربار میں وہ جب پہنچتا ہے تو دربار کی آراستگی اور شاہانہ جاہ وحشم اسے متحیر کر دیتا ہے۔ سطوت وہیبت شاہی سے وہ مرعوب ہو کر تمام مراسم قاصدی پورا کرتا ہے۔ لیکن اثنائے گفتگو میں بادشاہ کو خود بخود خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت سکندر سے ملتی ہے اور وہ تصویر نکال کر دیکھتا ہے۔

مگر نظامی اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اگر بادشاہ کسی معمولی و کمتر شخص کے لباس میں بھی آجائے تو شاہانہ دماغ کے لوازم اُس حال میں بھی اُسے اہل بصیرت کی نگاہوں میں ممتاز رکھتے ہیں۔

اس لئے سکندر جب نوشابہ کے دربار میں پہنچا تو سجدہ برسم قاصداں بجا نہ لاسکا طرز کلام میں اُس کے جو وقار و جرأت پائی جاتی تھی اُس میں شان قاصدوں کی نہ تھی۔ اس سے نوشابہ کو حیرت ہوتی ہے اور خیال گزرتا ہے کہ یہ جرأت بادشاہوں جیسی ایک قاصد میں کیونکر ہوسکتی ہے۔ اس خیال کی بنا پر وہ کہتی ہے ؎

که صد آفریں بر تو شاہِ دلیر ۔۔۔ کہ پیغام خود میگزاری چو شیر

میانجی نہ شاہِ آزادۂ ۔۔۔ فرستندۂ نہ فرستادۂ

سکندر انکار کرتا ہے۔ قاصد ہونے پر مصر ہے اور سکندر کی عظمت و جلال کا خطبہ پڑھتا ہے تب نوشابہ تصویر منگواتی ہے سکندر کی تصویر اُس کے روبرو رکھ دیتی ہے اب وہ حیران ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ فردوسی جو مثنوی کے باب میں پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے اور جس کے کلام کی پختگی خیالات کی بلندی جذبات و احساسات کی مصوری ایک امر مسلم ہے نظامی نے اُس اُستاد مسلم کے ساتھ میدانِ رزم میں مسابقت کی اور اس میں

شک نہیں کہ اُن تمام مقامات پر جہاں اُس سے کچھ بھی کمی رہ گئی تھی نظامی نے اُسے پورا کر کے ایک قدم اپنا آگے بڑھالیا۔ بہت سی جگہوں میں اُس کے دوش بدوش رہے۔ لیکن جو میدان کہ فردوسی کا خاص ہو چکا تھا اور اُس کے کلام کی بلندی اُس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جس سے ترقی ناممکن تھی وہاں رزم میں البتہ نظامی سے اُس کے کلام کی فوقیت نمایاں ہے۔

بہرحال فردوسی و نظامی کا سکندر نامہ و شاہنامہ سے مقابلہ مقصود نہیں اور حق تو یوں ہے کہ ایک ایسے جوہر کا جسے حکاک نے تراش خراش کر مجلےٰ بنایا ہو اُس کا ایک کان جواہر سے کیا مقابلہ۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ نظامی کی ہمہ گیر طبیعت کا صحیح اندازہ ناظرین کو ہو جائے اور یہ معلوم رہے کہ ان کی پُرزور طبیعت فردوسی کے چمن سے گزرتے ہوئے وہاں پہنچکر گل کھلاتی ہے جس جگہ فردوسی پہنچنے سے کانپ اُٹھتا ہے۔

مولٰنا نظامی کی جامعیت بمقابلہ فردوسی

مولٰنا نظامی قصائد لکھتے ہیں غزلیں کہتے ہیں۔ مثنوی عشقیہ اخلاقی و صوفیانہ تصنیف کرتے ہیں اور اپنی سحر البیانی کا خراج تحسین باکمال اساتذہ سے وصول کرتے ہیں۔ لیکن فردوسی کا قلم جب رزم سے کسی دوسری طرف کا قصد بھی کرتا ہے تو تھرا اُٹھتا ہے شق ہو جاتا ہے۔ یہی حال دوسرے مثنوی کہنے والے شعرا کا نظامی کے مقابلہ میں ہے۔ ہر ایک مثنوی گو ایک ایک صنف مثنوی پر قدرت

رکھتا ہی لیکن اقسام سہ گانہ مثنوی پر قوت و شوکت کے ساتھ صرف نظامی ہی کا قلم رواں ہی۔

خمسہ نظامی کا سو برس تک جواب نہو سکا

الغرض اس خدائے سخن کی پانچ مثنویاں جو خمسۂ نظامی کے ساتھ مشہور ہیں ۵۹۷ھ میں مکمل ہو کر ایسی مقبول خاص و عام ہوئیں کہ اُن کا جواب غیر ممکن سمجھا جانے لگا۔ اور اس طرح یہ خمسۂ نظامی سو برس تک انا ولا غیری کا مدعی رہا۔ اب سو برس بعد تلك الايام نداولها بين الناس کا یوں ظہور ہوتا ہی کہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ اس میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اس جوش و مستی سے بادیہ پیمائے سخن ہوتے ہیں کہ با وجود مشاغل گوناگوں و تصانیف متنوعہ تین برس سے کم عرصے میں نہایت کامیابی کے ساتھ خمسہ نظامی کی منزل سے قریب اپنے خمسۂ خسروی کا خیمہ نصب کر دیتے ہیں۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

بیان مثنوی میں یہ صفحات جو فردوسی و نظامی کے متعلق لکھے گئے ان سے صرف اس امر کا ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اقسام نظم میں مثنوی اپنے ایسے مرتبۂ کمال پر پہنچ گئی تھی کہ سو برس کے عرصہ میں جس قدر بھی کہ شعرا گزرے اُنھوں نے قصائد کہے غزلیں کہیں اور اسلاف سے کہیں زیادہ اپنے کلام کو محاسن و لطائف سے آراستہ کیا لیکن مثنوی کے ارادے سے جب نظامی کے خمسہ پر نظر ڈالتے تو حواسِ خمسہ جواب دے جاتے۔

حالانکہ اصناف نظم میں سب سے زیادہ مفید مثنوی ہی کی صنف تھی مسلسل مضمون اسی میں بیان ہوسکتا ہے اور اسی لئے شعرائے ایران نے مثنوی کی قسم ایجاد کی تاکہ واقعات و حالات تاریخی نظم کی دل آویزی سے مرغوب و پسندیدہ ہوکر بقا کی صورت میں آجائیں لیکن نظامی کے کلام کی بلندی نے سب کے حوصلے اس طرح پست کر دیئے تھے کہ مثنوی کی صنف قریب تھی کہ معدوم ہو جائے۔

یہ خسرو علیہ الرحمۃ کے کمال و زور بیان کا احسان ہے کہ عالم نظم میں سو برس بعد پھر مثنوی کا دورہ آیا۔

خسرو کا احسان اور مثنوی کی دوبارہ زندگی

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس خزینۂ نظم کے ابواب اپنی خداداد قابلیت سے اس وسعت و فراخی سے مفتوح کر دئے کہ آج تک شعرا اپنے اپنے حوصلہ و استعداد کے مطابق اس سے حصہ پا رہے ہیں۔

مثنوی پر یہ احسان حضرت خسرو علیہ الرحمۃ کا ہے جن کے قلم اعجاز رقم نے پھر اسے ایسا زندہ کیا کہ آج تک یہ مردہ نہ ہو سکی۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام میں اگر خمسۂ خسروی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو بھی اُن کے کمال کا مسلم ہونا ظاہر تھا۔ اس لئے کہ نظامی علیہ الرحمۃ کے بعد مثنوی گوئی کا ارادہ شاعری کے لئے کچھ آسان نہ تھا۔

مولانا نظامی کی تمام عمر کا جسے سرمایۂ ناز اور اُن کے چمن شاعری کا گل سرسبد کہا جاتا ہے وہ صرف مثنوی ہے۔

مولانا کی طبیعت میں نظم کی اس صنف سے خاص لگاؤ تھا اطمینان و فراغ

خاطر سے مشق اس کی بڑھاتے رہے یہاں تک کہ کلام کی بلندی اُس مرتبہ پر پہنچی کہ خدائے سخن کا لقب ملا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ جنہیں اپنا وقت صبح سے شام تک دربار شاہی میں بسر کرنا ہوتا تھا اور اُس کے بعد جب مہلت و فرصت ملتی تو اُسے اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں سعادت اندوز فرماتے۔ اسی کشاکش و ضیق وقت میں جو لمحات کہ مل جاتے اُن میں شاعری کی طرف توجہ ہوتی۔

انصاف شرط ہے کہ ایک ایسے شخص کا خمسۂ نظامی کے مقابل جو اُن کی عمر کا سرمایہ ہے تین برس میں خمسہ طیار کرنا کیا کرامت نہیں ہے۔

اس بحث کو ہم یہاں چھیڑنا نہیں چاہتے کہ خسرو کا خمسہ کہاں تک کامیاب ثابت ہوا۔ اس لئے کہ اس رسالہ کے آخری حصہ میں مبسوط بحث اسی مضمون پر ہے ہفت پیکر و ہشت بہشت کا سیر کن مقابلہ کیا گیا ہے یہاں صرف اس قدر بیان کرنا ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے جب یہ دیکھا کہ شاعری کی ایک مفید صنف معدوم ہوئی جاتی ہے نظامی کی ہیبت کسی کو قلم اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتی تو آپ نے بسم اللہ کہہ کر ہمت مردانہ سے کام لیا۔ اور الحمد للہ کہ آپ کی سعی مشکور ہوئی جیسا کہ خمسہ کی پہلی مثنوی مطلع الانوار میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ بملک سخن از پنج گنج | نوبتِ آں گنجہ نشیں گشت پنج
نوبت خسرو کہ بپیچش نواست | پنجہ زنِ نوبتِ آں خسرو ست
سازم ازاں ساں بسرائے پنج | پنج کلید از پئے آں پنج گنج

کانچہ بہر گنج بود ناپدید　　فتح شود ہم بزبانِ کلید

آں نمط آرم کہ ہمہ ناقداں　　فرق ندانند ازیں تا بداں

ملکِ کہن راچو گرفتم بہ تیغ　　گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے خمسہ کو پانچ خزانے بتایا ہی اور اپنے خمسہ کو اُن خزائن کی کنجیاں یہ استعارہ اُس وقت اور بھی لطف دے جاتا ہی جب یہ دیکھا جائے کہ بعد خسرو علیہ الرحمۃ کے ستّر سے بھی زیادہ خمسۂ نظامی کی طرز پر مثنویاں لکھی گئیں۔

منقولۂ بالا اشعار کے پچھلے دو شعروں سے یہ مقصود ہی کہ نظامی کی روش لفظاً و معناً اس طرح اختیار کی جائے اور بیان ایسا رنگین و مرصع ہو کہ تابع و متبوع میں فرق نہ معلوم ہو۔ پھر صرف یہی نہیں کہ محض اتباع نظامی اس خمسہ کا کمال ہو بلکہ خود اپنی مجتہدانہ قابلیت کا بھی ثبوت اس میں دیا جائے۔ چنانچہ جہاں خسرو کی ہمہ گیر طبیعت نے نظامی کی روش فتح کی ہی وہاں خزائن خسروی کے خاص جواہر بھی آیندہ آنے والوں کے لئے مینھ کی طرح برسا دیئے ہیں پس خسرو کا یہ کہنا بالکل صحیح ہی کہ؎

ملک کہن راچو گرفتم بہ تیغ　　گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

اس امر کا ثبوت کہ خسرو نے جو کچھ اپنی مثنویوں علی الخصوص خمسہ کے متعلق کہا ہی وہ صرف جذبات شاعرانہ کی نغمہ سرائی نہیں ہی بلکہ ایک امر واقعی کا سچا اور حقیقی بیان ہی اُس حصۂ کتاب میں ثابت ہو جائے گا جہاں نہایت تفصیل سے نظامی و خسرو کے

اشعار کا مقابلہ کیا گیا ہے۔

صنف مثنوی پر احسان خسروی کی تفصیل

لیکن اس جگہ مجمل طور پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ صنف مثنوی پر وہ کونسا خاص احسان ہے جسے خسرو کی گوہر افشانی کہی جائے۔

(۱) ابھی یہ مضمون بیان ہو چکا ہے کہ قدماء کے کلام میں مثنوی کے لئے صرف تین بحریں تھیں نظامی علیہ الرحمۃ نے دو بحریں اُس پر اضافہ کر کے مثنوی میں وسعت پیدا کی۔

بحور مثنوی میں ازدیاد

خسرو علیہ الرحمۃ کا جب زمانہ آیا تو آپ نے پانچ پر دو بحریں اور بڑھائیں اور اس طرح مثنوی کے لئے سات بحریں ہو گئیں پھر آپ نے ایک مثنوی لکھی جس کا نام نہ سپہر قرار دیا اور اُس میں دو نئی بحریں اور بھی اضافہ کیں اس طرح چار تازہ بحریں مثنوی کو خاص خزانۂ خسروی سے عطا ہوئیں۔

(۲) نظامی کے عہد تک یہ دستور تھا کہ عنوان محض سادہ ہوتے مثلاً حمد نعت مدح سلطان وقس علیٰ ہذا۔ اسی قدر عبارت عنوان کے لئے کافی سمجھی جاتی۔

عنوان میں جدت

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی ایک جدت پیدا کی۔ آپ نے اپنی مثنویوں میں عنوان کو ایک عجیب دلکش و رنگین نثر میں لکھا ہے دیکھو اسی ہشت بہشت کے عنوانات۔

چنانچہ مثنوی مطلع الانوار میں اپنی اس ایجاد کو خود فرماتے ہیں ؎

چوں شود آراستہ نظم چو دُر　　　از گہرِ نثر کنم خانہ پُر

ہر چہ نویسم بسرِ داستاں　　　　رہ نت کنم رہ زپئے رہ ستاں

تا قلمِ ہر کہ دوا دو کند　　　　پس روی این روشِ نو کند

اس طرح عنوان قائم کرنے سے ایک یہ لطف بھی پیدا ہو گیا کہ جب پڑھنے والا ایک مضمون ختم کر لیتا ہے اور دوسرا شروع کرنا چاہتا ہے تو عنوان جو نثر میں تحریر ہے اپنی عبارتِ رنگین سے ذوقِ مذاق میں چاشنی پیدا کر دیتا ہے اور اس تبدیلیِ ذائقہ سے طبیعت میں تازگی آ جاتی ہے۔ مسلسل ایک ہی بحر میں اشعار جو آتے جاتے ہیں اُن سے تکان و سیری پیدا ہونے نہیں پاتی۔ پھر عنوان کا بیان و مضمون پر حاوی ہونا اور اُن حدود سے کم و بیش نہ ہونا جو عنوان سے مفہوم ہوتا ہے ایک عجب متکلمانہ کمال ہے۔

مثنوی نہ سپہر و قران السعدین میں یہ طرز اختیار کیا گیا ہے کہ ہر عنوان پر ایک ایک شعر لکھتے چلے گئے ہیں۔ اگر اُن تمام عنوانوں کے اشعار مسلسل جمع کر لئے جائیں تو ایک پرزور قصیدہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح بعض مثنویاں ضمن عنوان میں ایک فصیح و بلیغ قصیدہ بھی رکھتی ہیں۔

عنوان کا اپنے بیان و ماتحت مضمون پر حاوی و محیط ہونا یہاں بھی پایا جاتا ہے حال آنکہ قصیدہ نگاری نے اس راہ کو سخت سنگلاخ کر دیا تھا۔

فن تقریر و تحریر کے نقاد اس کمال کی البتہ داد دے سکتے ہیں کہ عنوان و موضوع کے اندر رہ کر اس طرح لکھنا یا بولنا کہ نہ تو موضوع سے کلام بڑھکر نکلنے پائے نہ بیان کسی پہلو سے تشنہ رہ جائے، کس قدر اہم و معرکتہ الآرا ہے۔

غرض تحریرِ عنوان کا یہ جدید و دل پذیر طرز خاص ایجادِ خسرو علیہ الرحمۃ ہے۔ اگرچہ جس طرح اس کے موجد ہونے کا انتساب خسرو علیہ الرحمۃ کی طرف ہے اُسی طرح اس کے خاتم بھی وہی ہیں (اس لئے کہ آیندہ آنے والے اس کی تقلید نہ کرسکے) لیکن اگر غالبؔ دہلوی کی اُردو تحریر کی روش پچھلے نہ اختیار کرسکے تو اس سے غالبؔ کی ایجاد اور کمال میں کیا نقص لازم آتا ہے۔

مثنوی میں صحیح دلچسپی یا رنج

(۳) واقعات تاریخی یا قصص ماضیہ کو جن شعرا نے کہ نظم کیا مثلاً شاہنامہ، سکندر نامہ اور یوسف زلیخا وغیرہ ان کا مرتبہ نظم میں آکر بہت ہی گر جاتا ہے لوازمِ شاعری کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ واقعات کی صورت بالکل متغیر و متبدل ہو جاتی ہے ایسی مثنویوں سے شاعری کی ترقی، زبان کی صفائی، محاورات کی چاشنی، بندش کی چستی البتہ حاصل ہوئی لیکن علمی و تاریخی فائدہ اُس سے حاصل نہو سکا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی نگاری میں یہ بھی ایک کمال ہے کہ جہاں شعرائے سلف کی روش پر قصص منظوم فرمائے، وہاں شاعری و مثنوی گوئی سے ایک صحیح افادہ بھی فرما گئے۔ چند ایسی مثنویاں ہیں جن سے قطع نظر محاسن مثنوی کے تاریخی حالات نہایت محققانہ و ناقدانہ حیثیت سے معلوم ہوتے ہیں مثلاً خضر خاں و دیول دیٔ، تغلق نامہ، نہ سپہر، قران السعدین وغیرہ۔

ان کتابوں میں اُس عہد کے واقعات و حالات، سلطنت و سلاطین کی روش ارکین و اعیان دولت کا طرز، اس تحقیق و خوبی سے نظم کیا ہے کہ آج اُس عہد کی بہت سی

تاریخی باتوں کا صحیح پتہ اُنھیں مثنویوں سے چلتا ہی۔ کتنی تاریخیں ہیں جن کی تصحیح کا ماخذ وہی مثنویاں ہیں۔

ہندوستان کے اُس عہد کی تاریخ کا جس نے ناقدانہ و محققانہ مطالعہ کیا ہی وہی شخص ان مثنویوں کو پڑھ کر صحیح داد خسرو کی شانِ مورخانہ کی دے سکتا ہی۔

سلاست (۴) سلاست وصفائی اگرچہ دورِ ثانی کے کلام میں پیدا ہو چکی تھی لیکن نظامی علیہ الرحمۃ کی مثنوی میں کتنے مقامات ایسے پر پیچ ہیں جن کی گرہ شروح کے ناخن آج تک نہ کھول سکے مثلاً

سکندر نامہ میں جشنِ نوشابہ استعارات و تشبیہ کے ندرت میں ایک بے مثل بیان تسلیم کیا گیا ہی لیکن اُنھیں چند اوراق میں کتنے اشعار ایسے ہیں کہ آج تک اُن کا صحیح حل نہ ہو سکا۔ شارحین بہت کچھ لکھتے ہیں لیکن پھر بھی حضرت نظامی کی روح سے بہ ادب تمام معافی ہی مانگنی پڑتی ہی۔ لیکن خسرو کی مثنویوں کو پڑھو۔ باوجود کثرت صنائع و بدائع (جو اُن کا روزمرہ ہی) بیان میں ایسی سلاست وصفائی ہی جس طرح سمندر کا شفاف پانی۔

شاعری میں مذہب و علم کا لحاظ (۵) سب سے بڑی خصوصیت اُن میں یہ ہی کہ ان کی مثنویوں میں شاعری تحقیقات علمیہ و مسائل اسلامیہ پر کہیں غالب نہیں ہونے پاتی۔ ان کا قلم کہیں سے لغزش نہیں کرتا۔

مولٰنا نظامی نے (جن کا فضل و تقدس اظہر من الشمس ہی) مثنوی

ہفت پیکر میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے مذہبی نقطۂ نظر سے سخت قابل گرفت ہے لیکن یہ وہ اتہام شاعری ہیں جن سے شعرا کا کلام خالی نہیں ہوتا ہاں یہ خسرو علیہ الرحمۃ کا کمال ہے کہ شاعری کے تمام اسلحہ ان کی سرکار میں سب سے زیادہ رواں لیکن علم و مذہب اُن کے حملے سے بالکل مامون و مصئون۔

وصف نگاری کا ایجاد (۶) وصف نگاری کا ایجاد بھی خسرو ہی کی قوت فکریہ و صحیح تخیل کا نتیجہ ہے شعرائے سلف محسوسات و موجودات خارجیہ کی لفاظ میں تصویر کشی نہیں کرتے تھے حال آنکہ یہ چیزیں بھی اس کی مستحق تھیں کہ ان کے بیان سے بھی نظم کا چمن آراستہ کیا جاتا مثلاً

کسی شہر کے سواد کا اس طرح بیان کرنا جس سے اُس کا شوق دلوں میں پیدا ہو جائے یا وہاں کے پھول پھل کا بیان یا وہاں کی عمارتوں کا بیاں۔

خسرو علیہ الرحمۃ نے قران السعدین میں اس طرح کے بہت سے مضامین نظم کئے ہیں شہر دہلی کی تعریف، اہل شہر کی تعریف، وہاں کی مسجد کی تعریف، کشتی کی تعریف کاغذ کی تعریف، منارہ کی تعریف وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے کثیر مضامین اُس مثنوی میں ہیں اور اس کا نام خسرو نے وصف نگاری رکھا ہے۔

جس طرح کسی شئے کی تصویر اپنی اصل سے زیادہ دلکش ہوتی ہے اسی طرح اُس کا نظم میں بہ تمام و کمال بیان بھی ایک خاص لطف پیدا کر دیتا اور شاعر کی قوتِ متخیلہ اور زور بیان سے خبر دیتا ہے۔ اس لئے خسرو علیہ الرحمۃ نے اس کی طرف

توجہ کی اور اس بیان میں بھی اپنا کمال ظاہر کر دیا چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

بود در اندیشۂ من چند گاہ ۔ کز دلِ دانندۂ حکمت پناہ

چند صفت گویم و آبش دہم ۔ مجمعِ اوصاف خطابش دہم

طرزِ سخن را روشِ نو دہم ۔ سکۂ ایں ملک بہ خسرو دہم

الغرض اس طرح کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کا ایزاد و ایجاد خسرو کی مجتہدانہ جدت آفریں طبیعت کا نتیجہ ہے۔

سلاطین میں خسرو کی مثنویوں کی قدر دانی

اب ہم اس بیان کو صرف اس ایک مضمون پر ختم کرتے ہیں کہ خسرو کی مثنوی نگاری کی ان کے زمانے میں کیسی قدر ہوئی اس کے لئے صرف قطب الدین خلجی کی قدر افزائی ایک روشن بیان ہے۔

اس بادشاہ نے مثنوی نہ سپہر کے صلہ میں ہاتھی کے وزن سے ان کو سونا تول دیا چنانچہ خود قطب الدین کی زبان سے اُسی نہ سپہر میں کہتے ہیں ؎

بتاریخ ہمچوں من اسکندرے ۔ کند ہر کہ آرائشِ دفترے

زگنجِ گراں مایۂ بے شمار ۔ دہم بار پیلش آں پیل بار

مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل ۔ کہ میداد زر ہمتراز وے فیل

شناسد کسے کش خرد رہنموں ۔ کہ از پیل بارست وزنش فزوں

چو میراث شد پیل زر دادنم ۔ نہ زیباست زیں سہل تر دادنم

بادشاہ کی اس قدر افزائی کا اُسی مثنوی میں یوں شکریہ ادا کرتے ہیں ؎

شہا گنج بخشا کرم گسترا		معانی شناسا سخن داورا
مرا عمر کز شصت بالا گزشت		ہمہ پیشِ شاہانِ والا گزشت
زشاہاں کسے اولم کرد یاد		معزالدنا بود شہ کیقباد
ازاں پس زفیروزہ چرخِ بلند		شدم پیشِ فیروز شہ ارجمند
ازاں پس کہ در شہ ستائی شدم		تونگر ز گنجِ علائی شدم
شد اکنوں کہ اقبال ہمدم مرا		نوازندہ شد قطبِ عالم مرا
چنیں بخششی کز تو جم یافتم		زشاہانِ پیشینہ کم یافتم
کنوں لابد از سحر سنجے چو من		باندازۂ بخشش آید بمن
جریدہ بریں پیش پرداختم		چو ایں نامۂ خاص کم ساختم

خسرو کے کلام کی قدر افزائی جیسی کہ ان کے عہد میں ہوئی زمانہ مابعد میں بھی اُس کی عظمت و عزت وہی قائم رہی۔ چنانچہ خسرو کا تغلق نامہ جب کہ اُس کے چند اوراق فنا ہو گئے اور جہانگیر نے اپنے عہد ۱۰۱۴ھ میں اُسے کچھ ناکمل پایا تو اُس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ کسی طرح یہ مثنوی مکمل ہو جائے۔ شعرائے دربار سے فرمائش کی ہر ایک نے طبع آزمائی کی لیکن حیاتی کا کلام بادشاہ نے پسند کیا۔ اگرچہ خسرو کے کلام میں کوئی پیوند تو کیا لگا سکتا ہے لیکن پھر بھی اُس کے کلام کی شائستگی و متانت اس درجہ پر تسلیم کی گئی کہ اوراق گم شدہ کی جگہ حیاتی کا کلام پیوند کر دیا گیا۔ بادشاہ نے اس صلے میں حیاتی کو چاندی سونے میں رکھ کر تول دیا۔ چنانچہ کسی شاعر نے اس واقعہ کو نظم کیا

اور تاریخ یہ کہی۔ "شاعرِ سنجیدۂ شاہی"۔

ملک و قوم میں قدردانی خسرو کے کلام کی سلاطین و سلطنت نے جو عزت کی وہ ان دونوں عطایائے شاہی سے ظاہر ہے فارسی داں دنیا کی قدردانی اس سے واضح ہے کہ خسرو کی بہت سی مثنویاں بارہا مختلف مطابع میں طبع ہوئیں اور ہاتھوں ہاتھ قدردانوں تک پہنچ گئیں۔

اس بے توجہی ولاپروائی و بدمذاقی کے زمانے میں بھی جسے فارسی کا کچھ بھی مذاق ہے یا جہاں کہیں کتب خانے ہیں ایک ایک کتاب کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں اور یہ خصوصیات کچھ ہندوستانی کتب خانوں کی نہیں ہیں بلکہ یورپ کا بھی کتب خانہ تصانیف خسرو سے معمور ہے۔ خدیو مصر کے کتب خانے کی فہرست جب دیکھی گئی تو اُس سے یہ معلوم ہوا کہ عرب نے اپنے عجمی بھائی کے عجمی کلام کی خود اہل عجم سے کچھ کم محبت و حفاظت نہیں کی ہے بلکہ بعض خصائص جزئیہ میں وہ ممتاز خصوصیت رکھتے ہیں۔

تھوڑی کوشش سے ایک ایک کتاب کے دس دس اور بارہ بارہ نسخے تو خود کالج میں فراہم ہوگئے۔ کتنے گھر ابھی ایسے ہیں جہاں اور بھی نسخے موجود ہونگے بعض کا تو ہمیں علم نہوا اور بعض جگہ انکار و اخفا ہی کچھ کمال سمجھا گیا۔ چنانچہ بہار شریف میں خمسۂ خسرو کا موجود ہونا جب معلوم ہوتا ہے تو اُس وقت مولانا رشید احمد صاحب انصاری پروفیسر کالج علی گڑھ نہایت شوق و ذوق میں سفر کرتے ہیں۔ بہار شریف پہنچکر صاحب کتاب سے ملتے ہیں۔ کتابیں دیکھتے ہیں۔ چند روز کے لئے کالج لانے کی ہر سعی جائز کرتے ہیں ہر طرح کی ضمانت پیش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ وہاں سے خمسہ

کالج نہیں پہنچ سکتا۔

عزیزانِ وطن! صدیوں بعد جب کہ مذاقِ سخن باقی نہ رہا کتابیں پنساریوں کی دوکانوں میں پہنچ کر پڑیاں باندھنے کے مصرف میں آنے لگیں قدیم علمی خاندان ویرا ہو گئے مصائب و آفات نے گھر کے گھر تباہ کر دیئے۔ بہت سے قیمتی جواہر جنھیں اسلاف نے صدیوں میں کمایا تھا یکسر غارت ہو گئے۔ خسرو کی مثنویوں کا اس وقت تک باقی رہنا اُس کے کمالِ مقبولیت و گرانمائگی کو مشعر ہے۔ رہا اس کا گلہ کہ سیکڑوں نسخے کیوں نہ ملے۔ تلاش و جستجو کی زحمت ہی کیوں ہوئی۔ اس کسادِ علمی کے زمانے میں ایک امرِ فضول ہے۔

ہم مٹ گئے تو پرسشِ نام و نشاں ہے اب ۔۔۔۔۔۔۔ اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب

اب اس پہلو سے بھی ایک نظر ڈالنی ضروری ہے کہ خسرو کی تصنیف سلسلہ تعلیم و تعلّم میں کہاں تک مقبول ہوئی۔

سلسلہ تعلیم میں مقبولیت

سلسلہ تعلیم میں آپ کی مثنوی قران السعدین جو سب مثنویوں سے مقدم ہے ویسی ہی مقبول ہوئی جیسا کہ سکندر نامۂ مولانا نظامی۔ بڑے بڑے فضلائے اجل نے اُس کے حواشی و شروح لکھیں۔ وقتِ تصنیف سے اُس وقت تک کہ علوم مشرقی کی تعلیم ہندوستان میں جاری رہی قران السعدین داخلِ نصاب فارسی تھی۔

واقعہ ہے کہ یہ مثنوی نہایت ہی دلچسپ ہے۔ یہ صرف اپنا تاریخی ہی پہلو نہیں رکھتی ہے بلکہ گوناگوں مضامین پر مشتمل ہے اور انھیں تنوعات نے اسے اس قدر مقبول بنا دیا ہے

نفسِ قصہ میں تو کوئی خاص دلچسپی ہی نہیں۔ اس لئے کہ باپ بیٹے کا دکھڑا ہی کیقباد بغرا خاں کا بیٹا سعادت فرزندی کو تہ کرکے باپ کے مقابلے میں آتا ہی۔ دہلی سے چل کر سرجو کے کنارے اس کی فوج پڑاؤ ڈالتی ہی۔ کچھ پیام وسلام کے بعد باپ بیٹے میں موافقت ومصالحت ہو جاتی ہی۔

اب کیقباد یہ چاہتا ہی کہ یہ بیہودہ واقعہ میری زندگی کا ایک با افتخار کارنامہ بن کر مشہور ہو۔ اسی خیال کی بنیاد پر خسرو سے نظم کرنے کی فرمائش کرتا ہی۔ یہ خسرو ہی کا کمال ہی کہ واقعات کو حقیقت کے دائرہ میں قائم رکھ کر اس طرح اس قصے کو نظم کیا ہی کہ کیقباد کی رندانہ زندگی اُس کے عہد کی سرمستی اور اُس کی تعیش پسند زندگی کا اہلِ شہر پر اثر سب کچھ اپنے لطف بیان سے لطیف پیرایہ میں کہہ گئے۔

اس مثنوی کی بحر اگرچہ وہی ہی جو نظامی کے مخزن الاسرار کی ہی لیکن اسلوب بیان، ترتیب مضامین خاص خسرو کا ایجاد ہی۔ یہ اسی ایجاد کا نتیجہ ہی کہ قران السعدین اس قدر مقبول ہوئی۔ اگرچہ اس ایجاد سے یہ نقص ضرور کتاب میں پیدا ہوگیا کہ کہیں کہیں واقعہ کا تسلسل باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایسے پھیکے و بدمزے قصے کے لئے تسلسل ایسا ضروری نہ تھا جیسا کہ دل آویز و دل پذیر ہونا ضروری تھا۔

قران السعدین کی پسندیدگی کی وجہ

قران السعدین نظم کے تین اصناف پر محیط ہی۔ قصیدہ، غزل، مثنوی اس طرح اس کتاب میں اقسام ثلٰثہ نظم کا لطف آتا ہی۔ جو قصہ کہ نظم کیا گیا ہی وہ خود ہندوستان کی صحیح اور سچی داستان ہی۔ اپنے ملک کے واقعات سے

دلچسپی ایک امر فطری ہی۔ پھر مضامین میں اس قدر تنوعات ہیں کہ ہر طرح کے خیالات موجود۔ کہیں بہار کا ترانہ ہی اور اُس کی نسیم کی عطر فشانی۔ کہیں لو کی لپٹ اور بادِ خزاں کے جھونکے۔ کسی جگہ سیر دریا اور کشتی کی روانی ہی اور کسی جگہ ساقی و جام کی گردش سے مستی و مدہوشی۔ صرف وصف نگاری کی تحت میں چالیس سے زیادہ اشیاء کا بیان آگیا ہی۔ لطف یہ کہ ان سب چیزوں کا تعلق ہند کی ہی خاک سے ہی۔ پھر کیوں ایسی کتاب مطبوع عام و خاص نہوتی۔ ہر شخص کے جذبات کی ضیافت کا سامان جس چیز میں جمع ہو گا اُسے ہر شخص ضرور پسند کرے گا۔ قران السعدین کی یہی بوقلمونی اس کی شہرت و ہمہ گیری کی قوی و اصلی علت ہی۔ اس لئے اساتذۂ فن نے بھی اُسے تعلیم فارسی کا ایک عنصر بنا دیا تاکہ طلبہ کو ایک ہی کتاب میں موقع موقع سے اصنافِ نظم کی تمام اقسام کا اجمالی علم ہو جائے۔ مضمون کی رنگا رنگی دلچسپی کو روز افزوں کرتی رہے۔

دوسری وہ مثنویاں جن میں ہندوستان کے ہی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ داخلِ درس نہوئیں مثلاً

مثنوی خضر خاں و دیول دیٔ کا اجمالی بیان

خضر خاں و دیول دیٔ کا قصہ باوجود اس کے کہ خود موبمو راست ہے اُس پر داستان عشق و حسن۔ جس میں حسن کی ناز آفرینی، عشق کی نیازمندی، فراق کے صدمے، وعدۂ یار کی لذتیں۔ یہ ایسے مضامین ہیں جنھیں اگر خاص مِلک خسرو کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

پھر وہ شخص جس کے عشق کی داستان ہی خسرو کا اس سے تعلقات گوناگوں سبب سے

بڑا علاقہ یہ کہ دونوں ایک پیر طریقت کے حلقہ بگوش۔ آخر میں اُسی شاہزادہ کی جو وارث تخت و تاج تھا قسمت کا پلٹ جانا اور انقلابِ دہر کا ایک عجیب و مہیب عبرتناک سماں یہ مضامین خسرو جیسے شخص کے لئے جو واقعات عالم پر غائر نظر رکھتا ہو اور ان سے کل ممکن الاستخراج نتیجے نکال کر دنیا کے سامنے مقبول طبع صورت میں پیش کر سکتا ہو کیسے وسیع ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ خسرو کی تمام مثنویوں میں جوش سے لبریز یہی مثنوی خضر خاں و دیول دیبی ہے اس مثنوی کی حمد و مناجات سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاعر کس جوش سے اس قصے کو بیان کیا چاہتا ہے مثلاً حمد اس شعر سے شروع کرتے ہیں ؎

سرِ نامہ بنامِ آں خداوند	که دلہا را بخوباں داد پیوند

اس کے بعد مناجات ہے اور اُس کا اوّل شعر یہ ہے ؎

خداوندا چو جاں دادی دلم بخش	دلِ عاشق نہ جانِ عاقلم بخش

یہ مثنوی کیا لکھی ہے سحر سامری کی تصویر کھینچ دی ہے۔ حاصل یہ کہ دیگر تاریخی مثنویاں جو سلسلہ تعلیم میں داخل نصاب نہوئیں تو اُس کی صرف یہ وجہ ہوئی کہ اُن مثنویوں میں کشش و تعلیم کی صرف ایک ایک ہی چیز تھی۔ باعتبار مضمون و موضوع تاریخ اور باعتبار نظم مثنوی حال آنکہ تعلیم اس کی مقتضی تھی کہ مختلف مضامین مختلف شعرا و مختلف دور کے پڑھائی جائیں تاکہ زمانہ تعلیم میں ہر دور کی خصوصیت ہر ایک کا انداز و اسلوب بیان طالب العلم کو معلوم ہو جائے۔ اسی خیال سے خمسہ نظامی میں سے سکندر نامہ جامی

کی مثنویوں میں سے یوسف زلیخا، سعدی کے کلام میں سے بوستاں اور خسرو کی تصانیف سے قران السعدین داخل نصاب کی گئیں۔ خلاصہ یہ کہ خسرو کی مثنویوں کو سلطنت، ملک اور تعلیم تینوں نے انتہائی عزت و پسندیدگی سے دیکھا۔

قطعہ و رباعی | غزل، قصیدہ، مثنوی میں جب کہ کسی شاعر کا کمال ثابت ہو جائے تو پھر کسی اور صنف نظم کی بحث سے اُس کا کمال بے نیاز ہی۔ لیکن جب کہ یہ دیکھا جاتا ہی کہ بعض شعرا کے لئے صرف چھوٹی قسمیں نظم کی دلیل کمال سمجھی گئیں تو پھر یہی مناسب معلوم ہوتا ہی کہ خسرو جیسے ہمہ گیر شاعر کی خسرویت کا نمونہ اُن چھوٹی قسموں میں بھی دکھا دیا جائے۔

سب سے پہلے خسرو کا وہ قطعہ ہدیۂ ناظرین ہی جس میں اُنہوں نے موسیقی و شاعری کا محاکمہ کیا ہی[لے]۔ کیوں کہ جہاں خسرو کو دیوان فطرت سے تمغاے شاعری ملا تھا وہاں فن موسیقی میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا پھر ان سے بڑھکر کس کا محاکمہ قابل وقعت ہو سکتا ہی۔

دیگر قطعات و رباعیات کا بھی یہی حال ہی کہ ہر ایک میں ایک لطف خاص اس طرح پایا جاتا ہی کہ اُن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہی کہ شاید خسرو کا اصلی میدان یہی ہی۔ لیکن یہ خصوصیت خسرو کی صرف قطعہ و رباعی کے ہی ساتھ نہیں ہی بلکہ اصناف نظم میں سے جس قسم نظم خسرو کا مطالعہ کروگے تو بے اختیار "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا ست" کہہ اُٹھوگے۔

لے ملاحظہ ہو قطعۂ اول صفحہ ۱۳۲

قطعات

(۱)

مطربے میگفت خسرو را کہ اے گنجِ سخن / علمِ موسیقی زجنسِ نظم نیکوتر بود
زانکہ ایں علم ست کز دقت نیاید بر قلم / واں نہ دشوار ست کاندر کاغذ و دفتر بود
پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم / ق / ہر دو را سنجیدہ بر وزنیکہ آں بہتر بود
فرق می گویم میانِ ہر دو معقول و درست / تا دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود
نظم را علمے تصور کن بہ نفس خود تمام / کو نہ محتاجِ سماع و صوت خنیاگر بود
گر کسے بے زیر و بم نظمے فرو خواند رواست / نے بمعنی ہیچ نقصاں نے بلفظ اندر بود
ور کند مطرب بسے ہاں ہاں و ہوں ہوں در سرود / چوں سخن نہ بود ہمہ معنیِ او ابتر بود
نالہ زن را ہیں کہ صوتے دارد و گفتار نے / لاجرم در قول محتاجِ کسے دیگر بود
بس دریں صورت ضرورت صاحبِ صوت و سماع / از برائے شعر محتاجِ سخن پرور بود
نظم را حاصل عروسے داں و نغمہ زیورش / نیست عیبے گر عروسِ خوب بے زیور بود
من کسے را آدمی دانم کہ داند ایں قدر / ور نداند پرسد از من ور نہ پرسد خر بود

دیگر

زافسردگاں مجو اثرِ زندگیِ دل / نے از مزاجِ ظالمِ سوزندہ خوے خوش
نے شعلۂ بر آتشِ لالہ تواں فروخت / نے از گلِ چراغ تواں یافت بوے خوش

دیگر

از جود و کرم قبولِ حق جوئے — خود نام بود گر آنت میل ست
مقصود ز سرمہ نورِ چشم ست — زیبائیِ چشم خود طفیل ست

دیگر

روشن دلانِ صاف درون را خلل بود — در کارِ خلق چشم کشادن بخیر و شر
پوشیدہ نیست نزدِ ہمہ کس کہ طاس را — سوراخ عیب باشد و غربال راہنر

دیگر

خسرو چہ حالت ست کہ در دہر عالماں — از جاہلانِ دونِ دنی باز پس ترند
این نکتہ را بہ بین و بانصاف خوش برآے — کز چار حرف قطرہ و دریا برابرند

دیگر

اقبال را بقا نہ بود دل درو مبند — عمرے کہ بر غرور گزاری ہبا بود
ور نیست باورت زمن این نکتہ یاد گیر — اقبال را چو قلب کنی لابقا بود

دیگر

رفتم سوے حظیرہ و بگریستم ہزار — از ہجر دوستاں کہ اسیرِ فنا شدند
ایشاں کجا شدند چو گفتم حظیرہ ہم — داد از صدا جواب کہ ایشاں کجا شدند

رباعیات

توحید

ہر جا کہ سخن دربت و بت برد افتد | وہ کین دلِ بت پرست آں سو افتد
یارب تو مرا درونۂ دہ کہ بصدق | ہو گویم و اندر دلِ من ہو افتد

نعت

از غرِ محمدؐ ار نداری خبرے | کن از رہِ عقل در شہادت نظرے
اللہ و محمدؐ ست پیوستہ بہم | یعنی کہ میانِ شاں نہ گنجد دگرے

دیگر

وصفِ شرفِ تو بیش از ادراک آمد | سبقِ ادبت نعبد ایاک آمد
توقیعِ تو کز صحیفۂ پاک آمد | لولاک لما خلقت الافلاک آمد

دیگر

اے آنکہ شدہ طفیلت آدم پیدا | گشت از سببِ تو چرخِ اعظم پیدا
نورِ تو نہ گنجید چو در یک عالم | بہرِ تو خدا کرد دو عالم پیدا

مدح پیر

از شیخ نظام چوں سلام ست مرا | با حسنِ عمل عیشِ مدام ست مرا
امید پسِ مراد و کام ست مرا | زیرا ہمہ کار با نظام ست مرا

تصوّف

بستاں چو بسر کشید پیرایۂ ابر
آوردہ بروشیر فرو دایۂ ابر

گل بسکہ لطیف و نازک آمد در باغ
ترسم کہ گراں شود بروسایۂ ابر

دیگر

دل در شکنِ زلف دوتاے تو بماند
جاں نیز چو ذرہ در ہواے تو بماند

ہر کس سرِ خود گرفت و رفت از کوئے
الا سرِ من کہ زیر پاے تو بماند

عشق

جاناں منشیں بر گزرے تیزیٔ آہ
آتش رسدت ز آتش انگیزیٔ آہ

تا در سر کوئے تو نہ پنداری سہل
شب گردیٔ گریہ و سحر خیزیٔ آہ

دیگر

مائیم خرابِ جرعۂ می خوارال
مارا چہ غم از طعنۂ نیکو کاراں

از سرکہ لگد می خورد از خماراں
کے غم خورد از سرزنشِ ہشیاراں

دیگر

اے غم ہمی کہ برمنِ غم خوار آئی
دقت چہ شود گر بدلِ یار آئی

دی شب کہ سیاہ میکنی روزِ مرا
یارب کہ بروزِ من گرفتار آئی

دیگر

دوش آمد و وعدۂ شرابم می داد | خونابہ بجائے مئ نابم می داد
می پرسیدم حالِ دل او خامش بود | واں زلف بجائے او جوابم می داد

دیگر

از شعلۂ عشق ہر کہ افروختہ نیست | با او سرِ سوزنے دلم دوختہ نیست
گر سوختہ دل نۂ زما دور کہ ما | آتش بدلے زنیم کو سوختہ نیست

اقسام پنجگانہ نظم میں خسرو کے کمال و زور بیان کا ایک مختصر نمونہ پیش کیا جا چکا۔ اب چند فرعی و جزئی باتیں ہیں جن کا اظہار بھی غالباً نا مناسب نہ ہوگا۔

صنائع و بدائع | اختراع معانی و بدائع و صنائع میں خسرو خسروِ شاعرانِ سلف و خلف ہیں۔ اگر اُن کے اختراعات کی بحث چھیڑی جائے تو ایک دفتر طویل ہوگا! اعجاز خسروی متعدد بار چھپ کر فارسی داں دنیا میں شائع ہو چکی ہے۔ جسے شوق ہو وہ اُسے مطالعہ کرے۔ بس خدا کی قدرت اُسے نظر آئیگی۔ اس جگہ ان کی ایک ایسی صنعت کا ذکر کرتا ہوں جس کی کوشش دیگر شعرا نے بھی کی ہے۔

ترکیب الفاظ سے لحن | یعنی ان کے کلام میں اکثر الفاظ کی ترکیب و نشست سے ایک لحن خاص پیدا ہوتا ہے اور اسی لحن کے تطابق پڑھنے والے کے دماغ میں جذبات کی لہریں موجیں مارنے لگتی ہیں۔ مثالاً ذیل کے اشعار و مصرعے ملاحظہ ہوں ؎

گنج بر درنج دے گنج سنج | در کشش گنج ہمی برد رنج

باش بکامم کہ بکامِ توام   زندہ و نازندہ بنامِ توام

ع تہمتن تن سیاوش وش فریدوں فرسکندر در

ع سناں قاراں قلم ہاماں علم خاقاں دہل سنجر

فردوسی نے نقارہ کی آواز کو ایک شعر میں اس طرح باندھا ہے کہ شعر بھی بامعنی رہا اور ایک مصرع کے الفاظ سے نقارہ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

ز نقارہ آواز آمد بروں   کہ دوں ست دوں ست گردونِ دوں

یہ شعر فردوسی کا بہت مشہور ہے اور اُس کے اس کمال کا بہترین نمونہ۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا ایک شعر نعت میں ہے جس کے مقابلہ میں فردوسی کی یہ صنعت خاک میں ملجاتی ہے۔ خسرو کا یہ شعر ہے ؎

دہل زن دہل زد بہ تحسینِ او   کہ دیں دینِ او دینِ او دینِ او

علم موسیقی سے آشنا ارباب ذوق سمجھ سکتے ہیں کہ خسرو کے شعر کا پایہ کس قدر بلند ہے۔ اس لئے کہ نہ صرف ایک بامعنی مصرع کے الفاظ بآوازِ دہل ادا کئے ہیں بلکہ اس میں تال اور سُر کے اصول کی پوری پابندی ملحوظ رکھی ہے۔ اگرچہ خسرو جیسے شاعر کے لئے جو فنِ موسیقی کا بھی امام ہو فردوسی کے جواب میں اُس سے بہتر شعر پیش کردینا ایک معمولی بات ہے۔

اسی طرح خسرو کی ایک رباعی مشہور ہے جس کے چوتھے مصرعہ میں اسی کمال کا اظہار ہے

آں روز کہ روحِ پاکِ آدم بہ بدن   گفتند در آ نمی شد از ترسِ بدن

خواندند ملائکاں بہ لحنِ داؤد   در تن در تن در آ در آ در تن در تن

پیمانۂ دوست پرز دُر کرد — پیمانۂ خصم نیز پر کرد

در چپ ز دنِ خرد شوی راست — دانی چپ خود زجانبِ راست

الفاظ ہندی کا استعمال | ہندی کے الفاظ بھی نہایت سلاست سے بے تکلف استعمال کرجاتے ہیں جس سے کلام میں چاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً

ہم بہ نشستہ چوں دریا لکی نہ چرخ کہار آمدہ

خان کرطہ چھوے کشورکشا — کز لبِ شاہاں کرطہ دارد بہ پا

دوسرے مصرعہ میں لفظ کرطہ سے وہی پاؤں کا زیور مُراد ہے۔

اقتباس آیات قرآن | آیات کلام الٰہی سے اپنے اشعار میں یہ ایسی مرصع کاری کرتے ہیں کہ دل پھڑک اُٹھتا ہے۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

حرز کلہ بستہ زاوحیٰ بہٖ — چتر سیہ کردہ زاسریٰ بہٖ

زیر نگیں عرصۂ ملک جمش — خطبۂ ھب لی رقم خاتمش

نعبدُ اِیّاکَ طرازِ علم — فاخلع نعلیک مقامِ قدم

اکثر اشعار کے دوسرے مصرعہ میں کلامِ پاک کی کامل آیۃ تلاوت فرمائی ہے اور یہ وہ کمال خسرو کا ہے کہ کسی کے کلام میں اس فراوانی سے اس کی مثال نہیں ملتی۔ مثلاً اشعار ذیل کو دیکھو ؎

چہ ملامت کنید خسرو را — فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

قضا در ہفت سقفش دید و برخواند — بنینا فوقکم سبعًا شدادًا

اوّل آں اوّلیں خلیفۂ کار   ثانی اثنین اذ ھما فی الغار

فصل بہار | مناظر قدرت میں بہار کا سماں ایک ایسا مضمون ہے کہ شاید ہی کوئی شاعر ایسا ہوگا جس نے اس منظر کی تصویر نہ کھینچی ہو۔ لیکن یہی مضمون جب خسرو کے یہاں آتا ہے تو پھر اس کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے خسرو نے جہاں کہیں ابر و بہار باغ و کہسار گل و گلزار کا نقشہ کھینچا ہے وہاں ہو بہو فوٹو پیش کر دیا ہے۔ مثلاً چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

چوں نافہ کشاد باد نوروز   بشگفت بہار عالم افروز
ابر از صدفِ سپہر بکسیر   در گوش بنفشہ ریخت گوہر
سرو از علم بلند پایہ   بر فرق سمن فگند سایہ
از شبنم گوہریں شمائل   آراست گلوے گل حمائل
غنچہ بدر آمد از شبستاں   پر شیر شدش ز ابر پستاں
بید از سرِ عجز چوں گہروار   شد بر سر یاسمیں گہربار
نازک تن لالۂ دل افروز   لرزیدہ شد از نسیم نوروز

خود اپنے کلام کی تنقید | بایں ہمہ کمال وہ اپنے کلام و شاعری کو خود پرکھتے ہیں اور خوب پرکھتے ہیں اپنا مرتبہ آپ بتاتے ہیں اور تواضع کا بیش بہا نمونہ پیش کرتے ہیں ؎

مشو خسرو بشعرِ خویش غرہ   کہ گوئندہ بسے ہست از پس و پیش
چو گفتِ خویش را بے عیب خواہی   بچشمِ دشمناں بیں گفتۂ خویش

ہمہ کس گفتِ خود را خوب داند　　　وگر یارست ہم تحسین کُند بیش

دیباچہ غرۃ الکمال جو شعر وسخن پر ایک بے نظیر تبصرہ کہا جاسکتا ہی اُس میں شعرا کی تین قسمیں خسرو علیہ الرحمۃ نے بیان کی ہیں اوّل اُستاد کامل دوم نیم اُستاد سوم سارق پھر اُستاد کامل کے لئے چار شرطیں قرار دی ہیں۔ اوّل کسی طرز خاص کا موجد ہو۔ دوم اُس کا کلام شعرا کے انداز پر ہو واعظانہ وصوفیانہ نہ ہو۔ سوم یہ کہ غلطیاں اور لغزشیں نہ کرتا ہو۔ چہارم یہ کہ مضامیں سرقہ نہ کرتا ہو۔

پھر اپنے متعلق یوں فرماتے ہیں کہ میں اُستاد کامل نہیں ہوں ہاں نیم اُستاد ہوں اس لئے کہ مجھ میں صرف دو شرطیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو میرا کلام شعرا کے انداز پر ہی دوسرے یہ کہ میں سارق نہیں ہوں۔ میں نہ تو کسی طرز خاص کا موجد ہوں نہ اس کا مدعی کہ میرا کلام لغزشوں سے پاک ہوتا ہی۔

انصاف پرستی وبے نفسی کی مثال اس سے زیادہ واضح اور کیا ہو سکتی ہے حاسد ومعاند بھی اگر خسرو کا پایہ کم کرنا چاہے تو اس سے بڑھکر اور کیا کہہ سکتا ہی۔ اس طرح اپنے کلام کی آپ تنقید بے شائبہ نفس خصوصیات بلکہ اولیات خسرو ہی۔

تواضع وہضم نفس | صاحبِ کمال کا یہ بھی کمال ہی کہ اُس میں شائبہ تک پندار وخودی کا نہ پایا جائے۔ نقادان فن کی نگاہوں میں جس قدر ایک باکمال کی عظمت بڑھتی جاتی ہی اُسی قدر خود اُس کے انداز میں تواضع بڑھتی جاتی ہی۔

ارباب قلم میں جتنے باکمال سخنور گزرے ہیں اُن میں کوئی رزم کا سماں باندھنے

میں کامل ہے کوئی بزم کا نقشہ کھینچنے میں یکتا ہے کوئی غزل سرائی میں بے نظیر ہے کوئی قصائد میں بے ہمتا ہے کوئی اخلاقی رنگ میں فرید ہے کوئی متصوفانہ وحکیمانہ آہنگ میں بے مثل۔ لیکن ایک جامع کمالات جس کے رشحات قلم سے نثر و نظم کی تمام اصناف نے تروتازگی پائی ہو اور جس نے اپنی پرجوش طبیعت کے اوج و موج سے مضامین گوناگوں کا دریا بہا دیا ہو جب وہ اپنی ہیچمدانی کا اظہار کرتا ہے تو اُس سے اُس کا کمال اور بھی ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خسرو علیہ الرحمۃ باوجود اس جامعیت کے جو انھیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اپنی کم مائگی و بے بضاعتی اس طرح بار بار بیان کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غرور و پندار کا ایک شمہ بھی اس کامل الفن میں نہ تھا۔ حالانکہ شعر و سخن کا وہ میدان ہے جس میں تلامذہ نے اپنے اساتذہ کو ہل من مبارز کہہ کر پکارا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کمال ہے کہ اساتذۂ متقدمین جن کا کلام ابتدا میں آپ نے مطالعہ فرمایا تھا اور جن کی پختہ و پسندیدہ روش آپ نے اختیار کی اُن کا نام بھی ادب سے لیتے ہیں اپنے کو اُن کا ارادت مند و شاگرد بتاتے ہیں اپنے تلمذ کو اس جوش عقیدت سے ظاہر کرتے ہیں کہ واقعی تلامذہ جو اُن اساتذہ کے ہوں گے انھوں نے بھی اس سے زیادہ ادب آمیز کلمات شاید نہ کہے ہوں گے۔

نظامی سے اظہار عقیدت اور اُن کے کمال کا اعتراف

امام مثنوی گویان مولانا نظامی علیہ الرحمۃ کے کمال اور اُستادی کا اس جوش عقیدت سے بار بار مختلف

مثنویوں میں ذکر فرماتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اُن کے عہد میں موجود ہیں اور اُن سے اپنے مثنویوں کی اصلاح لے رہے ہیں۔ چنانچہ مثنوی مجنوں و لیلیٰ میں فرماتے ہیں ؎

زندہ است بمعنی اوستادم | ورنیست منش حیات دادم

مولانا کا کمال اور اپنی بے مائگی کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں ؎

میداد چو نظم نامہ راپیچ | باقی نگذاشت بہر ما ہیچ

مثنوی قران السعدین میں جن الفاظ سے مولانا کا کمال بیان کیا ہے وہ آداب سلف کا بہترین سبق آموز نمونہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نظم نظامی بہ اضافت چو دُر | وز دُر او سر بسر آفاق پر
پختہ از و شد چو معانی تمام | خام بود پختن سودائے خام
بہ کہ دریں جنبش طبع آزمائے | سر بہ نہی اوّل و آنگاہ پائے
مثنوی او راست ثنائے بگو | بشنو و از دور دعائے بگو
از پئے بخشش بخدا آرزوے | لیک عنایت ز بزرگاں بجوے
سوز سخن را نہ بخامی طلب | پختگیش ہم ز نظامی طلب

اسی طرح جابجا غزل سرائی میں اپنے ہمعصر و ہم عہد شاعر کہن مشق دیرینہ سال سعدی علیہ الرحمۃ کی جو شیراز میں بیٹھے ہوئے حقایق و معارف کی نغمہ سرائی غزلیات میں کر رہے تھے اُستادی تسلیم فرماتے ہیں۔ قران السعدین میں فرماتے ہیں ؎

ور غزلت یاد جوانی دہد — وز خوشیِ طبع نشانی دہد

تن زن ازاں ہم کہ کساں گفتہ اند — ہر چہ تو گوئی بہ ازاں گفتہ اند

نوبتِ سعدی کہ مبادا کہن — شرم نداری کہ بگوئی سخن

پھر اپنی ایک غزل کے مقطع میں یوں فرماتے ہیں ؎

خسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت — شیرہ زاں خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

مثنوی نہ سپہر میں ایک جگہ سعدی و ہمام دونوں کو اُستاد غزل تسلیم کرتے ہوئے اُن کے دیگر اصناف نظم پر نہایت محققانہ و مودبانہ تنقید فرماتے ہیں ؎

کس نہ بیند سوے نظم دگیر — کہ نہ گردد بدے منزل گیر

چوں نماند بدے خلقے یاد — گرچہ شہزادہ ہماں دل کہ نہ داد

تا بجائیکہ حد پارسیاں — اندریں عہد دو تن گشت عیاں

زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام — ہر دو را در غزل آئینِ تمام

لیک اگر سوے دگر بارے ہست — شعر شاں ہست بداں گونہ کہ ہست

دیباچہ غرۃ الکمال میں نہایت وضاحت سے اس کی تصریح خسرو علیہ الرحمۃ نے خود فرما دی ہے کہ اصناف نظم میں سے کس پیشرو کی روش کس صنف میں اختیار فرماتے ہیں تفصیل کے لئے ناظرین کو غرۃ الکمال کی اشاعت کا منتظر رہنا چاہیئے۔ لیکن مجملاً اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

قصائد میں خاقانی و اسمٰعیل کا پیرو ہوں مثنوی میں نظامی کا غزل میں سعدی کا

اتباع کرتا ہوں لیکن قطعات و رباعیات و دیگر اقسام نظم میں کسی غیر کے مسلک کا سالک نہیں ہوں بلکہ جو کچھ کہتا ہوں اور جس طرز و اسلوب میں کہتا ہوں وہ خود اپنا ہی ایجاد ہے"

اس بیان سے مقصد یہ ہی کہ خسرو کے کمال کا یہ پہلو بھی ناظرین کے سامنے آجائے کہ ع نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

ورنہ اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظم آپ کی فطری چیز ہی اس روانی سے یہ نظم لکھتے ہیں جیسے کوئی نثر لکھتا ہو۔ گویا ان کے خیالات عالم بالا سے نظم ہی کے پیرایہ میں ان کے دماغ میں اُترتے ہیں۔

مضمون آفرینی میں یہ کسی کے مرہون منت نہیں بلکہ اپنے ہی دماغ کے معدن سے انھوں نے صفحۂ قرطاس پر لال و گہر اُگل دیئے ہیں چنانچہ خود ہی ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ہر چہ من از خامہ فشانم بروں گنج خدا ئیست کہ رانم بروں

لیکن یہ محض اسلاف کا پاس ادب ہی جو اُن کے برابر بیٹھنے کا دعوی نہیں کرتے اور نہایت انکسار سے یوں فرماتے ہیں ؎

چوں پس رو طرزِ ہر سوادم پس شاگردم نہ اوستادم

متاخرین اور کمال خسروی کا اعتراف

اس ادب شناسی کا یہ صلہ ملا کہ خسرو علیہ الرحمۃ کے معاصرین اور شعرائے مابعد ہر ایک نے خسرو کو اپنے سے بہتر اور اپنا رہنما تسلیم کیا۔ ان کے کمال کو باکمالوں نے پہچانا اور ادب سے سر تسلیم خم کیا۔

امیر حسن علاء سجزی جو خسرو علیہ الرحمۃ کے ہم عصر اور غزل کے بے مثل اُستاد ہیں

جب وہ اپنے کلام کا خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس طرح کہتے ہیں ؎

خسرو از راہ کرم بہ پذیرد ۔۔۔ انچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرو نیست ۔۔۔ سخن این ست کہ من می گویم

ملا عصمت بخاری اور بابا کمال خجندی جیسے باکمال اساتذہ بھی خسرو علیہ الرحمۃ کے خوشہ چیں ہیں بہارستان میں مولانا جامی نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور کاتبی نیشاپوری نے ملا عصمت کے خصوص میں نہایت ہی لطیف قطعہ کہا ہے۔

(۲) قطعہ کاتبی نیشاپوری

میر خسرو را علیہ الرحمۃ شب دیدم بخواب ۔۔۔ گفتم ایں عصمت ترا یک خوشہ چینِ خرمن ست
شعر او چوں شعر تو اندر جہاں شہرت گرفت ۔۔۔ گفت یا کے نیست شعر او ہماں شعر من ست

بابا کمال خجندی جو عجم کے ایک مشہور سخنور اور خواجہ حافظ اور عصار تبریزی کے معاصر و حریف مقابل ہیں ان کے متعلق امیر شاہی سبزواری یوں کہتا ہے۔

(۳) قطعہ امیر شاہی سبزواری

گر حسن معنی ز خسرو برد نتواں عیب کرد ۔۔۔ زانکہ اُستاد ست خسرو بلکہ ز اُستاداں زیاد
در معانی حسن را بردا ز دیواں کمال ۔۔۔ ہیچ نتواں گفتن او را دزد بر دزد اوفتاد

کمال سے مراد بابا کمال خجندی کی ذات ہے۔

(۴) قطعہ مرزا محمد طاہر آشنا

کسی نے مرزا محمد طاہر آشنا سے پوچھا کہ اگلوں میں کس کا کلام دلفریب ہے اور پچھلوں میں

کس کا شعر دلپذیر ہے اس کے جواب میں ایک قطعہ لکھکر مرزا محمد طاہر نے بھیجدیا۔

اے کہ سوال کردہ کز متقدمیں کرا | ہست زیادہ در سخن شعر بلند و دل نشیں
وز متاخریں بود شعر خوشش کہ بیشتر | بیش ز ہمگناں بود طبع کہ معنی آفریں
نزد من اند در سخن زیں دو گروہ ایں دو تن | خسرو دہلوی ازاں قدسی مشہدی ازیں

ظہوری جو اپنے زمانہ میں نظم و نثر کا بے نظیر اُستاد تسلیم کیا گیا ہے وہ اُن مدعیان باطل کی بدمذاقی کا جنھیں خسرو کی ہم سری کا سودا سما گیا تھا اس طرح گلہ کرتا ہے۔

(۵) ظہوری اور بارگاہ خسروی کا ادب

بساط ادب برکراں افگنند | بہ خسرو غزل درمیاں افگنند

اس شعر سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ظہوری کا دل خسرو کی عظمت سے کس قدر لبریز ہے خسرو کے بعد سب سے اول خواجو کرمانی ہیں جنھوں نے اپنا خمسہ مرتب کیا ہے ان کے شاعرانہ کمال کی نسبت صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ حافظ علیہ الرحمۃ جیسا مست با جوش و خروش شاعر بھی ان کا نام ادب سے لیتا ہے اور اپنے کو ان کا متبع کہتا ہے وہ اپنی مثنوی کمال نامہ میں خسرو کا اتباع کرنے والا اپنے آپ کو کہتے ہیں۔

(۶) خواجو کرمانی اور خسرو کی تقلید

سوختم ایں لخلخۂ خسروی | در طبق موہبتِ مولوی

مولانا جامی جن کی مثنوی نگاری خصوصیت کے ساتھ ممتاز سمجھی گئی ہے وہ ایک جگہ مولانا نظامی کا امام مثنوی گویاں صرف اس امر سے اثبات کرتے ہیں کہ خسرو کا

خمسہ بھی نظامی کے خمسہ سے بڑھ نہ سکا بلکہ اُس کے بعد کا اُسے مرتبہ ملا۔ نظامی کا خمسہ دُرِ شاہوار ہے اور خسرو کا خمسہ زرِ خالص فرماتے ہیں۔

(۷) مولانا جامی اور خسرو

زدیرانہ گھجہ شد گنج سنج رسانید گنجِ سخن را بہ پنج
چو خسرو بداں پنجہ ہم پنجہ شد وزاں بازوئے فکرتش رنجہ شد
کفش بود زاں گونہ گوہر تہی زرش ساخت لیکن زرِ دہ دہی

ان اشعار سے جہاں نظامی کا فضل ثابت ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہے کہ نظامی کے بعد مثنوی میں خسرو ہی کا مرتبہ ہے۔ دوسرے مثنوی نگاروں کا مولانا جامی کے نزدیک یہ مرتبہ بھی نہیں کہ اُن کا نظامی کے مقابلہ میں نام تک لیا جاسکے۔ چہ جائیکہ مقابلہ۔

(۸) مولانا جامی کی دوسری شہادت

مثنوی تحفۃ الاحرار کے خطبہ میں مولانا جامی یوں تحریر فرماتے ہیں "ایں صدف پارۂ چند ست بے مقدار از جیب وجوئے کارگاہ بے سرانجامی گرد کردہ شدہ و خزف ریزۂ چند بے اعتبار از رفت و روب بزم گاہ شکستہ جامی فراہم آوردہ چہ قدر آں دارد کہ در سلک جواہر شاہوار مخزن الاسرار حکیم گرامی شیخ نظامی انتظامش دہند یا در جنب جام زرنگار مطلع الانوار مورد بدائع لفظی و معنوی امیر خسرو دہلوی نامش برند چہ آں در جودت الفاظ و سلاست عبارات بمنزلہ ایست کہ فصیح زبانان عجم در بیان اوصاف

آں اعجمی اند۔ وایں در دقت معانی ولطافت اشارات بمثابۂ کہ نادرہ گویانِ عالم درمعرضِ جواب آں معترف بابکمی"۔

سخن سنج جام نے چند مختصر فقرات میں کیسی جامع تنقید مخزن الاسرار و مطلع الانوار پر کی ہے پھر نادرہ گویان کا مطلع الانوار کے جواب میں اپنے گنگ ہونے کا اعتراف خسرو کے اُستاد فن ہونے کا کیسا کھلا اقرار ہے۔

(۹) مولانا جامی کی تیسری شہادت

مولانا جامی ایک جگہ خدا سے دعا مانگتے ہوئے جہاں اپنے سخن کا عروج منزل گاہ نظامی تک چاہتے ہیں وہاں اس کی بھی تمنا فرماتے ہیں کہ خسرو جیسی پختگی و لطافت میرے کلام میں پیدا ہو جائے ؎

اہلِ دِل از فکر چو محفل نہند | بادۂ راز از قدح دل دہند
رشحہ ازاں بادہ بجامی رساں | رونق نظمش بہ نظامی رساں
پست چو خاک ست بریز از نوش | جرعۂ از جا مگہ خسرو وش
قافیہ آنجا کہ نظامی سزاست | ہرگز قافیہ جامی سزاست
بر سرِ خسرو کہ بلند اختر ست | ازکفِ درویش گلے درخورست

(۱۰) امیر ہاشمی کرمانی اور کمال خسرو کا اعتراف

امیر ہاشمی کرمانی جو تقریباً مولانا جامی کے معاصر ہیں وہ اپنی مثنوی مظہر الآثار میں جو مخزن الاسرار کے رنگ میں لکھی ہے پہلے مولانا نظامی کے اُستاد فن ہونے کا اقرار

کرتے ہیں۔ اُس کے بعد خسرو ہی کی اُستادی تسلیم کرتے ہیں خسرو کے بعد جامی کا مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ خسرو کے متعلق اُن کے اشعار یہ ہیں ؎

چوں زقضا الحُسہ نو رسید | کو کبۂ نوبت خسرو رسید
خامہ برآور د بفکرِ جواب | ماند قلم بر ورقِ آفتاب
خامۂ خسرو چو گہر بار شد | نامۂ او مطلع الانوار شد
کرد دراں نامہ تکلف بسے | گفت جوابے کہ چہ گوید کسے
بزم سخن را بسخن ساز کرد | بر ہمہ کس راہ سخن باز کرد
فہم رموزش نکند ہر کسے | زانکہ معانیست بسے در بسے
زبدۂ اسرار حقایق ہمہ | محض اشارات دقایق ہمہ
گفتۂ او در نظر نکتہ داں | میدہد از علم لدنی نشاں
آنچہ دریں مائدہ افگند شور | سر بسر از قوت طبع ست و زور
ایں مئے صاف از قدح دیگر ست | مستی او را فرح دیگر ست
ہست دریں بزم گہ دلفروز | نوبت ہر اہل دلے پنج روز
دور قدح طے شد و ساقی نماند | در خم دوراں مئے باقی نماند
چوں مئے خسرو بہ تمامی رسید | دورِ مئے عشق بجامی رسید

(۱۱) ضیاء برنی کا قول

مولانا ضیاء برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی جو خسرو کے ہم عصر ہیں تحریر فرماتے

ہیں۔ امیر خسرو خسرو شاعران سلف و خلف بودہ است و در اختراع معانی و کثرت تصنیفات غریبہ نظیر نداشت۔ و ہرچہ نسبت طبع لطیف و موزوں کند باری تعالےٰ او را دراں ہنر سرآمد گردانیدہ بود۔ وجودے عدیم المثال آفریدہ و در قرن متاخر از نوادر اعصار پیدا آوردہ۔

(۱۲) سفینۃ الاولیا میں داراشکوہ کی تحریر

امیر خسرو در شعر چناں قادر بودند کہ مطلع الانوار را کہ در جواب مخزن اسرار است در دو ہفتہ تمام کردہ اند۔ و در اشعار ایشاں یکہ بیتہاست کہ کم کسے باآن خوبی گفتہ باشد۔ مضموں ہائے تازہ عالی در اشعار امیر آں قدرست کہ اگر ہمہ را جمع کنند از تصانیف بعضے زیادہ میشود و ہمیں طور در اقسام زبان و فنون علم ہندی بے مثل بودہ اند بجامعیت ایشاں کم کسے گزشتہ۔

(۱۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وے سلطان الشعرا و برہان الفضلاست در وادیٔ سخن یگانہ عالم و نقاوہ نوع بنی آدم ست۔ وے در سخن عالمے ست از عوالم خداوندی کہ پایاں ندارد آنچہ او را از مضامین و معانی در اطوار سخن و انواع آں دست داد ہیچ کس را از شعرائے متقدمین و متاخرین ندادہ۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ طبقات محدثین میں ہیں لیکن نظم سے بھی حصہ وافر کے مالک ہیں۔ آپ کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہتر نظم منظوم کرنے پر شیخ

رحمۃ اللہ علیہ کو خود بھی قدرت تھی بہر حال حدیث کی چھان بین کرنے والے کی نظر تنقیدی ہو ہی جاتی ہے۔ پس شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک جملہ مشعر کمال خسرو ہے۔

(۱۴) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی

تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ امیر زادہ بالیسغر خمسۂ خسروی کو خمسۂ نظامی پر ترجیح دیتا تھا اور خاقان مغفور الغ بیگ اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ اس بحث نے یہاں تک طوالت اختیار کی کہ دونوں بادشاہوں میں کشاکش بڑھتے بڑھتے نوبت مقابلہ و مقاتلہ کی پہونچی۔ آخر میں دولت شاہ خسرو علیہ الرحمۃ کے متعلق یہ فقرات لکھتا ہے۔

القصہ معانی خاص و نازکیہائے امیر خسرو دہلوی و سخنہائے پرشور عاشقانۂ او آتش در نہاد آدمی میزند خواجہ خسرو پادشاہ عاشقان ست ازانش خسرو نام ست و در ملک سخنوری این نامش تمام ست درحق او مرتبۂ سخن گزاری ختم ست۔

(۱۵) آزاد بلگرامی

رئیس المحققین میر غلام علی آزاد بلگرامی فرماتے ہیں کہ حضرت سعدی شیرازی کے کلام میں اگرچہ خال خال وقوعہ گوئی پائی جاتی ہے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے (شعر سعدی)

دل و جانم بتو مشغول و نظر در چپ و راست
تا نہ گویند رقیباں کہ تو منظور منی

مگر ناسخ نقوش مانوی حضرت امیر خسرو دہلوی وقوعہ گوئی کے بانی تسلیم کئے گئے ہیں حضرت خسرو فرماتے ہیں ؎

خوش آں زماں کہ بروِیش نظر نہفتہ کنم | چو سوے من نگرد او نظر بگردانم

ولہ

غلام آں نفسم کا مدم چو خانہ او | بخشم گفت کہ از در کشید بیرونش

چو رفتم بر درش بسیار در زلہاؤں گفت ایں مسکیں
گرفتارست شاید کایں طرف بسیار می آید

محقق بلگرامی ایک عجیب صنعت سے ان کے کلام کی داد دیتے ہیں۔ یعنی خسرو کے دو شعر ول سے دونوں آخر کے مصرعے لیتے ہیں اور اول مصرعہ اپنے طرف سے موزوں کر کے کلام خسرو کی داد دیتے ہیں ؎

آزاد | خسرو

اے خسروِ شوخاں چہ کند وصفِ تو آزاد | خوباں عملِ فتنہ زدیوانِ تو بابند

دیگر

میر خسرو نمکیں شعر ترا خواند آزاد | از نمکدانِ تو شد تازہ گرفتاریِ دل

میر آزاد بلگرامی نے جو تنقید کہ کلام خسرو پر کی ہے مو بمو راست ہے۔ خود ایک غزل میں خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

روح لیلیٰ آید و آموزد آئینہاے عشق
شعر خسرو گر رقم بر تربتِ مجنوں کنم

اگر تمام اقوال مصنّفین کے جو خسرو علیہ الرحمۃ کی نفس شاعری کے متعلق ہیں جمع کروں تو ایک رسالہ ہو جائے۔ لہٰذا اسی قدر پر بس کرتا ہوں

کہ مثنوی میں بعد نظامی علیہ الرحمۃ کی خسرو دہلوی سے بہتر کسی نے مثنوی نہیں لکھی۔ مولانا جامی خواجو کرمانی امیر ہاشمی کرمانی آذر اصفہانی سلم السماوات شرع الشعرا والہ داغستانی وغیرہ یہ سب اس کے معترف و مقر ہیں۔ قصائد میں خاقانی اور غزل میں سعدی کے بعد ہیں۔ باعتبار جامعیت کے کوئی ان کا مقابل نہیں۔ صاحب شعر العجم کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱۶) شعر العجم کی عبارت

"ایران میں جس قدر شعرا گزرے ہیں خاص خاص اصناف شاعری میں کمال رکھتے تھے مثلاً فردوسی و نظامی مثنوی میں۔ انوری اور کمال قصائد میں سعدی و حافظ غزل میں۔ یہی لوگ جب دوسری صنف میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے امیر قصائد مثنوی اور غزل تینوں میں ایک درجہ رکھتے ہیں مثنوی میں نظامی کے بعد آج تک ان کا جواب نہیں ہوا۔ غزل میں وہ سعدی کے دوش بدوش ہیں قصائد میں ان کی چنداں شہرت نہیں ہوئی لیکن کلام موجود ہے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ کمال اور ظہیر سے ایک قدم پیچھے نہیں۔"

اسی شعر العجم میں ایک دوسرے موقع پر ہے۔

"ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا۔ اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کئے ہوں گے صرف ایک

شاعری کرلو تو اُن کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے۔ فردوسی سعدی۔ انوری حافظ عرفی نظیری بے شبہ اقلیم سخن کے جم و کے ہیں مگر ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑہتیں۔ حافظ۔ عرفی۔ نظیری غزل کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے اور انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل مثنوی قصیدہ رُباعی سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہیں"۔

خسرو کا حاسد عبید شاعر صفحات تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ صاحب فضل و کمال کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ محسود ہو دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا باکمال گزرا ہو جس پر بعض بدنصیبوں نے حسد نہ کھایا ہو چنانچہ خسرو جیسا خوش طبع منکسر المزاج مسکین طبیعت محتاج دوست۔ عاجز پرور اور دلنواز شخص بھی حاسدوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ سچ ہے ع

گل ست سعدی و در چشم دشمناں خارست

دربار شاہی میں ایک ایرانی عبید نامی تھا وہ فضل و کمال میں جب خسرو کا مقابلہ نہ کر سکا تو آتش حسد سے جل بھنکر کوئلہ ہو گیا۔ امیر خسرو پر طعن و تشنیع اور ان سے بغض و حسد ہی رکھنے کو اُس نے اپنا مایۂ ناز و افتخار سمجھا۔ صاحب شعر العجم کی بھی یہی رائے ہے۔ شعر العجم کے الفاظ یہ ہیں "بعض بعض ایرانی شعرا قومی تعصب کو چھپا نہیں سکے عبید ایک شاعر جو امیر خسرو کا معاصر ہے کہتا ہے کہ غلط اوفتاد خسر وراالخ خسرو کا خمسہ جب طیار ہوا تو اس حیرت افزا

کمال نے اُسے ششدر تو کر دیا لیکن حسد سے مجبور تھا داد کیونکر دیتا اس لئے کہ یہ شیوۂ اہلِ ہنر ہی نہ طریق حسود۔ آخر ایک شعر میں اپنے حسد ہی کا اظہار کیا ؎

غلط اوفتادخسرو را زخامی
کہ سکبا پخت در دیگ نظامی

ادبی مذاق رکھنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ اہلِ کمال کا ایک گروہ ایسا بھی گزرا ہے جسے معاصرین سے دادِ فضل کمال نہ ملی بلکہ بعض ایسے شر کار فن جو اُن کے علوِ شان کے سمجھنے سے قاصر تھے اُنھوں نے نہ صرف اُن کے کمال کا انکار کیا بلکہ مطاعن کی بوچھار کی ہے۔ لیکن جبکہ معاصرت جو تنافر کی ایک قوی علّت تھی مٹ گئی تو پھر اُس کا آفتاب کمال ایسا چمکا کہ اُس کے انوار میں تمام ہلکی اور دھیمی روشنیاں جذب ہو کر فنا ہو گئیں۔

یادش بخیر غالب دہلوی کی شان میں اُس کے بعض معاصرین نے کیا کیا کچھ نہ کہا کسی نے تو یہ کہا ؎

کلامِ میر سمجھے ہم زبانِ میرزا سمجھے
مگر ان کی کہی یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

کسی نے اُس کے دیوان کے حجم و ضخامت پر یہ شعر چسپت کیا ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان نہیں صاحبِ دیوان ہونا

دیوان صرف ایک جلد ہی اور وہ بھی مختصر۔ پس عبید کے اس شعر کو جو اسکی حاسدانہ طبیعت کی یادگار ہی اس ثبوت میں پیش کرنا کہ اہل ایران نے خسرو کو مثنوی نگار تسلیم نہیں کیا آفتاب پر خاک ڈالنا نہیں ہی؟

عبید کا افساد اور اُس کا انجام

صاحب منتخب التواریخ تغلق شاہ کا عہد بیان کرتے ہوئے ایک فتنہ کا یوں ذکر کرتے ہیں "دریں میان عبید شاعر مشہور مفتن معارض امیر خسرو علیہ الرحمۃ کہ ایں بیت ازاں بدبخت شہرت دارد غلط او فتاد الخ امیر در اکثر تصانیف از دست او و سعد فلسفی شکایت ہا کردہ و شیخ زادہ دمشقی بہ تقریب دیر رسیدن ڈاک چوکی از دہلی بدروغ آوازہ در انداختند کہ سلطان تغلق نماند۔ و فتورے عظیم در اہلِ اسلام رفت۔" اس کے بعد فتنہ اور پھر اُس کے اندفاع کا ذکر ہے آخر میں مفسدین کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھا ہی "عبید نیز ہم چناں منکوب بدست آمد و ایں جماعت را باخیل و تبار زیر پائے فیل انداختند در سنہ احدی و عشریں و سبعماۃ" تاریخ فیروز شاہی میں مولانا ضیاء برنی کے الفاظ عبید کے متعلق یہ ہیں۔ بدبخت خبیث فتان مشطط"

اس عبارت سے صاف واضح ہی کہ عبید ایک مفسد فتنہ پرداز بے مایہ اور معمولی قابلیت کا شخص گزرا ہی شعر و سخن میں اُسے کچھ دخل ہی لیکن اس فن میں اسکا کوئی خاص پایہ نہیں اُس عہد میں عبید جیسے شاعر ہندوستان کے ہر گلی کوچے میں تھے۔ اُن کے اخلاق کی خامی و کمزوری اُس کی فتنہ پردازی و فساد انگیزی سے ظاہر ہے۔

کسی تذکرے میں بھی فقیر کی نظر سے یہ نہیں گزرا کہ اُس کے ثبوت شاعری میں

اُس سے کیا یادگار ہی نہ عبید کا دیوان ہے نہ مثنوی نہ قصائد۔ نہ کوئی اُس کے فضائل علمیہ ہی کا معترف ہی۔

خسرو کا اتباع اور اہل زبان

خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ ہندوستان میں پیدا ہوئے اسی جگہ نشو و نما پایا۔ اسی سرزمین میں اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی لیکن کلام کا ایسا نمونہ چھوڑ گئے کہ اہل ایران نے اُس کی تقلید کی خسرو کے قصائد اہل ایران میں ایسے مقبول ہوئے کہ سلمان ساوجی وغیرہ نے بھی اُسے نمونہ بناکر طبع آزمائی کی ہی جو شہادتیں کہ اوپر مذکور ہوئیں اُن سے اہل ایران میں کلام خسرو کی مقبولیت اور اہل زبان میں خسرو کے صاحب فن ہونے کا اعتراف بخوبی ثابت ہوتا ہے

ایک سطحی اعتراض اور اُس کا جواب

یہ اعتراض کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے رنگ میں مثنویاں کیوں لکھیں اُنھیں داستانوں کو مکرر نظم میں کیوں لائے یہ کوئی اعتراض نہیں ہی بلکہ تعصّب کا نتیجہ ہے اس کا جواب پھر کیا دیا جائے۔ دنیا میں شاید ہی کسی موضوع پر ایسی کتاب کسی نے لکھی ہو جس موضوع پر اُس سے بعد آنے والوں نے اپنی قوت دماغی نہ صرف کی ہو بلکہ کبھی کبھی اتحاد موضوع کے ساتھ اتحاد اسم بھی پایا جاتا ہے۔ امام غزالی کی مشہور تصنیف تہافۃ الفلاسفہ ہے لیکن اسی نام کی اور دو کتابیں بھی موجود ہیں۔ ان تینوں کا موضوع ایک ہی لیکن انداز بیان ترتیب فصول سب میں جداگانہ ہی۔ شرح تجرید کے حواشی دیکھو دو نامور محقق یکے بعد دیگرے اُس کا حل لکھتے ہیں اور دونوں کے حواشی کا ایک ہی نام ہے یعنی قدیمہ۔ اسی طرح شیخ

بوعلی سینا کی معرکتہ الآرا کتاب اشارات ہی اُس کی بھی دو شرحیں ہیں اور دونوں شرح اشارات سے موسوم ہیں۔ شعر و شاعری میں جہاں صرف طبع آزمائی ہوتی ہے اُس میں اگر ایک ہی داستان کو دو شاعروں نے نظم کیا تو یہ اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے۔

زورِ طبیعت کا اُسی جگہ صحیح اندازہ ہوتا ہی جہاں ایک ہی مضمون کو دو شخص بیان کریں اس سے ہر ایک کی قوّتِ فکریہ کا زور اور اُس کی رسائی معلوم ہوتی ہی۔ بدیں وجہ خسرو شیریں، مجنون و لیلیٰ و داستان بہرام گور متعدد شعرا نے نظم کی ہیں جن میں سوائے امیر خسرو کے سب اہلِ زبان ہیں۔ پھر خسرو پر اس اعتراض کی تخصیص کیا ہی۔ خسرو نے نام رکھنے میں جو صنعت قلب سے کام لیا ہی اُس سے ایک لطف پیدا ہو گیا ہی مثلاً مولانا نظامی کی کتاب کا نام لیلیٰ مجنوں ہے اور ان کی مثنوی کا مجنوں لیلیٰ۔

اساتذۂ فن کے کلاموں پر جن کی نظر ہے اُن سے یہ امر مخفی نہیں کہ ایک ہی مضمون ہوتا ہی جسے ہر ایک شاعر کہتا ہی لیکن ہر ایک کا انداز جدا ہر ایک کی بندش الگ کہیں اگلوں کے کلام میں لطافت ہوتی ہی اور کہیں پچھلے اُس مضمون کو زیادہ پُر تاثیر بنا دیتے ہیں۔ مثلاً سعدی کا ایک شعر ہی۔

پہلی مثال

بجز ایں گنہ ندارم کہ محبّ و مہربانم	بچہ جرم دیگر از من بسر انتقام داری

اسی مضمون کو خسرو کہتے ہیں ؎

گفتم کہ ہمیں ترا غلامم	گر ہست گناہِ من ہمین ست

خسرو کے شعر کا لطف ظاہر ہی صرف ایک لفظ غلام نے وہ خوبی پیدا کر دی ہی جو محب و مہربان کے دو لفظوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اُس پر گناہ کا اقرار حرف شرط کے ساتھ ایک عجیب لطف دے رہا ہی۔

کیا خسرو پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ جبکہ سعدی کا شعر موجود تھا تو پھر اس مضمون کے ادا کرنے میں کیوں وقت ضائع کیا گیا۔

دوسری مثال

خسرو کا ایک شعر ہی ؎

گفتہ بودے خسروا در خواب رخ بنمائمت | ایں سخن بیگانہ را گو آشنا را خواب نیست

اسی مضمون کو جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

گفتی شبے بخوابِ تو آیم ولے چہ سود | چوں من بعمرِ خویش ندانم کہ خواب چیست

خسرو جن کا زمانہ جامی سے بہت پیشتر ہے جبکہ اُن کا ایسا پر لطف شعر موجود تھا تو پھر جامی کو ایسا شعر لکھنا جو لطف میں بھی خسرو کے شعر سے پیچھے ہی کیا ضرور تھا۔ کیا یہ اعتراض مولانا جامی پر ایک فضول ولا یعنی اعتراض نہیں ؟

تیسری مثال

میر تقی میر کا ایک شعر ہی ؎

جاتا ہے آسماں لئے کوچہ سے یار کے | آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

غالب دہلوی کہتا ہی ؎

یاد آگیا ہمیں تری دیوار دیکھکر　　سر پھوڑتا وہ غالب شوریدہ حال کا

خلاصہ یہ کہ کوئی مضمون جسے متقدم نے کہا ہو اگر اُسے کوئی متاخر کہے تو اگر دونوں کے کلام میں باعتبار بندش و ترکیب الفاظ مساوات ہی تو فضل متقدم کی طرف ہو گا۔ لیکن اگر متاخر نے اُس میں کوئی لطف پیدا کیا تو پھر یہ مضمون اُس کا ہو جائے گا اور یہ ایک طرح کی صنعت شمار کی جاتی ہی جسے ابداع کہتے ہیں۔

جواب کا دوسرا حصہ یہ واقعہ ہی کہ ہر شاعر کی طبیعت ایک خاص رنگ رکھتی ہی اور اُس کے بیان کا اسلوب ایک خاص طرز رکھتا ہی۔ اکثر کلام اُس کا اُسی رنگ و روش میں پایا جاتا ہی۔ لیکن کبھی کبھی وہ اپنے مخصوص طرز سے علحدہ ہو کر کسی دوسرے طرز میں بھی طبیعت کی جولانی دکھاتا ہی جس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ دوسری روش بھی اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔

مثلاً غالب کی نازک خیالی اور دقت پسندی ضرب المثل ہی جیسا کہ وہ خود کہتا ہے

مشکل ہی زبس کلام میرا اے دل　　سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

لیکن جب کبھی اُس کا جی چاہتا ہی تو اپنے خاص رنگ سے علحدہ ہو کر سہل کہنے پر جو آتا ہی تو سہل ممتنع میں بھی اپنی اُستادی ثابت کر دیتا ہی۔ مثلاً اُس کی ان غزلیات کو دیکھئے جن میں سے ایک ایک شعر یہاں درج ہی ؎

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے　　آخر اس درد کی دوا کیا ہے

کب وہ سُنتا ہی کہانی میری　　اور پھر وہ بھی زبانی میری

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام　　ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید　　نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

خسرو اور مجتہدانہ طبیعت خسرو علیہ الرحمۃ ایک مجتہدانہ طبیعت لے کر اس عالم کون و فساد میں آئے تھے۔ ناظرین تھوڑا صبر کریں نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے جود و کرم کا چشمہ عنقریب اُنھیں سیراب کر دے گا۔ بہت بڑا حصہ کلام خسرو کا تصحیح و مقابلہ کی منازل سے گزر کر تنقید و تقریظ کے مقام تک آچکا ہی۔ جس وقت خسرو کا کلام ناظرین کے سامنے ہوگا اُس وقت یہ فیصلہ خودبخود ہو جائے گا کہ بیشک خسرو میں مجتہدانہ قابلیت موجود تھی۔ آپ کی مثنوی تغلق نامہ، خضر خاں و دیول دیی اور مثنوی نہ سپہر آپ کی جدّت و جودت آفریں طبیعت پر گواہ ہیں یہ تینوں تاریخی مثنویاں ہیں۔ واقعات ایسی صحت سے لکھے گئے ہیں کہ اُس عہد کی بہترین تاریخ یہی مثنویاں ہیں تاریخی بحث ایک خشک مضمون ہی لیکن خسرو نے اپنی جادو بیانی سے ایسا رنگین اُسے کر دیا ہی کہ تاریخ اپنی صحت کے ساتھ باقی رہی اور مضمون میں دلکشی و دل آویزی پیدا ہو گئی۔ نہ سپہر کی ترتیب بھی ایک جدت رکھتی ہی۔ اس مثنوی کے نو باب ہیں ہر باب کو سپہر سے تعبیر کیا ہی۔ پھر ابتدا نویں آسمان سے کی ہی اُس کے بعد آٹھواں پھر ساتواں اسی طرح پہلے سپہر پر خاتمہ ہے۔ ہر سپہر کا عنوان آخر میں ہوتا ہے اور ہر سپہر کی بحر ایک نئی بحر ہوتی ہی۔ اس طرح یہ مثنوی نو بحروں پر مشتمل ہی۔ خسرو کی اس مثنوی کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ بعضوں نے سبحۃ الابرار جامی کے متعلق یہ لکھ دیا کہ

یہ مثنوی نہ سپہر کے ہم رنگ ہی. بغیر کتاب دیکھے جو اجتہاد و قیاس. کیا جاتا ہی وہ ایسا ہی غلط ہوتا ہے
لیکن خمسہ میں خسرو نے اپنی روش چھوڑ کر حضرت نظامی کی روش اختیار کی ہے اور یہ
ثابت کردیا کہ اس روش میں بھی مثنوی کہہ سکتا ہوں. چنانچہ فرماتے ہیں ؎

میخواست بسے دلِ ہوس باز | کز سحرِ قدیم نو کُنم ساز
پے بر پئے او چناں کہ دانم | گفتم قدمے زدن توانم
از شیوہ خود رمیدہ گشتم | تسلیمِ ہماں جریدہ گشتم
چیدم بقلم نمونۂ پیش | بردم زمیاں تکلفِ خویش
زاں کردہ ام ایں نوائے خوش ساز | تا گوشِ زمانہ راکنم باز
ذوقے کہ دریں دمِ حیات ست | ہمشیرۂ اوّلیں نبات ست

خسرو علیہ الرحمۃ اپنی مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق آخر شعر میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اوّلیں
نبات (یعنی لیلیٰ مجنونِ نظامی) کی ہمشیرہ ہی. جس طرح کہ یہ مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق دعویٰ
کیا گیا ہی دیگر مثنویوں کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہی خود اسی مثنوی ہشت بہشت کو بخیال
نکتہ چینی اوّل سے آخر تک اُٹھا کر پڑھ جائے. کسی جگہ اور کسی موقع پر کسی قسم کا مضمون
آپ ایسا نہ پائیں گے کہ اُس کو آپ کسی مضمون کی نقل خیال کرسکیں یا پیش رو اور پیرو
کا فرق محسوس ہو اگرچہ وہی قصہ ہی وہی داستان وہی عالم ہے وہی جہان.

پچھلے متاخرین اہلِ کمال نے جو امام فن مسلم ہو چکے ہیں جب کسی متقدم کی غزل پر غزل
لکھی تو چند اشعار میں بھی وہ اس نقصان کو پوشیدہ نہ کرسکے اور یہاں دفتر کے دفتر

موجود ہیں مگر ممکن نہیں کہ کوئی منصف شخص یہ کہہ سکے کہ یہ نقل ہے اور وہ اصل یا یہ اصل ہے اور وہ نقل ۔

نظامی و خسرو کا مقابلہ نہایت تفصیل سے مثنوی میں مولانا نظامی کا کمال ابھی ہم بیان کر چکے ہیں لاریب مولانا کی مثنویاں باوجود بیشمار جوابوں کے بھی آج تک لاجواب رہیں۔ خود امیر خسرو کی بے نظیر انصاف پسندی بار بار مولانا کے کمال کا اعتراف کرتی ہے۔ مثنوی مجنوں لیلیٰ میں اُن لوگوں کو جو خسرو پر نظامی کا نام لے کر طعن کیا کرتے تھے مخاطب بنا کر فرماتے ہیں ؎

گر ما ز ہُنر تہی میانیم — بارے تو بگوئی تا بدانیم
از دعویِ این خیال سنجی — ناگفتہ ملاف تا نہ رنجی
بنود چو فسانۂ تو نامی — بیہودہ چہ لافی از نظامی
گفتی دمِ اوست مُردہ را زیست — آں زانِ دلیست زانِ تو چیست
گر زاں قدح آری آبخوردم — بے گفتِ تو اعتراف کردم

یہ واقعہ ہے کہ مولانا نظامی نے بغیر کسی نمونہ کے صنف مثنوی کو ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ سو برس تک تو کسی کی ہمت مثنوی لکھنے کی نہ ہوئی۔ اور بعد سو برس کے جنھوں نے مثنویاں لکھیں تو وہ نظامی جیسی کوئی نمایاں ترقی نہ کر سکے اس لئے کہ وہ اس مرتبہ کمال تک مولانا کے پُرزور قلم سے پہنچ چکی تھی جو انسان کی قوۃ فکریہ کی انتہائی منزل ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مولانا نظامی جس روش کے موجد ہونے کا فخر رکھتے ہیں

اُس کے مکمل ہونے کا بھی سہرہ اُنھیں کے سر ہے۔ یہ دو کمال یعنی ایجاد و تکمیل مولانا کے ایسے ہیں جن میں کوئی اُن کا ہمسر نہیں خسرو کا نظامی سے جب مقابلہ کیا جائے گا تو یہ حیثیت ضرور ملحوظ ہو گی۔

نظامی کی فارغ البالی خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مولانا نظامی یک فنی تھے طبیعت کا سارا زور مثنوی پر ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا فراغ عطا فرمایا تھا مولانا کو نہ کوئی دوسرا خیال تھا نہ طبیعت پر کسی طرح کا بار۔ اطمینان و سکون سے کلام میں کمال پیدا کرتے رہے۔ خسرو کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

اوزان ہمہ فکرِ گوہر آمائے | نہ نہاد زیک وش بروں پائے
وانگہ زجہاں فراغ جستہ | وزشغلِ زمانہ دست شستہ
بارے نہ بدل مگر ہمیں بار | کارے نہ دگر مگر ہمیں کار
کوشش ہمہ در سخن سگالی | خاطر زہر التفات خالی

اس کے بعد اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ میں مسکین ہوں بندگی سے چارہ نہیں پیٹ کے لئے مزدوری کرتا ہوں صبح سے شام تک اپنے ہی جیسے انسان کے آگے پاؤں پر کھڑا رہتا ہوں۔ اس محنت و ملازمت کا جب صلہ دیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق محنت و مزد نہیں دیتے بلکہ احسان کر رہے ہیں۔ خود خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مسکیں منِ مستمندِ بیہوش | از سوختگی چو دیگ درجوش

شب تا سحر از صبح تا شام | در گوشۂ غم نگیرم آرام
باشم زبرائے نفسِ خود را | پیشِ چو خودے ستادہ برپائے
تا خوے نزود زپائے تا سر | دستم نشود ز آبِ کس تر
مزدے کہ دہند منتِ داد | واں رنج کہ من برم ہمہ باد
چوں خر کہ علف کشد بزاری | ریزند جوش و لے بخواری

باوجود اس کے خسرو کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ خمسہ نظامی کے بعد انھیں کا خمسہ جگہ پاسکا۔ حالانکہ جلال فراہانی، خواجو کرمانی، عماد فقیہ کرمانی۔ مولانا کاتبی۔ ہاتفی وغیرہ وغیرہ سبھوں نے طبع آزمائیاں کیں لیکن اہلِ زبان ہونے پر بھی خسرو کے مقابل نہ ہو سکے۔ اس پر بھی اگر کسی کو خسرو کا کمال نہ دکھائی دے تو اس کا کیا علاج۔ خسرو علیہ الرحمۃ نے مثنوی قران السعدین میں اس کا بہت ہی اچھا فیصلہ کر دیا ہے

باز کسے را کہ حسد رہ زند | زخمہ دریں رہ نہ یکے۔ دہ زند
جس کی راہ حسد نے مار رکھی ہو | وہ ایک چھوڑ دس اعتراض کرے گا
گر بمثل صد ہنر آرم زغیب | ہیچ نگاہے نکند۔ جز بہ عیب
مثلاً اگر میں سو ہنر کی باتیں پیدا کروں | تاہم حاسد عیب کی ہی طرف نظر کرے گا
صد سخنِ راست نگیرد بہ ہیچ | یک رقم کژ کند انگشت پیچ
سو اچھے شعر اُس کے نزدیک بے قدر ہیں | لیکن سقم ایک بھی ہو تو اُسے انگشت نما بنائے گا

گر بہ از من ست گہر سفتنش | عیب بود عیب کساں گفتنش
اگر اُس کی سخن طرازی مجھسے بہتر ہے | تو دوسروں کی عیب چینی خود اُس کے لئے عیب ہے
ور کم ازیں مایہ رسیدش زغیب | طفلِ رہِ ماست ز طفلاں چہ عیب
اور اگر اُس کا کلام مجھسے پست ہے | تو وہ ابھی اس راہ میں بچہ ہے بچوں کے کا بُرا ماننا کیا

الحمدللہ کہ اُن مضامین سے فرصت ملی جن کی ترتیب علاوہ تنقید ہشت بہشت کے فقیر کے متعلق کی گئی تھی مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُس جناب کا اسے مقبول وپسندیدہ فرمائے جس کے کلام وکمال کا نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں اُس بزرگ ومخلص کی دُعا کا خواستگار ہوں جس کی پیہم سرگرمیوں نے مجھ جیسے کاہل وناکارہ کو بھی معطل نہ چھوڑا۔ فجزاہ اللہ عنی خیر الجزاء۔

مثنوی ہشت بہشت

مثنوی کی بنا اور اُس کے ادوار

باخبر رہروان علم سے یہ امر مخفی نہیں کہ رودکی نے سب سے پہلے مثنوی کی بنیا درکھی - فردوسی نے اوس پر ایک شان دار عمارت قائم کی - مولٰنا نظامی رحہ نے اوس محل کو آراستہ اور نقش ونگار سے پیراستہ کیا - امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سو برس بعد اوس پر ایسی نظر افروز قلعی چڑھائی جسے دیکھکر اِن سے بعد آنے والے شعرا اپنی طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے عہد میں اِس بات کی کوشش کی کہ اس محل دلکشا میں کہیں میرا کمال بھی آویزاں ہو جائے - لیکن اہل معانی وسخن شناس با انصاف جانتے ہیں کہ اُن اہل کمال کی تمنائیں کہاں تک سرسبز ہوئیں ؎

المنۃ للہ کہ حق بیں ہیں یہ آنکھیں　　احسان خدا کا کہ یہ دل گھر ہے خدا کا

مثنوی ہشت بہشت

اِس وقت پیش نظر امیر علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت ہی جو آپ کے خمسہ میں باعتبار ترتیب تصنیف سب سے آخر دور کی پر جوش صہباے عرفان کا پیمانہ ہی - جیسا کہ خود اِس کتاب میں ہم نشین علیٰ کی زبان سے فرماتے ہیں ؎

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف　　تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

امیر صاحب نے اس مثنوی کو ۷۰۱ھ میں تحریر فرمایا ہی - اوس وقت

آپ کی عمر اکیاون سال کی تھی۔ کل اشعار اِس کے تین ہزار تین سو پچاس ہیں جیسا
کہ اِن اشعار سے ظاہر ہی ؎

همه بیتش بگاه عرض شمار | سه صد و پنجه آمد و سه هزار
سال هجری یکے و هفصد بود | کیں بنا بر دسر بچرخ کبود

بحر اس کی خفیف مسدس مخبوں مقصور ہے۔ یعنی فاعلاتن مفاعلن فعلات یوں
تو شاعر کے آخر عمر کا کلام سابق کے کلام سے پختگی و برجستگی صفائی و استواری میں
بڑھ کر ہوتا ہی ہے لیکن امیر صاحب نے کوشش بھی کی ہی کہ اس کتاب میں شاعری
حد کمال تک پہونچ جائے۔ فرماتے ہیں ؎

کوششِ کیں خط چناں نگاری چیست | کہ فزوں آید از چہار نخست
کاولیں نکتہ گرچہ چیست بود | آخریں بہتر از نخست بود

چنانچہ جب یہ مثنوی تمام ہو چکی تو امیر صاحب نے اوس کو ویسا ہی بہتر و برتر پایا
جیسا کہ اون کی تمنا تھی۔ اپنی اس کامیابی کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں ؎

گر بود ناقدِ خزانۂ راز | داند اندیشۂ مرا پرواز

مثنوی بمقابلہ دیگر اصناف نظم کے

اِن جزئیات کے بعد دو باتوں کا بیان کر دینا نہایت ضروری
سمجھتا ہوں۔ اوّل یہ کہ شاعر مثنوی لکھنے کے قابل کب ہوتا
ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کون سے محاسن ہیں جن سے مثنوی کی آرائش تمام ہوتی
ہے۔ امر اوّل کے متعلق ارباب تحقیق کی یہ رائے ہے کہ شاعر مثنوی اس وقت

لکھتا ہے جب کلام پر اوس کو پوری قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی واقعہ کو نظم میں بیان کرنا وزن و قافیہ کا سبنھالے رکھنا شاعرانہ تخیل کو ہاتھ سے ندینا برائے بیت الفاظ کا داخل نہونا اور ربط کلام پر خیال رکھکر مسلسل واقعات کا بیان کرنا نہایت ہی اہم و معرکۃ الآرا ہے۔ اسلیئے مثنوی نظم نگاری میں اعلیٰ درجہ کا فن شمار کیا جاتا ہے۔ امر دوم کے متعلق سخن سنجوں کی یہ رائے سدید ہی کہ چھ باتیں ہیں جو مثنوی کے لیئے ستّہ ضروریہ کہی جاسکتی ہیں (۱) آداب سخن کی پاسداری ونگہداشت (۲) قافیہ کا ردیف کے ساتھ دست وگریبان ہونا اور صحت قوافی کا لحاظ (۳) شاعرانہ علم کلام اور قیاس شعری کی قوت (۴) کسی خاص مضمون کو طرق مختلفہ سے بیان کرنا۔ مثلاً آفتاب کا طلوع و غروب صبح و شام کی جلوہ آرائی۔ گلوں کے قہقہے۔ بلبلوں کے چہچہے۔ معشوقوں کے سراپا کے مرقعے۔ عشاق کی مجبوری و حرماں نصیبی کے نقشے۔ ہمکناری کے شوق۔ ہم آغوشی کے ذوق وغیرہ وغیرہ (۵) صنایع و بدائع لفظی و معنوی و مراعات النظائر (۶) سب سے آخر مگر سب سے اہم تسلسل ہے۔ یعنی واقعات کے سلسلہ کی کوئی کڑی نکلنے نہ پائے جس شخص کا بیان ہو اوس کی حیثیت و شان کا لحاظ ابتدا سے انتہا تک قایم رہے۔ شعرا نے مثنوی کے لیئے جو بحریں اختیار کی ہیں وہ سب چھوٹی بحریں ہیں قافیہ چھوڑکر دو تین لفظوں میں مصرعہ پورا ہو جاتا ہے اب شاعر کا کمال یہ ہے کہ اونھیں دو تین لفظوں میں واقعہ نگاری۔ سخن آفرینی اور

کلام کی سلاست و روانی کا جوہر دکھا دے۔

مثنوی ہشت بہشت کا درجہ

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت اس وقت پیش نظر ہے
اِن نکات کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔یہی وجہ ہے کہ زبان دا

ہو کر جب کسی اہل زباں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں تو کتنے اہل زبان ہیں جنکو اپنے دامن کی ہوا بھی پانے نہیں دیتے۔آپ کی مثنوی ہشت بہشت تمام اُن محاسن سے آراستہ ہے جو مثنوی کے زیور قرار دیے جائیں۔لیکن واقعات کے تسلسل اور استقصاے جزئیات میں ایسی کامل ہے کہ بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس وصف خاص میں کوئی مثنوی اس کی ہمسری کا دعوی کر نہیں سکتی چاہے متقدمین کی ہو یا متاخرین کی۔یہ مثنوی بھی اپنی سابق کی چار مثنویوں کی طرح سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے معنون ہے۔فلسفہ تاریخ سے آشنا جب عہد علائی پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے اور پھر اس مثنوی کو پڑھتا ہے تو نصیحت گری کا یہ انوکھا طرز اور تنبیہ و بیداری کا جدید پر لطف سبق دیکھکر بے اختیار کہہ اوٹھتا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اِس تمہید کے بعد مقصود یہ ہے کہ مثنوی کے جن محاسن کا بیان مجملاً ہوا۔اور جنکے متعلق ہشت بہشت میں پایا جانا کہا گیا اُن امور کی تفصیل و تمثیل مثنوی ہشت بہشت کے اشعار لیکر کر دیجاے۔ہر چند مثنوی ہفت پیکر مولنا نظامی کے ساتھ ساتھ اگر اشعار کی خوبی بیان کی جاتی تو لطف مزید حاصل ہوتا۔لیکن یہاں صرف خسرو

کی شاعری کا کمال دکھانا ہے کہ اِس کتاب میں آپ نے کہاں تک قادر الکلامی کی داد دی ہے اور مثنوی کا حق کس حد تک ادا کیا۔ رہا حضرت نظامی کی ہفت پیکر سے مقابلہ اُس کا بیان آیندہ آئیگا اگرچہ خسرو جیسے باکمال وجامع شاعر کے کمال شاعری کا اظہار مجھ جیسے بے بضاعت کے لئے درخور حوصلہ نہیں ہو سکتا ؎

دامانِ نگہ تنگ وگل حسنِ تو بسیار — گلچینِ بہار تو ز داماں گلہ دارد

مگر محض بخیال امتثال امر جا بجا سے گلہاے مضامین لیکر ایک گلدستہ طیار کیا جاتا ہے خدا اسے مقبولیت عطا فرماے ؎

الٰہی رنگِ تاثیرے کرامت کن فغانم را — بموجِ اشکِ بلبل آب دہ تیغ زبانم را

مثنوی ہشت بہشت کے قصے

جو قصہ کہ اِس مثنوی میں منظوم ہوا ہے وہ بہرام گور (شاہ ایران) کی عیش پرستی کا ہے مولنا نظامی نے بھی اسی داستان کو ہفت پیکر میں بیان کیا ہے۔ بہرام گور کے متعلق تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس نے دیار عرب میں تربیت پائی تھی اور عربوں ہی کی گود میں اِس کا نشو ونما ہوا تھا۔ بہادر تھا شجاع تھا صید وشکار کا شوقین تھا لیکن طبیعت عیاشانہ پائی تھی جس پر ایران کی آب ہوا سے بہار رچھا گئی تھی۔ اہل روم سے اُس کے کئی معرکہ ہوئے۔ میدان مصاف کی بارہا گرما گرمی نے اُس کے جوہر شجاعت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ ہندوستان سے اُس کا تعلق تھا

چنانچہ ہندوستان کی ایک عورت اُس کے پاس تھی جس کے شمع حسن کا وہ پروانہ تھا۔ یہی عورت اُس کے ساتھ صید و شکار میں بھی رہتی تھی اور غالباً یہی دلارام ہے۔ شکار کا شوقین تو تھا ہی اتفاقاً ایک روز کسی گورخر کا تعاقب کرتے ہوئے ایک کوئیں میں آرہا اور اوسی جگہہ خود موت کا شکار ہو گیا۔ تاریخ میں بہرام کے متعلق جو کچھ ہے اوس کا خلاصہ اسی قدر ہے۔

مولنا نظامی نے ہفت پیکر میں چند ابواب خسرو سے زیادہ قائم کئے ہیں جن میں خاقان چین سے بہرام کی جنگ و فتح کا ذکر ہے۔ کہیں اُس کے شیر مارنے کی تعریف کہیں اُس کے اژدہا مارنے میں بہادری کا تذکرہ۔ کچھ وہ واقعات ہیں جو اُسے مالک تخت و تاج ہونے میں پیش آئے ہیں غرض چھوٹے چھوٹے پندرہ بیس عنوان انہیں جزئیات میں ہیں۔ پھر اُن کے ذیل میں کہیں کوئی حکایت آجاتی ہے اور کہیں کوئی تمثیل۔ ان عنوانوں کے علاوہ وہ سارے ابواب ہفت پیکر میں موجود ہیں جو ہشت بہشت میں ہیں صرف مدح شیخ کا ایک عنواں (جیسا کہ عموماً خسرو کی مثنویوں میں ہوا کرتا ہے) اس مثنوی میں بھی موجود ہے ہفت پیکر میں نصیحت کا مخاطب بیٹا ہے اور ہشت بہشت میں بیٹی باقی تمام بیان ایک ہیں خسرو کی کتاب ہشت بہشت میں حسب ذیل اکیس ابواب ہیں۔

حمد[1]۔ نعت[2]۔ معراج[3]۔ تعریف[4] بادشاہ۔ خطاب[5] بسوے بادشاہ۔ سبب[6] تالیف نصیحت[7] بدختر۔ صفت[8] دلارام و شکار[9] بہرام۔ رنجیدن[10] بہرام و گذاشتن دلارام

آراستہ[11] شدن محل بہرام۔ گنبد مشکیں[12]۔ گنبد زعفرانی[13]۔ گنبد ریحانی[14]۔ گنبد گلناری[15] گنبد بنفشجی[16]۔ گنبد صندلی[17]۔ گنبد کافوری[18]۔ وفات بہرام[19]۔ خاتمہ[20]۔ شکر گزاری[21] حق تعالیٰ۔ خسرو علیہ الرحمۃ بہرام گور کی داستان اِس طرح شروع فرماتے ہیں کہ بہرام کو گورخر کے شکار کا بہت ہی شوق تھا سوائے اُس کی ران کے اور کسی طرح کا گوشت پسند نہیں کرتا تھا۔ بغیر شکار گورخر اُسے چین نہیں پڑتا تھا۔

دلارام اوس کی معشوقہ ساتھ ہوتی تھی ایک روز کسی خلاف طبع امر پر خفا ہو کر بہرام نے اوس کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ دلارام ایک گاؤں میں پہونچکر نغمہ سرائی سیکھتی ہے اور اوس کمال کی وساطت سے پھر بہرام کی معشوقہ بنتی ہے۔

بہرام کے وزیر دانا نے جب بہرام کا انہماک صید و شکار میں حد سے زیادہ دیکھا تو اوس نے اوس کے لئے ایک قصر عالیشان بنوایا۔ جس میں سات گنبد تھے گنبد کی رونق کا سامان یہ کیا کہ ہفت اقلیم کے بادشاہوں کے پاس عاقل و مدبّر اشخاص شاہانہ تحائف کے ساتھ بھیجے اور اون سلاطین سے بہرام کے لئے اون کی لڑکیوں کی استدعا کی۔ قاصد کامیاب واپس آئے۔ ہر اقلیم کی شاہزادی ساتھ ساتھ لائے۔

وزیر نے ایک ایک گنبد میں ایک ایک شاہزادی کو جگہ دی۔ بہرام ہر رات ایک شاہزادی کے ساتھ ہم خواب ہوتا ہے۔ نیند آنے کے لئے شاہزادی سے کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے وہ شاہزادی معذرت کرتے ہوئے پہلے

بہرام کو دعائیں دیتی ہے پھر قصہ شروع کرتی ہے اِس طرح اس میں سات قصے ہیں۔

ہر گنبد کا رنگ جداگانہ ہے جو شاہزادی جس گنبد میں ہے اوس کا لباس بھی گنبد ہی کے رنگ کا ہے۔ خود بہرام کا لباس بھی گنبد کی رعایت سے ہر شب نئے رنگ کا ہوتا ہے۔

جس روز جس گنبد میں جاتا ہے اوس میں ستارہ کے رنگ کا بھی لحاظ ہے اہل نجوم کے یہاں سبع سیّارگان اپنا اپنا رنگ خاص رکھتے ہیں۔ کوئی سیاہ ہے کوئی سرخ۔ کوئی سبز اور ہفتہ کے ہر سات ایام یعنی شنبہ، یکشنبہ وغیرہ اونھیں سیّاروں سے اپنا اپنا علاقہ رکھتے ہیں۔ غرض گنبد کے رنگ کی مناسبت کہیں نہیں چھوڑی گئی ہے آخر کار بہرام کا گورخر کے شکار میں ایک کوئیں میں گر کر مرجانا ہے اور داستان کا خاتمہ ہے۔

مولنا نظامی نے بھی ان سارے واقعات کو بعینہ بیان فرمایا ہے لیکن وہ سات قصے جو شاہزادیوں نے کہے ہیں وہ دونوں کتابوں میں جداجدا ہیں۔

خسرو کے قصص سب اون کی قوت متخیلہ کے نتیجے ہیں۔ قصے فرضی ہیں لیکن اسلوب بیان ایسا ہے جس سے فرضی واقعی معلوم ہوتا ہے برخلاف اسکے مولنا نظامی کے یہاں اسرائیلیات بھی داخل ہیں جن کے ہونے سے نہونا اچھا تھا۔

مولانا نظامی کے یہاں اثنائے قصے میں نصائح کا سلسلہ بھی آجاتا ہے جس سے کہیں کہیں داستان کا تسلسل جاتا رہتا ہے لیکن خسرو کے یہاں کوئی ایسا مضمون بیچ میں نہیں آتا ہے جس سے تسلسل میں کہیں بھی ربط جاتا رہے

داستان گوئی بجائے خود ایک بڑا فن ہے لیکن ہر عہد میں اس کا خاص طریقہ رہا ہے اوس زمانے میں اکثر قصے طلسم و جادو و دیگر وہمیات سے کامل ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے میں قصہ و داستان کا جو مذاق ہے اوس کو اب سے چھ سو برس قبل تلاش کرنا فضول ہے یہ تو اپنے اپنے زمانے کا مذاق ہی اوس عہد اور اوس دور ایّام میں قصص جسقدر محال و دور از عقل ہوتے سامع کی دلچسپی اوسی قدر زیادہ ہوتی۔

ہفت پیکر کے قصص اسرائیلیات کے سوا جو ہیں اوس عہد کی قصہ خوانی کے وہ صحیح نمونے ہیں خسرو علیہ الرحمۃ نے ہشت بہشت کے قصص کو دائرہ امکان میں لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ قصے ایسے دلچسپ لکھے ہیں اور جزئی سے جزئی باتوں کو بھی اس تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ قصے جیسے کہ خسرو کے زمانہ سے میں دلچسپ تھے آج بھی اون کی وہی دلچسپی ہے۔

ہشت بہشت کے بعض قصے مغرب کے داستان نگاروں نے بھی پسند کئے اور اون کا ترجمہ انگریزی میں شائع کیا مثلاً بہشت دوم کا جو قصہ ہے وہ انگریزی فسانوں میں بھی موجود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح

خسرو کی شاعری بلند پایہ رکھتی ہے اوسی طرح داستان نگاری اور اُسکی تکمیل و ترتیب میں بھی اونھیں کمال ہے۔

حمد باری تعالیٰ کی حمد میں شاعر عموماً اسماے حسنیٰ اور صفات الٰہیہ کی توضیح کیا کرتا ہے۔ اپنی قوت شاعری سے مضمون کو پھیلا کر اور طرح طرح کے نکات بیان کرکے داد سخن دیتا ہے۔ اب خوبی و کمال اس میں یہ ہے کہ حمد کا مضمون صفائی و چستی کے ساتھ اِس طرح بیان کیا جاے کہ قریب الفہم ہو اور سخن گذاری کا پیرایہ موثر ہو۔ ساتھ ہی اس کے کوئی تلمیح یا نکتہ تعبیہ کھکر اہل علم کے لیے ضیافت کا خوان بچھایا جاے تو نورٌ علیٰ نور۔

قدرت کا بیان

اِس وقت مثنوی مذکور کی حمد میں سے اسی قسم کے چند اشعار لیکر اون کی توضیح کی جاتی ہے۔ خسرو اوس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ہرچہ نتواں زپادشاہی کرد ۔۔۔ کردی و میکنی و خواہی کرد

سطوت و جلالت قوت و طاقت شاہی سب کو معلوم ہے۔ ان چیزوں کا ایک ناقص و ادنیٰ نمونہ جب چند دنوں کے لیے کسی کو سلطان ذیجاہ بناتا ہے تو تنگ ظرفی کے سبب کاسۂ پر غرور میں ایسا سودا سماجاتا ہے کہ دائرہ امکان و حدوث سے قدم باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیگر ابناے آدم اپنے ضعف و کمزوری سے اوس کے غرور و پندار کو امر واقعی تسلیم کرکے اوس خیال باطل کو اور بھی راسخ

کر دیتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے اور واقعات اِس وقت تک اوس کی تصدیق کرتے ہیں کہ تھوڑیسی قوت وقدرت جہاں انسان کو عطا ہوئی بس اوس نے خدائی کا دعویٰ کرکے اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلیٰ کا علم بلند کیا۔ رعایا و برایا اپنی بدعقلی وکم فہمی کا ثبوت دیتے ہوے اوس کی خدائی کا اقرار کرنے والے بھی ہوئی۔

عہدعتیق میں نمرود کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے مناظرہ کرنا اس کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ احیا و اماتت کی حقیقت سے ناآشنا وجاہل اپنے زعم باطل کے بموجب کہہ ہی اوٹھا کہ اَنَا اُحْیِی وَاُمِیْتُ حضرت ابراہیم خلیل نے بحث کا پہلو بدلکر یوں تقریر فرمائی اِنَّ اللّٰہَ یَأتِی بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ یعنی اللہ تعالیٰ سورج کو پورب سے نکالا کرتا ہے تو اوسے پچھم سے نکال۔ اِس کا معارضہ وہ نہ کرسکا اور مبہوت ہوکر رہگیا۔

اگرخسرو اللہ تعالیٰ کے اوصاف بادشاہی کو پورے زور کے ساتھ چندابیات میں بیان بھی کرتے تو یہ شان ظاہر نہوسکتی تھی۔ اور منکر کو بھی کج بحثی کا موقع رہ سکتا تھا اب اس ایک شعر کی بلاغت قابل ہزار داد ہے۔ کس خوبی سے نمرود کے پورے واقعہ کی تلمیح موجود ہے اور کیسی مُسکت دلیل سے مخلوق پرستوں کی لب بندی کی ہی سلطنت کی قوت وقدرت تسلیم کرتے ہوے اوس کی بیمقداری اور ایک محدود دائرہ تک محدود زمانہ کے لئے اوس کا اثر کس طرح ثابت کیا ہے۔ اوس پر ایک چھوٹے سے مصرعہ "گردی ومیکنی وخواہی کرد" نے ازمنہ ثلثہ کا احاطہ کرکے ازل سے ابد

تک اوس کی قدرت کا اظہار کر دیا جس کا دعویٰ تو کسی سے ہو بھی نہیں سکتا۔

کمال صنعت

حرفِ انگشت چوں زتست بہشت
کس بحرفِ تو چوں نہد انگشت

وسوسہ شیطانی منکر اللہ سے صنعت باری میں عیب جوئی کرانا چاہتا ہے۔ خسرو نے ایک ہی دلپذیر شعر میں یہ بتا دیا ہے کہ جن قوا و اعضا سے کہ تم اس بے ادبی کا ارتکاب کیا چاہتے ہو وہ بھی اوسی کی مخلوق ہے۔ اُسی کے حکم نے ایک مدت معینہ تک اون کو تمہارا مطیع بنا رکھا ہے۔ جن انگلیوں سے اپنے زعم باطل میں تم اوس کے عیوب کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہو آخر یہ تمہاری مخلوق و پیدا کردہ تو ہیں نہیں ان میں احساس و حرکت کی قوت تمہاری خلق کردہ تو ہے نہیں پھر ایسا کرنا کیا سخت کفران نعمت نہو گا۔ کمال صنعت الٰہی کے بیان کرنے کا کیسا موثر پیرایہ ہے۔

ایجاد و انعدام

تو نگاری زخاک صورت پاک
تو توانیش باز کردن خاک

صانع کا کمال یہ ہے کہ جس طرح بنانے پر قادر ہو اوسی طرح بگاڑنے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ یوں تو اس عالم کون و فساد میں پہاڑ سورج چاند وغیرہ بہت سی بڑی بڑی چیزیں ہیں جن کے متعلق قدرت کا اظہار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان چیزوں کا نیست کرنا جب ہو گا تب ہو گا۔ یہ چیزیں کن کن عناصر سے مرکب ہو کر رونق

بخش عالم ہوئی ہیں یہ تحقیق جب ہوگی تب ہوگی۔ مگر خاک سے پاکیزہ صورتوں کا پیدا ہونا اور چند روز تک اپنی بہار دکھا کر ایک غیر محسوس طریق پر نسیت ہوجانا تو رات دن کا مشاہدہ ہے اور یہ عبرت کے لئے زود اثر ہے باعتبار دور کی چیزوں کے۔ اپنے اور اپنے سے قریب کی چیزوں میں غور و فکر کرنا زیادہ مناسب ہے ؎

احسان مانو حسن خداداد کا بتو　　　پتھر تھے تمکو شیشے سے نازک بنا دیا

وفی انفسکم افلا تبصرون انسان کی پیدائش خاک سے ہے۔ گل بوٹے بھی خاک ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ سے کچھ ہوکر پھر خاک ہوجاتے ہیں۔ قیاس خطابی کا ایک عظیم دفتر صرف ایک شعر میں موجود ہے۔ نبات حیوان انسان ان کی بدایۃ ونہایۃ ان کا عروج ونزول ان کا عود الی المرجع ذرا چشم بصیرت سے اگر مطالعہ کیا جائے اور پھر یہ شعر پڑھا جائے تو شاعر کی قادر الکلامی کا پورا لطف حاصل ہو

ترغیب طاعت اور انعام الٰہی

بندگاں را زبندگی شب و روز　　　خواجگی بخش و بندگی آموز

بندگی سے خواجگی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے اس کو تو وہی سمجھیگا جس نے عبودیت کا مزہ چکھا ہوگا ؎

دو کار ست با فرد فرخندگی　　　خداوندی از تو ز ما بندگی

خسرو نے اِس شعر میں بندگی و عبادت کی ترغیب جس دل آویز پیرایہ میں بیان کی ہے اوس کا لطف تو ارباب ذوق سلیم ہی پا سکتے ہیں۔ لیکن الفاظ

جہاں تک مدد کر سکتے ہیں وہ گزارش ہے۔ غور کیجئے وہ کونسا دل ہے جس میں خواجگی و سرداری کی تمنا نہیں۔ انسان تمام عمر جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں و پریشان رہتا ہے وہ یہی خواجگی ہے اور غلط راہ روی کے سبب سے اکثر و بیشتر فرزند آدم صحیح معنوں میں خواجگی پانے سے محروم رہے اور رہتے ہیں پس امیر صاحب کا حمد میں یہ فرمانا کہ یہ بھی تیری شان کریمی کا صدقہ ہے جو بندوں کو بندگی سکھا کر تو خواجگی بخشتا ہے۔ جہاں ایک پاکیزہ الفاظ میں حمد الٰہی و ذکر نعمت جلیلہ ہے اوسی کے ضمن میں بندوں کو بندگی کی رغبت اور صحیح راہ خواجگی کی طرف رہبری بھی ہے ؎

خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد　　　　که بستگان کمند تو رستگارانند

نعت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں شعرا نے عجیب وغریب لطائف پیدا کئے ہیں۔ آپ کے معجزات آپ کے فضائل و کمالات کا شاعرانہ انداز سے بیان کرنا ہر ایک سخنور کے لئے تاج کرامت رہا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی جو جدّت پیدا کی ہے وہ تمام متاخرین کے گلدستہ نعت میں گل سرسبد ہے۔ چند اشعار اس کے ملاحظہ ہوں۔

میم کا نکتہ

میم احمدؐ که در احد غرق ست　　　　کمرِ خدمت از پئے فرق ست

احمدؐ اندر احد کمر بندست　　　　یعنی ایں بندہ آں خداوندست

احمدؐ یا محمدؐ صلی اللہ وآلہ وسلم کی میم سے شاعروں نے بعد امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے طرح طرح کے نکات پیدا کئے۔ جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

محمدؐ کش قلم چون نامور ساخت — زمیمش حلقۂ طوق و کمر ساخت

خود امیر صاحب دوسری جگہہ ایک اور طرز سے نکتہ سرا ہوئے ہیں ؎

میم احمد را گزیدہ بعد ازاں — خاتم مہر نبوت ساختہ

ان سب نکات سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرداری و سروری کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے لیکن یہ نکتہ کہ آپ بندہ ہیں اس کی طرف یہ میم کیونکر اشارہ کرتی ہے اس کو امیر صاحب نے دکھایا ؎

تہی دست سلطان پشمینہ پوش — گدائی خرو بادشائی فروش

جس طرح خسرو سے پیشتر کسی شاعر نے میم کے نکتہ کو بیان نہ کیا۔ اوسی طرح امیر صاحب سے بعد کے شعرا اس سے بہتر یا اس کے برابر نکتہ پیدا نہ کر سکے۔

انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری

پایۂ قدرش آسمان پیوند — سایۂ نورش آفتاب بلند

ایک حدیث شریف میں وارد ہے لَمْ یَکُنْ لَہٗ ظِلٌّ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ دوسری حدیث حضرت جابر سے یوں منقول ہے یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ قَبْلَ کُلِّ الْاَشْیَاءِ یعنی مرتبہ ایجاد میں اولیت نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اور تیسری حدیث اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ

نُورِی یعنی میں نورِ الٰہی سے منوّر ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے مستنیر ہے ان حدیثوں کی تلمیح اس شعر میں جس طرح واقع ہوئی ہے وہ امیر صاحب کے صاحب فن ہونے کی دلیل ہے۔ مطلب شعر کا نہایت واضح ہے کہ آفتاب وغیرہ جتنی منور اشیا ہیں سب آپ کی ذات پرانوار سے اکتساب ضیا کرتے ہیں ہ

اوست خور و صبح و بیست آفتاب
صبح زخورشید بود نوریاب

اس بنا بر آفتاب آپ کے نور کا سایہ ٹھیرا۔ تو جب سایہ آفتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے اور آفتاب خود سایہ آپ کے نور کا ہے تو آپ کا سایہ کہاں سے آئے آفتاب بلند میں ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ ہر چیز کا سایہ زمین پر گرتا ہے لیکن آپ کا سایہ اوپر ہے پس اوس کو کوئی زمین پر کیونکر دیکھے۔ اس سے ایک لطیف اشارہ علو مرتبہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہے یعنی اگر آپ کا سایہ دیکھنا چاہتے ہو تو نظر کو بلند کرو۔ جب فلک چہارم تک نظر کی رسائی ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھنے میں آئے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ آفتاب باوجود اس کے کہ فلک چہارم پر ہے لیکن اپنی روشنی و گرمی سے عالم سفلی کو فیض پہونچا رہا ہے۔ اسی طرح وہ ذات گرامی باوجود اوس شان عظمت کے جو خالق نے اوسے عطا فرمائی ہے تمام عالم علوی و سفلی کو جو اوس سے بدرجہا اودن و پست ہیں نعمتوں سے مالا مال فرما رہی ہے۔

ہستی ازوے علم برآوردہ　　　　او تفاخر بہ نیستی کردہ

نعت میں اس شعر کا خسرو علیہ الرحمۃ کے قلم سے نکلنا مبدء فیاض کے فیض خاص کا نتیجہ ہے۔ فی الحقیقت کمال بندگی یہی ہے کہ بندہ اپنے کو معبود حقیقی کے مقابل میں نیست سمجھے۔

ع با وجودت زمن آواز نیاید کہ منم۔ اور کمال عشق یہی یہی ہے کہ عاشق معشوق کے مقابل میں فنا ہو جائے ع زندہ معشوق ست عاشق مردہ۔ پس بفحوائے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ اگرچہ باعث وجود کل کائنات آپ ہی ٹھیرے لیکن چونکہ آپ کا دنیا میں تشریف لانا رشتۂ عبدیت و معبودیت کو صحیح اور سچے طریقہ سے جوڑنا تھا اور عبدیت اوس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک فنائے کلی کا مرتبہ حاصل نہو۔ ان باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے، امیر صاحب کا نعت میں یہ فرمانا کہ "او تفاخر بہ نیستی کردہ" کیسا بلیغ و پر معنی مصرعہ ہے۔ صاحب معرفت کے لئے دوسرا نکتہ یہ بھی ہے کہ اعلیٰ مرتبہ اوسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ مرتبہ ادنیٰ فنا ہو جائے۔ مثلاً علقہ یعنی وہ کیڑا جس سے انسان پیدا ہوتا ہے اوس کی اپنی صورت نوعیہ جب فنا ہوئی تو اوس سے ایک اعلیٰ صورت انسانی کا اوس پر فیضان ہوا طفل شیر خوار کا ہر روزہ نمو اسی کا مشعر ہے۔ کہ ادون کے فنا سے اعلیٰ کا حصول ہے

پس درآور کارگہ یعنی عدم　　　　تا بہ بینی صنع و صانع را بہم

اس لئے وجہ تفاخر ظاہر۔ لیکن یہ ایک صوفیانہ رمز ہے۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے شیخ نے فنا کے مراتب طے کرا کے نیست و نیستی کی لذت سے آشنا کیا ہو فتدبر و تشکر۔

منقبت اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین

دوستانِ دگر گزاں حمعبند صبح را نور و شام را شمعند

صبح کی روشنی آفتاب سے ہے۔ اِس لئے اصحاب رضی اللہ عنہم آفتاب ٹھیرے۔ صبح کے لئے نور اور شام کے لئے شمع مناسب رعایت ہے اس منقبت میں نکتہ یہ ہے کہ دن کا وقت کاروبار کے لئے ہے اور رات کا وقت عبادت کے لئے زیادہ مناسب کیونکہ یکسوئی خوب ہوتی ہے۔ پس امت دن کو کاروبار میں اور رات کو عبادت میں اون سے ہدایت پاتی ہے۔ دین و دنیا کے لئے اصحاب کا مقتدا ہونا رات دن کی رونق بلکہ اُن کے بقاے وجود کا سبب اون نفوس قدسیہ کے فیضان کو قرار دینا اصحاب کی عظمت اور تعلیم محمدی کی جامعیت و اہمیت کو بتاتا ہے۔ صرف ایک شعر میں اصحاب کرام کی سیر کن منقبت لکھنا امیر صاحب ہی کا کام ہے۔

مدح شیخ طریقت

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ میں جو حق شناسی و سپاس گذاری کا جوہر ودیعت کیا گیا تھا اوس کی چمک آپ کی تصانیف میں لعلِ شب چراغ ہے اسی بنا پر آپ کی مثنویوں میں ایک عنوان مستقل مدح شیخ طریقت کا ہر مثنوی نگار سے زیادہ ہے۔ جس سے مقصود اظہار امتنان

وتشکر ہے۔

پیر کی مدح میں فرطِ محبت دائرہ اعتدال سے اکثر کو باہر کر دیتی ہے۔ مناقب و مدائح کا مطالعہ کرو تو اکثر ایسا پاؤ گے کہ اگر ممدوح کا نام نہ لیا جائے تو مناقب کبھی تو نعت سے اور کبھی حمد سے ٹکر کھا جاتے ہیں بادشاہوں کی مدح میں رُوسا وارکین دولت کی شان میں جو قصائد لکھے گئے ہیں (اور خاصکر متاخرین کے قصائد) اُن میں اسی ستم نے کلام کو بے جان کر دیا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ میں یہ کمال ہے کہ اون کی طبع سلیم سر مو دائرہ ادب سے تجاوز نہیں کرتی جیساکہ حمد نعت منقبت ہر ایک کے لئے الفاظ خاص ہیں اور ہر ایک کے مراتب خاص ویسا ہی اس کا نمایاں فرق کلام خسرو کی ممتاز خصوصیت ہے اور یہی بیان کا کمال ہے ورنہ اگر خصوصیت اوٹھا دی جائے تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے۔ غرض شیخ طریقت کی مدح میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ حفظ مراتب کا بے مثل درس ہے اور کمال ولایت کا اظہار جن اوصاف سے کیا ہے وہ ولی شناسی کا حقیقی وصحیح معیار ۔ تمہید منقبت کو دیکھو کس طرح ادب سے مزیّن ہے ؎

چوں من از خوانِ نعتِ خواجہ خویش — نعمتِ تازہ یافتم در پیش

زلہ کردم ازاں رقاقے چند — تاکنم توشۂ ابد پیوند

گندمی بود زلہ آدم را — خوانچہ نیز پورِ مریم را

زلۂ کز رسولِ والا بود — نہ کم از آدم و مسیحا بود

کنم اکنوں ازاں نعیمِ جلال خوانچہ مدحِ شیخ مالا مال

تمہید میں پاسِ ادب دیکھ چکے۔ اب بیان مدح میں ایک ولی کی کس کمال پر مدح ہوسکتی ہے اس کو ان مدحیہ اشعار میں دیکھو۔

رہنما کی تعریف اور وصی کی شناخت

غوث عالم نظام ملّت و دیں قطب ہفت آسمان و ہفت زمیں

رہبرِ پیش ہیں محمد نام زدہ پے بر پۓ محمد گام

پاک روح الٰہی بدینِ قوی زندہ دار شریعت نبوی

سبحان اللہ و جزاہ اللہ اپنے قلم میں وہ قوت کہاں سے لاؤں جس سے ان اشعار کی خوبی اس طرح صفحہ قرطاس پر کھنچ جاے کہ محاسن کا ہر خط و خال سامنے آجائے بہر حال دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ کمال رہبری کا کیسا اظہار کرتا ہے ارباب عقل کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ رہبر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ باکمال جسے منزل مقصود کی راہیں معلوم دشواریوں پر اطلاع خطرات و مہالک سے واقفیت اون تدابیر کا عالم جن سے خطرات و موانع کا اثر نہ آنے پاے ایسا رہبر اپنے علم و بصیرت سے رہبری کرتا ہوا خطرات و مہالک سے بچاتا ہوا موانع کو ہٹاتا ہوا اپنے پیچھے آنے والوں کو سلامتی کے ساتھ اونکے مقاصد تک پہونچا دیتا ہے۔ جیسا ایک ماہر ناخدا۔ کہ وہ سمندر کی راہوں سے واقف مقام خطر سے آگاہ۔ مہالک سے بچ کر نکل جانے کی اوسے سبیل معلوم۔

دوسرا وہ ناقص رہبر جسے نہ راہ معلوم نہ خطرات کا علم لیکن ہر طرح کے خطرات پر غالب آنے کی قوت اوسے حاصل۔

تیسرا وہ مدعی باطل کہ نہ راہ کی خبر نہ دشواریوں کا علم نہ اون کے اندفاع کی قدرت نہ مقصد کا تعین۔

ان اقسام ثلثہ کو مدنظر رکھتے ہوے اس مصرعہ کو پھر پڑھو۔ ع

رہبر پیش بیں محمد نام

رہبر کی صفت پیش بیں کیسی واقع ہوئی ہے اور منازل سلوک طے کرانے پر اوس کی کیسی قوت کا اظہار ہے اب دوسرا مصرعہ پڑھو جس سے یہ معلوم ہو جاے گا کہ یہ صفت اوس رہبر کو کیونکر حاصل ہوئی۔ اور اوس کی رہبری حتمی منزلِ رساں کیوں ہے۔ ع

زد پے بر پئے محمد گام

جس کا قدم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہو اوس کی رہبری حتمی منزل رساں کیوں نہو۔

اب تیسرے شعر کو دیکھئے جس حدیث کی تلمیح ہے اوس کے بیان کا کہاں موقع ہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ حقیقی تصوف اور صحیح فقر منغز شریعت سے لذت آشنا ہونا اور سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیکر مجسم بن جانا ہے اُمت کا کمال ہی یہ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوس کا شعار و دثار

بن جائے۔ جسقدر امت کا اتّباع کامل اوسی قدر اوس کی توحید مضبوط مفہوم الوہیت صحیح عرفان کامل۔ حق جل مجدہ کی محبت سچی و واقعی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

مثنوی نگار کا یہ کمال ہے کہ جس شے کی تعریف کر رہا ہو۔ اُس کے بیان توصیف کرلئے ایسے الفاظ لاے جو اوس کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں اور یہ اوس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک بیان کرنے والے کا علم خود اوس کے تمام رموز و نکات سے آشنا ہو۔

یہ کمال خسرو علیہ الرحمۃ کے بیان میں ہر جگہہ نمایاں پاؤ گے جس کی ایک کھلی مثال اشعار مذکورہ ہیں۔

کیمیا سنجِ کورۂ مقصود ۔۔۔ کردہ حل جملہ نقدہاے وجود

دلش از عشق خون و دیدہ پر آب ۔۔۔ این ست کبریتِ احمر آن سیماب

کمال عشق اور قوت تکمیل

سالک کا سلوک ابتدا میں لازم ہوتا ہے پھر ایک مقام و وقت ایسا آتا ہے جہاں پہونچکر وہ اپنے منازل عروج بھی طے کرتا رہتا ہے اور دوسروں کی بھی دستگیری و رہبری کرتا ہے یعنی اپنی ذات سے کامل اور دوسروں کے لئے مکمل۔ جیسا کہ علوم متداولہ پڑھنے والے ابتدا میں پڑھنا شروع کرتے ہیں اور پھر ایک خاص استعداد علمیہ جسے فراغ تحصیل سے تعبیر کیا جاتا ہے جب اُنھیں

حاصل ہو جاتی ہے تو اپنی تحصیل و ترقی کے ساتھ دوسروں کے جہل مٹانے اور
اُنپر نقش علم جمانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔
ان اشعار میں شیخ کے وجود کو کامل و مکمل جن بلیغ استعاروں میں کہا ہے اوس
پر غور کرو تو لذت عشق مزہ دے جاے گی۔ کورہ مقصود کا کیمیا سنج کہنا کیسا نادر
نکتہ ہے۔ کیمیا گر کیا کرتا ہے مس یعنی تانبا لیتا ہے اوس کو صاف کرتا اور گلاتا ہے
جب اوس کے کثیف وردی اجزا گل کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور قابلیت طلا کی
طرف مستحل ہونے کی پیدا ہو جاتی ہے تو اُس وقت اجزاے کیمیاوی ڈال کر
کندن بنا دیتا ہے۔
خسرو علیہ الرحمۃ اپنے پیر دستگیر شیخ طریقت (رضی اللہ عنی بجرمتہ) کے
کامل و مکمل ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ مقاصد میں جو اغراض فاسدہ
وہواے نفسانیہ کی آمیزش ہو گئی ہے جس سے حقیقی مقصد نہاں ہو گیا ہے
اور جس تک پہونچنا اصل کمال ہے یہ مجسمۂ کمال و تکمیل پہلے اوسے غل وغش
سے پاک کرتا ہے یہاں تک کہ مقصد حقیقی کی دلکش تصویر متعین ومشہود
ہو جاتی ہے۔ اب کہ اوس میں قابلیت پیدا ہو جاتی ہے تو اجزاے کیمیاوی
کبریت احمر اور سیماب جو اوس کے پاس ہیں اون کا ایک ذرہ اوس میں ڈالکر
خالص طلا بنا دیتا ہے۔
اِس کیمیا سنجی کے لئے جسے اجزاے کیمیاوی قرار دیا ہے اوس کی خوبی ایک

اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے کبریت احمر یعنی گوگرد سرخ طلا کے لئے اکسیر ہے اسی طرح عشق حقیقی عاشق کی روحی ترقیات کے لئے اکسیر ہے علاوہ اس کے عشق کی آگ مشہور ہے خود گوگرد بھی آتش انگیز چیز ہے پس جو دل کہ عشق کے باعث خون ہو گیا ہو اوس کی تشبیہ بہ رعایت صوری و معنوی کبریت احمر کے ساتھ نہایت نادر تشبیہ ہے۔ دوسری تشبیہ اس شعر میں اشک کی سیماب سے ہے اشک کو قرار نہیں ہوتا رو کو تو رک نہیں سکتا ع

ابھی روکا تھا ان اشکوں کو پھر باہر نکل آئے

سیماب کی بے قراری ضرب المثل ہے نیز کشتۂ سیماب اکسیر ہے عشق کی رعایت سے اوس کے سب لوازم جمع ہو گئے کیمیا گری کا بھی نسخہ ہاتھ آ گیا۔ عشق الٰہی سے دلکو سوختہ کرو کیمیا کا یہ بے خطا نسخہ ہے ؎

سیماب کشتہ ہوئے تو مس کو طلا کرے | دل جس کا کشتہ ہو وہ خدا جانے کیا کرے

برادران طریقت کی مدح

داں مریدانِ رہروانِ یقیں | ہر یکے والئے ولایتِ دیں

ہمہ شیطاں کش و فرشتہ خدم | در رہش بر ہوا نہادہ قدم

زندہ دارِ شب از دمِ تسبیح | غلغل افگندہ در رواقِ مسیح

ہر سوا زشینِ شرع ساختہ تاج | دلِ شاں عرش و سجدہ شاں معراج

ان اشعار میں اپنے برادران طریقت کی خسرو علیہ الرحمۃ نے مدح فرمائی ہے جو بالواسطہ

شیخ کی ہی مدح ہے۔ مرید کا کمال شیخ کے اثر فیض کا نتیجہ ہے پھر جس کمال کا اظہار ہے وہ وہی عبودیت، شریعت کی پابندی، راتوں کی بیداری سجدہ میں نیازمندی وخاکساری۔ آخر شعر میں ان دو حدیثوں کی تلمیح کہ قلب المومن عرش اللہ اور الصلوٰۃ معراج المومنین۔

شیخ کی مدح ختم ہوئی خاتمہ پر جس تذلل وعجز کا اظہار مخلصانہ دعا میں فرمایا ہے وہ خاکساری وشکستگی، باہمی مودت واتحاد قلبی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

دعا اور باہمی اتحاد

سکۂ وحدت بنامِ ایشان ست　　　بندہ خسرو غلامِ ایشان ست

نامِ من زاں ستودہ کیشان باد　　　حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

نصیحت بسلطان علاءالدین خلجی

شعرا نے اپنے بادشاہ وقت کو نصیحت کی ہے خسرو نے بھی نصیحت کی ہے لیکن علاوہ اور نصیحتوں کے امیر خسرو نے بادشاہ وقت کو خود اس کے نفس سے ڈرایا ہے اور یہ ایک عجیب جامع و نادر نصیحت ہے شعرا عموماً بادشاہوں کو دشمنوں کے غلبہ سے مظلوموں کی آہ سے پرہیزگاروں کی بددعا سے غرور وتکبر کے نتائج بد اور ازیں قبیل اور بلاؤں سے ڈراتے ہیں۔ شاہان سلف کے حالات سے عبرت گیری کی نصیحت کرتے ہیں لیکن یہ نصیحت کہ محافظ وپاسبان تو روپے کے بندے ہیں تم ہوشیاری کو اپنا پاسبان بناؤ اور آپ اپنے محافظ رہو کہ یہی بہترین حفاظت ہے۔ تمہاری

غفلت سے بڑھ کر کوئی تمہارا دشمن نہیں۔ اس کو وضاحت کے ساتھ خسروؒ نے بیان کیا ہے۔ امیر خسروؒ نے دیکھا کہ عیش و تنعم میں پڑ کر جو غفلت پیدا ہوتی ہے یہی بدترین دشمن زوالِ سلطنت کا اصل باعث ہے۔ بادشاہ اگر غافل نہ ہو تو پھر نہ مظلوموں کی آہ ہے نہ ابرار کی بد دعا۔ اِس لئے بادشاہ کو اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں ؎

ورچہ کس نیست دشمنِ تنِ تو — غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو
ورچہ صد پاسباں بود از پس — پاسِ تو بہ ز تو ندارد کس
بر چنیں پایہ کاستواریِ تست — پاسبانِ تو ہوشیاریِ تست
پاسبانیکہ بہر مزد بود — پاسبان نے کہ سیم دزد بود

بادشاہ میں اگر دو صفتیں ہوں تو قیام سلطنت کے لئے کافی ہیں یعنی عدل اور شجاعت۔ عدل کو تو جیسا چاہیے اوروں نے بھی بیان کیا ہے لیکن بزدلی کے نتیجہ کو دکھا کر شجاعت کی ترغیب امیر خسروؒ جس خوش اسلوبی سے دیتے ہیں ملاحظہ ہو ؎

چوں در آئی بصفِ تیغ زناں — از تزلزل کشیدہ دار عناں
لشکرے کز عدو فرار کند — چوں بسلطاں رسد قرار کند
لیکن ار شہ نعوذ باللہ تافت — کے فراہم شود صفے کہ شگافت
شاہ کوہے بود بسنگِ وقار — جنبشِ او قیامت آرد بار

آخر شعر میں اس نکتہ کو بھی ملاحظہ کیجیے کہ بادشاہ جب کوہ ہے اور میدان جنگ سے اوس کا بھاگنا قیامت تو قیامت کے روز جو کوہ کا حال ہوگا وہ معلوم ہے۔ جو نصیحتیں کہ خسرو نے علاءالدین کو کی ہیں اور جس بے جگری سے کی ہیں وہ خسرو کی حقانیت کا عجیب نمونہ ہیں علاءالدین خلجی کا عہد تاریخ میں پڑھو تو تمہیں معلوم ہو کہ کس جبروت کی یہ سلطنت کرتا تھا۔ یہ خسرو ہی کا کام ہے جنھوں نے ہر مثنوی میں نصیحت کی ہے اور اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ علاءالدین کی بدمستی کا ایک نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مغلوں کی شکست اور ظفر خاں کی موت علاءالدین کے لئے بہت ہی از دیاد مسرت کا باعث ہوئی۔ مزید برآں مہمات ملکی تو بر تو بادشاہ کے حسب مراد ہونے لگیں جس سے علاءالدین آپے میں نہ رہا دیکھتا تھا کہ اقبال بڑھ بڑھ کر اوس کی قدم لے رہا ہے ہر طرف سے فتح نامے آرہے ہیں ہر سال دو تین بیٹے مشکوے معلّی میں پیدا ہوتے ہیں سارے مصالح ملکی دل کے حسب خواہش سرانجام پا رہے ہیں خزانے ہیں کہ پے در پے پہونچ رہے ہیں روزانہ جواہر و مروارید طبلوں میں بھرے جا رہے ہیں فیل خانوں میں ہاتھی کھڑے جھوم رہے ہیں ستّر ہزار گھوڑے شہر کی پایے گاہ میں بندھے ہنہنا رہے ہیں ایک چھوڑ دو دو تین تین اقلیمیں زیر قدم ہیں۔

بادشاہ اس جاہ و حشم کو دیکھ دیکھ مست ہو رہا تھا۔ دور دور کی سوجھنے لگی تھی

اور نئی نئی تمنائیں بیچین کرنے لگی تھیں۔ ایسے ایسے سودے پکانے لگا جو کبھی کسی سلطان کے دماغ میں ہرگز نہ سمائے تھے۔ نہایت مستی و بے خبری و غایت رعونت و غفلت اور کثرت جہل و بلادت سے دست و پا گم کر کے ناممکنات و محالات میں اندیشہ کرنے لگا ؎

دیکھنا کثرت بلا نوشی   کاسۂ آسماں ہے جام مرا

بے علم تو تھا ہی نہ لکھنا جانے نہ پڑھنا۔ مزاج کا بھی بدخو۔ طبیعت کا بھی سخت دل کا بھی قسی جوں جوں دنیا زیادہ ملتی جاتی تھی اور مقصد بر آتے تھے وہ اور بھی بے خبر اور مدہوش ہوتا جاتا تھا خدا اور رسول سب کو بھول بیٹھا ؎

بامِ فلک پہ آدم خاکی کو لے اُڑا   آیا کبھی جو ران تلے بادپائے عیش

اپنی مجلسوں میں بار بار کہنے لگا کہ مجھے دو مہمیں پیش آئی ہیں اون کی اودھیڑبُن میں لگا ہوا ہوں اوّل یہ کہ خداوند تعالیٰ نے جس طور سے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو چار یار دیے تھے کہ اون کی قوت و شوکت سے وہ دین و شریعت جاری ہوئی جس سے آپ کا نام نامی قیامت تک باقی رہے گا۔ اور آپ کے بعد جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا اور سمجھتا ہے وہ اپنے کو آپ کی اُمّت و ملّت میں تصوّر کرتا ہے اوسی طور سے اللہ تعالیٰ نے مجھکو بھی چار یار دیے ہیں ایک الغ خاں دوسرا ظفر خاں، تیسرا نصرت خاں، چوتھا الپ خاں۔ ان کو میری دولت سے بادشاہوں جیسی قوت و شوکت میسر ہوئی ہے اور یہ ایسے ہیں کہ اگر میں چاہوں

ان چاروں کی قوت سے ایک دوسرا دین و مذہب جاری کر سکتا ہوں اور میری اور میرے یاروں کی تلوار کے زور سے خلق وہ راہِ روش جس کو میں جاری کروں اختیار کر سکتی ہے۔ اور اس دین و مذہب سے میرے اور میرے یاروں کے نام جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے یاروں کے نام قیامت تک رہینگے رہ سکتے ہیں۔ پھر کیوں نہیں میں بھی ایک دین و مذہب نیا قایم کروں۔ غرض قیامت تک اپنا نام باقی رکھنے کے لیئے اسی طرح کے خیالات کفریہ اسکے دماغ میں چکر لگاتے اور حضار مجلس سے پوچھا کرتا کہ کس طرح سے ایسی بات کروں جس سے میرا نام قیامت تک رہ جائے اور جس چیز کو میں جاری کر جاؤں میرے بعد بھی خلق اس پر معمول رہے دوسری مہم اس کی یہ تھی کہ سکندر وار جہانگیری کروں اور ربع مسکوں کو اپنے تصرف میں لاؤں ؎

وہ بات کر جو کبھی آسماں سے ہو نہ سکے　　ستم کیا تو بڑا تو نے افتخار کیا

دوسری مہم کا دیباچہ تو شروع بھی کر دیا تھا اپنے کو خطبہ و سکہ میں سکندر ثانی لکھوانے لگا تھا ؎

بخت پر نخوت نہ کر اس کا نہیں کچھ اعتبار　　چار دن مہمان ہے دو دن رہے مس جانئے

اب ناظرین خود بھی غور کرلیں کہ ایسے بادشاہ کو دینداری، مسکین نوازی، ضعفا پروری، عدل گستری کی نصیحت کرنی خدا کا خوف دلانا، قیامت کی بازپرس کی طرف متوجہ کرنا کیا آسان ہے؟ اور طرفہ یہ کہ اُسی بادشاہ کی سرکار میں جب کہ بحیثیت ملازم ہوں لیکن بادشاہوں کو نصیحت کرنی جس قدر خطرناک ہے وہ ظاہر ہے۔ ایاز قدر خود بشناس اِس لیے آخر میں فرماتے ہیں ؎

من کیم کت زنم ز پند نفس　　دولت و بخت پند گوے تو بس

هست بیدار کردنِ بیدار | ہمچو باراں برُوے دریا بار
نیز دربِ کردنِ بادام | نہ حلاوت لبشیرہ دادنِ وام
لیکن آرد بحضرتِ شاہی | ہر کسے قدرِ خود ہوا خواہی
گر پذیری مراحبتِ احسان ست | ور گزاری خود از در آسان ست

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آپ کو نصیحت کرنی حکمت بہ لقمان آموختن ہے۔ لیکن خیرخواہی سلطنت کی راہ سے میں نے اپنی عقل کے مطابق تحفۂ ناچیز پیش کیا ہے۔ آپ کریم ہیں قبول فرمائیں۔ نصیحت کے وقت مخاطب کے اوصاف کا بھی اعتراف کرنا اور یہ کہنا کہ آپ خود عاقل و فرزانہ ہیں۔ ہماری نصیحت کی ضرورت نہیں۔ میں تو ایک محقر تحفہ پیش کرتا ہوں یہ آپ کا کرم ہے کہ اسے شرف قبول بخشیں۔ دلدہی اور قبول نصیحت کے لیے اس سے زیادہ موثر پیرایہ نہیں ہو سکتا۔ قطع نظر اس سلاست و بلاغت اور حق گوئی کے جو ان اشعار میں ہے رموز سلطنت و مزاجدانی سلاطین میں امیر صاحب کا کیسا کمال ثابت ہوتا ہے۔ یہ نصایح صاف بتا رہے ہیں کہ امیر صاحب کی مصاحبت سے سلاطین کو وہی فیض پہنچتا تھا جو سکندر کو ارسطو جیسے وزیر سے حاصل تھا۔ خوش نصیب تھے وہ سلاطین جن کے دربار کی رونق ایسے امیر سے تھی۔

نصیحت بدختر نیک اختر

شعرائے سلف کی تصنیف صرف شاعری کا آب و رنگ نہیں ہے۔ بلکہ گوناگوں افادات کا ایک خزانہ ہے جسے بحور و قوافی سے مخفی کر دیا گیا ہے تاکہ اہل اُسے ہٹا کر اگلوں کی کمائی سے لامال ہوں اور نااہل کا ہاتھ اس کے پانے سے محروم رہ جائے اُنہیں مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے کلمات جو عموماً سامع کو خوشگوار نہ گزرتے اُن کے لیے اُن پاک نفسوں نے ایک باب نصیحتِ فرزند کا قایم کیا۔

باپ اپنی بیٹے کو سب کچھ کہہ سکتا ہی اور ہر لب و لہجہ میں کہہ سکتا ہی لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کی جدتِ طبع بیاں بھی اپنا جوہر دکھاتی ہی یعنی بجائے اس کے کہ نصیحت کا مخاطب اولادِ ذکور کو قرار دیتے اس کتاب میں آپ نے دخترِ نیک اختر کو مخاطب فرما کر کچھ نصیحتیں کی ہیں جس سے بہت بڑا سبق تعلیم و تربیت کا طبقہ اناث کے لئے حاصل ہوتا ہی اور ایک شریف بہو بیٹی کو یہ معلوم ہو جاتا ہی کہ وہ کون سے ہنر و سلیقہ کے زیور ایسے ہیں جو فی الحقیقت شریف عورت کو مزین کر دیتے ہیں اس طرح یہ صنفِ نازک بھی خزانہ خسروی کے عطیات سے محروم نہ رہی۔

نصیحت سے پہلے ایک عجیب دلکش مباحثہ ہی جس کا ممنون طبقۂ اناث ہمیشہ رہیگا۔ یعنی اس امر پر کہ لڑکی بھی فرزند ہی اور شفقتِ پدری کی اُسی قدر یہ بھی مستحق ہی جسقدر کہ فرزند نرینہ دلائل قایم کیے ہیں اور پھر جس شاعرانہ قوت سے یہ ثابت کیا ہی کہ نعماے الہیہ میں سے ایک بہت بڑی نعمت لڑکی کا وجود ہی وہ آپکے قیاس شعری کی قوت اور قوت محاکات کا زبردست ثبوت ہے۔

محاسن بیان میں صنعتِ التفات جس طرح کہ متکلّم کے کمال کا ثبوت ہی اُسی طرح شاعر کی نظموں میں اس نوعیت کے صنایع حسنِ نظم کو اوچار چاند لگانے والے ہیں۔

خسرو علیہ الرحمتہ اس صنعت کا نمونہ جس زوربیان اور حسن اسلوب سے اس جگہ پیش فرماتے ہیں وہ دلکش اور سراپا اثر ہونے میں اپنی نظیر آپ ہی۔

عام طبیعتیں ولادتِ دختر سے نفور رہتی ہیں اور لڑکوں کی ولادت کی متمنی و آرزومند۔ اُسی کراہت کا نتیجہ ہی کہ بہت سے ملکوں میں لڑکیوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا اور میراثِ پدری سے بالکل بے نصیب کر دی جاتی ہیں۔

بدقسمتی سے بہت سی آبادیاں ایسی آج بھی موجود ہیں جن میں خود مسلمان اسی مہلک مرض میں

مبتلا ہیں ہادیِ مطلق اُنھیں ایمان کامل عطا فرمائے تاکہ وہ اپنی میراث کتاب اللہ کے موافق تقسیم کریں۔ خیر یہ تو ایک جُداگانہ بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ لڑکی جہاں پیدا ہوئی بس والدین پر خجالت و تاسف کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ بجائے اولاد ہونے کی مسرت کا فوراً کثر دلوں کا ملال زبانوں تک آجاتا ہے کہ لڑکی پیدا ہوئی گھر خالی ہوا۔

خسرو علیہ الرحمۃ اس خیال باطل کا اس انداز خاص سے رد فرماتے ہیں کہ سطحی نظر رکھنے والوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ حضرت امیر بھی اونھیں میں سے ہیں لیکن نظم کے صنائع و بدائع سے جو واقف ہے وہ بیان کی خوبی دیکھتا ہے اور لطف سخن سے سر دھنتا ہے۔ داد دیتا ہے لیکن اُس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ دیکھو۔ قبل اس کے کہ اصلاح کی باتیں شروع کریں اپنے کلام کو زیادہ موثر کرنے کے لئے پہلے اپنے آپ کو عوام الناس کی سلک میں منسلک کرتے ہیں اور ٹھیک اوسی طرح جیسا کہ ایک عامی ولادت دختر سے دل تنگ ہو جاتا ہے خسرو علیہ الرحمۃ بھی کراہت کا اظہار کرتے ہیں اور اس مبالغے سے اس داستانِ الم کا نقشہ ایک شعر میں کھینچتے ہیں کہ جس سے زیادہ متصور ہو نہیں سکتا۔

فلسفہ جذبات اور شکسپیر کے ڈرامے سے مثال

اس مقام و کلام کا لطف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے فلسفہ جذبات کا محققانہ مطالعہ کیا ہوگا۔ ایسی حالت میں جبکہ ایک مجمع مخالف کے سامنے اون کے خیال باطل کا رد مقصود ہو تو اونھیں راہ صواب پر لانے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ اون کے

جذبہ فاسد سے فساد کا اندفاع اور اونھیں امر حق کی طرف متوجہ کرنے کا زیادہ موثر پیرایہ کون سا ہی؟ اپنے کو پہلے اون کا ہمدرد ثابت کرنا یا اختلاف کا ابتدا ہی سے اظہار؟

انگریزی خواں اصحاب جنھوں نے شکسپیر کے ڈرامے عموماً اور جولیس سیزر کا خصوصاً مطالعہ کیا ہوگا، اونھیں یہ نکتہ یاد ہوگا کہ سیزر کے قتل کے بعد اوس کا دوست انٹنی جب بلوائیوں کے سامنے پہونچتا ہے تو کس انداز سے تقریر کا افتتاح کرتا ہے۔ بروٹس کے افعال کا کس طرح ذکر کرتا ہے۔ تھوڑی تقریر کے بعد یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ بروٹس ایک شریف آدمی ہے۔ حاضرین آہستہ آہستہ اپنی غلطی اور بروٹس کی شرارت کا احساس کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جوش سے مجمع لبریز ہوجاتا ہے اور انٹنی کا مدعا اُنھیں بلوائیوں کے ہاتھوں سے پورا ہوتا ہے۔ شاعر کی اسی صنعت و کمال کو اشعار ذیل میں دیکھو۔

خسرو اور زبان عوام کی ترجمانی

اے زعفت فگندہ برقعِ نور　　　　ہم عفیفہ بنام ہم مستور
ماہت از ہفت بر نرفتہ ہنوز　　　　روشنی چوں مہ چہاردہ روز
کاش ماہِ تو ہم بچہ بودی　　　　در رحم طفل ہشت مہ بودی

فی الحقیقت کمال شاعری یہ ہے کہ فطرت انسانی پر فلسفیانہ نظر ڈال کر جذبات انسانی کا ایسا نقشہ کھینچا جائے جسے لوگ حیرت زدہ ہوکر نقوش و خطوط کے

فوٹو میں ہو بہو دیکھیں۔ پہلا اور دوسرا شعر فطری جذباتِ پدری کا نقشہ پیش کرتا ہے اور تیسرا شعر اوس جذبے کا پتہ دیتا ہے جو دون ہمتی وخیال فاسد نے پیدا کر دیا ہے۔ اس لطف کو دیکھو۔

بیٹی کا وجود اگرچہ جاہلانہ وپست خیالات سے مکروہ وقابل نفرت معلوم ہوتا ہے لیکن جوش خون وعلاقہ جزئیت کچھ دلی میلان کا بھی سراغ دیتا ہے۔ اوّل ودوم اشعار میں اوسی شفقت پدری کا اظہار فرماتے ہیں اوس کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہیں اپنی اولاد ہے اس سے اوس کی صورت ایسی پیاری اور حسین معلوم ہوتی ہے کہ چودھویں رات کا چاند اوس کے مقابل میں ماند ہے یہ سب کچھ ہے لیکن بیٹی ہے جب یہ خیال آتا ہے تو باپ کہتا ہے کہ کاش تو پیدا نہ ہوتی۔ داغ لاولدی اس داغ سے بہتر تھا۔ اور اگر تیرا استقرار حمل میں ہو گیا تھا تو اٹھوانسی ہوتی یعنی آٹھ مہینے بعد پیدا ہوتی تا کہ جلد مر جاتی یہ ایک مشہور تجربہ ہے کہ آٹھ مہینے کا بچہ بچا نہیں کرتا اسی لئے ہندوستان کی عورتیں آٹھواں مہینہ زبان پر لانا بھی پسند نہیں کرتی ہیں اور اسے منحوس وشگون بد سمجھتی ہیں اِس کا اظہار اَن گنا کہہ کر کیا جاتا ہے۔ دیکھو ایک طرف تو اون جذبات کا اظہار ہے جو باپ میں بحیثیت باپ ہونے کے پایا جاتا ہے دوسری طرف اوس کراہت ونفرت کا نقشہ ہے جو جہالت وتاریکی دماغ کا نتیجہ ہے۔

یہاں تک شاعر نے عوام کی زبان بن کر اون کے دونوں جذبات کی تصویر کشی

کی۔ اب اوس کی التفات کروٹ لیتی ہے اور ایسی تدریجی حرکت کرتی ہے کہ اوس کی ہر جنبش میں سابق سے زیادہ قوت کا اظہار نمایاں ہوتا ہے۔

صلاح عوام اور صنعت التفات

لیک چوں دادۂ خدائے رواست | با خدادادگان ستیزہ خطاست
من پذیرفتم انچہ یزداں داد | کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم بہرچہ از دراوست | کان دہد بندہ راکہ درخوراوست
ہرچہ او داد بس پسندیدہ است | ہم دراول صلاح او دیدہ است

اشعار مذکورہ بالا میں صلاح عوام میں ترقی جس آہستگی سے کی گئی ہے اور اوس کراہت کا جس طرح آہستہ آہستہ اندفاع کیا گیا ہے وہ کس قدر دلپذیر و پرتاثیر ہے۔ شاعر پہلے شعر میں یہ کہتا ہے کہ بیٹی کی ولادت ناگوار و مکروہ سہی لیکن کیا کیا جائے خدا کی دی ہوئی چیز میں بندہ ستیزہ کرے یہ تو بڑی غلطی ہے پھر دوسرے شعر میں یہ کہتا ہے عطائے الٰہی رد نہیں کی جاسکتی بلکہ قبول کی جاتی ہے پس میں نے بھی قبول کیا۔ تیسرے شعر میں اسے نعمت سمجھتے ہوے اظہار تشکر و امتنان ہے چوتھے میں انتہائے پسندیدگی کی صدا ہے۔ سلسلۂ کلام پر غور کرو۔

پہلے ستیزہ پر تعجب پھر اوس کی قبولیت۔ اس کے بعد شکریہ آخر میں انتہائے پسندیدگی۔ اس قدر کمہ لینے کے بعد شاعر کا بیان ایک اور پہلو بدلتا ہے۔

گراں بہا دلائل سے صنفِ نازک کی اہمیت

پدرم ہم ز مادر ست آخر　　مادرم نیز دختر ست آخر
گر نہ بر در صدف نقاب شدے　　قطرۂ آب باز آب شدے
دانہ بے کشت کے ببار آید　　آسماں بے زمیں چہ کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم　　ق　چوں مسیحا ز مریم معصوم
لیک بے مادر خجستہ وجود　　ولدے را نگفتہ کس مولود

عورتوں کے وجود کی اہمیت اور صنف نازک کا بقاے بنی آدم میں عنصر قوی وغالب ہونا جس طرح کہ ان اشعار میں ثابت کیا گیا ہے فقیر کی نظر سے کوئی نظم یا نثر اس زور و قوت کے ساتھ دیکھنے میں نہیں آئی۔ بالخصوص آخری شعر جس میں قیاس تمثیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور مولود کہے گئے لیکن آج تک بغیر ماں کے کسی کو مولود نہیں کہا جا سکا۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ بغیر ماں کے مولود کا پایا جانا غیر ممکن اور بغیر باپ کے ممکن تو ماں یعنی عورت کا وجود افزایش بنی آدم میں باپ یعنی مرد سے زیادہ اہم وضروری۔ اگر مردوں کا وجود تمھیں عزیز ہے تو ان کی افزایش بغیر افزایش اُناث ناممکن ہے دوسرے شعر میں یہ کہتے ہیں کہ اگر پانی کو سیپ نہ ملے تو پانی پانی ہے لیکن سیپ جو بمنزلہ ماں کے ہے وہ چند دنوں میں اوس کی حقیقت بدل کر اوس مرتبۂ کمال پر پہونچاتی ہے جہاں پہونچکر تاج شاہانہ کی زینت اوس سے کی جاتی ہے۔ اسی

طرح ایک کیڑا بصورت علقہ یعنی جونک مادۂ منویہ کے ساتھ باپ کی صلب سے جدا ہوتا ہے اور رحم مادر کی بدولت اشرف المخلوقات اور تمام کائنات پر تصرّف کرنے والا اون سے خدمت لینے والا ہو جاتا ہے پس انسان کو کرامت انسانی جس کی بدولت نصیب ہوتی ہے کیا اوس کا وجود قابل نفرت وکراہت ہے؟ کیا یہ ناسپاسی منعم ومربی کے حق میں جائز ہوسکتی ہے۔ نہیں کبھی نہیں ہرگز نہیں

نصیحت کا شفقت آمیز حصّہ

ان دلائل کے بعد خسرو علیہ الرحمۃ بیٹی کو ایسے شفقت بھرے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں جس کا ایک ایک لفظ محبت والفت پدری میں ڈوبا ہوا ہے جس طرح ایک وہ باپ خطاب کرتا ہو جس کے ہر رگ وپے میں اسلامی تعلیم سرایت کرگئی ہو اور اپنے پیغمبر کا اسوۂ حسنہ اوس کے دل پر نقش نگیں بن گیا ہو حقوق اولاد سے واقف ہو اور شفقت پدرانہ اپنے اوپر فرحت بخش وروح افزا فرض جانتا ہو۔

اے تنت را بجانِ من پیوند 	که ہم مادری وہم فرزند
تو بدیں مایہ کز قضا داری 	گرنہی پا بدیدہ جا داری
سربرآر از مبارک اختر خویش 	کہ مبارک تری ز جوہر خویش
آنچہ نقش تو با صلاح من ست 	چوں تو خون منی صلاح من ست

یہاں پہونچکر یہ بیش بہا مضمون ختم ہوتا ہے لیکن اس تائید میں کہ خسرو علیہ الرحمۃ

لڑکی کے وجود سے اندوہگین نہ تھے اور ان باتوں سے اپنے دل کی تسلی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصلاح عوام مقصود ہے۔ اگر اس موقع پر وہ اشعار جو خمسہ کی اوّل مثنوی مطلع الانوار میں موجود ہیں نقل کر دیے جائیں تو ناموزوں نہ ہوگا۔

مطلع الانوار سے تائید مزید

اے رُخِ تو چشم و چراغ دلم	خوب تریں میوہ زباغ دلم
گرچہ کہ اخواں چو تو نیک اختراند	نے ز تو در دیدہ من بہتراند
گاہ تماشا بدلِ باغباں	سرو ہماں باشد و سوسن ہماں
دختر اگر نیست پسر کے شود	بے صدفِ تازہ گہر کے شود
بخت کہ فالِ تو ہمایوں نہاد	نام تو مستورۂ میموں نہاد

دیکھو اشعار مطلع الانوار میں کہیں نام و نشان بھی اوس نفرت کا نہیں ہے اسلئے کہ وہاں محض اپنی لڑکی کو نصیحت مقصود ہے۔ ابتداہی اس شفقت سے فرماتے ہیں کہ تو میرے آنکھوں کی نور دل کا سرور باغ دل کا اچھے سے اچھا میوہ ہے تیرے بھائی بھی گو نیک اختر اور میرے جگر کے پیوند ہیں لیکن میری نگاہوں میں تجھ سے بہتر نہیں ہیں۔ اور ایسا کیوں نہو۔ باغبان جب اپنے ہرے بھرے لہلہاتی باغ کو دیکھتا ہے تو سرو سوسن دونوں کی تازگی اوس کے لئے یکساں نظر افروز و تفریح بخش ہوتی ہے۔

اب اگر اتنی تفصیل کے بعد بھی کوئی یہ کہے کہ نہیں خسرو علیہ الرحمۃ بھی مثل عوام

تنگ حوصلہ و تیرہ خیال اشخاص کے ولادت دختر سے دل تنگ ہوئے اور ناقد کی تقریر شاعر کے شعر کی تاویل ہے تو اس سخن فہمی کا کیا جواب۔

اِس شاندار و مرصع تمہید کے ختم ہونے پر نصائح کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جسمیں کمال نکتہ سنجی سے ایسی سودمند نصیحتیں کی ہیں کہ ہر نصیحت بجائے خود ایک زیور ہے۔ ارباب دانش سے یہ مراد پوشیدہ نہیں کہ نصیحت کرنے کے لئے تو ہر شخص آمادہ ہوجاتا ہے لیکن جو نصیحت کا حق ہے وہ ہر ایک سے ادا نہیں ہوتا۔ اس میں چند نکات بمنزلہ اصول ہیں جنھیں معمولی نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ مثلاً

خسرو اور نکات نصیحت

مخاطب کی ضروریات کا اوس کی شان وحیثیت کے موافق لحاظ رکھنا، افراط و تفریط سے نصیحت کا بری رہنا، وہ نصائح ایسے اصول پر مبنی نہوں جو ناصح کے خود تراشیدہ ہوں بلکہ اون کی بنیاد ایسے اصول پر ہو جو محقق و مسلم ہو چکے ہوں خطاب کے وقت اگرچہ ایک ہی فرد واحد مخاطب ہو لیکن نصیحت میں ایسی جامعیت ہو جو کل اجناس کے لئے یکساں مفید ہو۔

خسرو علیہ الرحمۃ کو جہاں دیوان فطرت سے بہت سی نعمتیں عطا ہوئی تھیں وہاں نصیحت گری کا سلیقہ بھی بہ تمام و کمال عطا ہوا تھا۔ یہاں چونکہ نصیحت کی مخاطب بیٹی ہے اِسلئے جو نصیحتیں کی ہیں اون میں طبقہ اُناث کی بہبود و صلاح کا کامل لحاظ کرلیا ہے۔ ایک شریف بہو بیٹی کے مخصوص فرائض کیا ہیں۔ وہ کون سی صفات

ہیں کہ اگر کسی عورت میں نہ پائی جائیں تو وہ اپنی صفات سے خالی و عاری سمجھی جائے گی اس کو واضح طور پر دکھایا ہے۔

عصمت و عفت کی تاکید

ان نصایح کی بنیاد ایسی مضبوط چٹانوں پر ہے جنھیں فرضی و ملمع تہذیب کے طوفان جنبش نہیں دے سکتے۔ خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گرچہ خردی کنوں و بے تمیز — روزے آخر بزرگ گردی نیز

تا بود در بزرگیت دستور — خردہ چند گومیت مستور

از عروسی شوی چو بر سر تخت — عصمتت خواہم اوّل آنگہ بخت

خلاصہ یہ کہ اے بیٹی اگرچہ اس وقت تو کم عمر اور چھوٹی ہے اور اپنے بھلے بڑے کی تجھے تمیز بھی نہیں لیکن آخر ایک روز جوان ہوگی پھولے گی پھلے گی اوس وقت کے لحاظ سے میں چند نادر باتیں کہتا ہوں تاکہ وہی باتیں تیری اوس زندگی میں دستور العمل ہوں۔

اے بیٹی خدا تجھے جب عروس بنائے تو اوس وقت کے لئے خدا سے میری یہی دعا ہے کہ بخت و اقبال سے پہلے عصمت کی دولت سے وہ تجھے مالا مال فرمائے۔

عصمت و عفت اگرچہ مرد کے لئے بھی ضروری ہے لیکن عورت کے لئے اوس سے بہت زیادہ ضروری۔ شریعت میں بے عصمتی کی سزا گو مرد و زن دونوں کے لئے یکساں و مساوی ہے لیکن عورت کی بے عصمتی سے خاندان و قبیلہ

پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے اوس کا اندازہ ہر شریف کرسکتا ہے۔

طاعت و عبادت

از من ایں آنچہ اوّلیں پندست | جہد بر طاعتِ خداوندست
تا توانی خدا پرستی کن | وز نیاز خداے مستی کن

بچوں کا پہلا مدرسہ جس کی تعلیم بہت ہی اثر کرنے والی ہے وہ ماں کی آغوش شفقت ہے اگر ماں خدا ترس و عبادت گذار ہے تو اولاد میں اللہ کی عظمت، عبادت کی رغبت بچپن ہی سے راسخ ہو جاے گی اور جوان ہو کر اپنے لئے، قوم کے لئے، ملک کے لئے اون کا وجود رحمت ہوگا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بغیر دینداری و خداشناسی ایک انسان انسان نہیں ہوتا بلکہ حیوانی زندگی بسر کرتا ہے۔

حیا و پردہ

پا بداماںِ عافیت در کن | رو بدیوار و پشت بر در کن
راہِ در کم کن از درونِ سرائے | ور مثل خضر در زند مگشاے
زن کہ در کوچہا بہ تگ باشد | زن نباشد کہ مادہ سگ باشد

عورتوں کے لئے حیا و شرم بہترین زیور ہے۔ اگر عورت میں حیا نہیں تو کچھ نہیں سیر و تفریح اور در بدر مارے پھرنا شریف زادیوں کو زیب نہیں دیتا ایسی باتیں گو ابتدا میں معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن انتہا میں اون کا نتیجہ حیا سوز نکلتا ہے یہ سب بری عادتیں ہیں۔

جھولا اور سرود

بازیچہ و دف کہ لعب زنان ست — بروے ایں چنیں بست آن رسن ست
دف شاں بہ ہر ایں دشمن و دوست — فتنہ را بانگ می زند در پوست
آنکہ اوّل سرود سادہ بود — در نہایت صلاے بادہ بود

شریف بہو بیٹیوں کے لیے جھولا جھولنا، طبلہ بجانا، نغمات و سرود سے جی خوش کرنا عیب ہے۔ ابتدا میں یہ تفریح طبع کا سامان ہے لیکن انتہا اس کی شرافت کی بربادی ہے

حد سے زیادہ بناؤ سنوار

درزن آرد دو فتنہ رسوائی — سیم پاشی و پیکر آرائی
بس عروساں کہ فتنہ جوے شدند — از سفیدہ سیاہ روے شدند
چوں شدی بہر ہفت و نہ در رنج — نقد عصمت فتاد در شش و پنج
ایں ہمہ فتنہا کہ ہست وبال — با رضاے حلال ہست حلال

بناؤ سنوار، زیبائش و آرائش اوسی انداز سے چاہیئے جتنا کہ اوس کے شوہر کو پسندیدہ ہو اور شرافت کی حدود میں ہو۔ ہر وقت پوڈر و غازہ ملنا ہمہ دم اپنی آرایش میں محو رہنا چاہے گھر بنے یا غارت ہو سخت عیب ہے۔ شریف عورتوں کی تزئین بھی ایک امتیازی شرافت رکھتی ہے۔ شریف زادیاں صاف ستھری رہتی ہیں، اچھے کپڑے پہنتی ہیں، آرایش بھی کرتی ہیں لیکن ان کی ہر ایک شان آبرو باختہ عورتوں سے صاف امتیاز رکھتی ہے۔

خانہ داری وکفایت شعاری

از عروساں خزینہ داری بہ　　راست گوئی وراست کاری بہ
مرد اگر یک قراضہ کار کند　　زن یکد بانوی ھزار کند
دل نگہبان رخت باید داشت　　گرہ خویش سخت باید داشت
چوں زشو خرچ زن فزوں باشد　　حال سامانِ خانہ چوں باشد

عورت کا کمال یہ ہے کہ گھر داری میں ایسا سلیقہ پیدا کرے کہ ایک روپے میں ہزار روپے جیسی عافیت وفراغت شوہر وبچّوں کو پہونچے بغیر مرضی شوہر ایک حبہ بھی خرچ نہ کرے عورت کے لئے سخاوت ہنر نہیں ہے بلکہ شوہر کی کمائی اور اوس کی دولت اوسی کے مطابقِ مرضی صرف کرنا عورت کا کمال ہے۔

ہنر ودستکاری

گرچہ زر باشدت فراخ نہ تنگ　　تا نداری ز دوک وسوزن ننگ
دوک وسوزن گذاشتن نہ فن ست　　کالت ۱۲تاہم پردہ پوشی بدن ست

عورتوں کا خاص ہنر چرخہ کاتنا اور کپڑا سینا ہے۔خبردار اس ہنر خاص سے غفلت نہونے پائے چاہے خدا تجھے اپنے فضل سے مالا مال کردے لیکن ہنر مندی سے بے پروائی نہو۔

ہر ایک نصیحت کو پڑھو اور اس پر غور کرو کہ خسرو یہ نصائح اپنے بیٹی کو فرمارہے ہیں اولاد سے زیادہ محبت کس کے ساتھ ہوگی جب ایک ایسا جلیل الشان باپ اپنی

بیٹی کے لئے ان اوصاف سے متصف ہونا پسند کرتا ہے تو وہ دوسری عورتوں میں بھی ضرور انھیں اوصاف کو ڈھونڈھے گا۔

امرا کا اثر متوسط و غربا پر

تجربہ اس پر گواہ ہے کہ افراد ہوں یا اقوام جہاں ان میں تمول آیا بس کاہلی و بے پروائی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ ادبار و نکبت ہے۔ خسرو اسی لئے بیٹی سے یہہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ رزق میں کشایش فرمائے اور فراخی دولت تجھے نصیب ہو تو اوس وقت بھی اون ہنروں سے غفلت نکرنا جو شعار عورتوں کا ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ امرا و اہل دول کا اثر آہستہ آہستہ اوسط و ادنی طبقہ پر بھی پڑتا جاتا ہے پس جب امرا کا گھر ایسا ہو کہ جہاں نہ گانا ہے نہ بجانا، نہ جھولا ہے نہ راگ راگنیاں نہ بناؤ سنوار ہے نہ بیہودہ اسراف بلکہ خانہ داری کا انتظام ہے اور بی بی کی سرگرمی۔ خود بی بی ہر طرح کا سلیقہ رکھتی ہو اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو محسوس کرتی ہو۔ علی الصباح اوٹھ کر دوگانہ فریضہ ادا کر کے تلاوت سے جب فارغ ہوئی ہو تو بچوں کے کپڑے درست کرتی ہو یا اپنا لباس بناتی ہو غرض خود کام کرتی ہو اور کام کرنے والوں پر نظر رکھتی ہو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود اوس گھر کا ساز و سامان درست ہوگا۔ اور اوس کا اثر اوسط و ادنی پر یہ ہوگا کہ وہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو عار نہ سمجھیں گے بلکہ بڑائی کی علامت خیال کریں گے۔ رفتہ رفتہ قوم کی قوم میں قوت عملیہ کو ایسی جنبش ہوگی کہ ہر جنس اور اوس کا ہر فرد اپنے اپنے

فرائض میں مصروف ہو گا۔

اس زمانے کے خوش حال طبقہ میں اپنا کسی طرح کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا عیب سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غربا و مساکین کا شعار ہے۔ عورتیں ہیں کہ ہنر و خانہ داری سے ہاتھ اوٹھا بیٹھی ہیں اوس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ شوہر روپیہ کماتے کماتے تھکا جاتا ہے لیکن گھر میں کسی کو آسایش نصیب نہیں۔ شاید خسروؔ کے عہد میں بھی امرا کے گھرانوں کا انھیں لغویات و باطل خیالات کی طرف میلان شروع ہو گیا ہو گا۔

نئی تہذیب کا اعتراض

بہر حال اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ نصیحتیں اسی قابل ہیں کہ ہر شریف بہو بیٹی انھیں اپنا دستور العمل بنائے۔ لیکن ہزار افسوس کہ اس دور تہذیب کے روشن خیال حضرات خسرو کی ایسی بیش بہا نصائح پر کہہ اوٹھے کہ "اوس زمانے میں عورتوں کی حالت نہایت پست تھی امیر خسرو اس قدر صاحب دولت و ثروت تھے لیکن بیٹی سے کہتے ہیں کہ خبردار چرخہ کاتنا نہ چھوڑنا اور کبھی موکھے کے پاس بیٹھ کر ادھر اودھر نہ جھانکنا" میرے دوستو۔ جوشِ تہذیب میں آکر اسلام کے مایۂ ناز بزرگوں کو اپنے مطاعن کا ہدف نہ بناؤ۔

ناصح کی شان کا علو

ذرا اس کو سوچو کہ یہ نصائح کس نے کئے ہیں۔ کس زمانے میں کئے ہیں نصیحت

کرنے والا کس دل و دماغ کا شخص تھا۔ اس کی خاندانی وجاہت کیا رتبہ رکھتی تھی علاوہ علم وفضل کے کیسی آب وہوا میں یہ زندگی بسر کرتا تھا۔ انقلابات ایام کے کیا تجارب اس کے پاس تھے اوس وقت مسلمانوں کی ذی علم جماعت دنیا میں کیا وقار و وقعت رکھتی تھی۔ اگر تم انصاف سے ان امور پر ایک سرسری نظر بھی ڈالو گے تو تم اپنے اس فیصلے پر قائم نہ رہو گے کہ عورتوں کی اوس وقت ایسی ذلیل و پست حالت تھی جو اون کو ایسی نصیحتیں کی گئیں۔

امیر خسرو اوس باکمال و بلند حوصلہ باپ کے فرزند ہیں جس نے ترکستان سے جب ہندوستان کا ارادہ کیا تو خاک ہند نے کس کس طرح اپنے مہمان عزیز کی میزبانی کی۔ بادشاہ نے جاگیر دی۔ عہدہ دیا منصب کا پایہ بلند کیا یہاں تک کہ امراے سلطنت کی سلک میں منسلک ہو گئے۔

امیر خسرو کی ماں اوس جلیل الشان باخدا رئیس کی بیٹی تھیں جنھیں دینی دولت کے علاوہ ہندوستان میں عمادالملک کا لقب حاصل تھا اگر والدین کی شرافت اُن کے حوصلہ کی بلندی ہمت کی فراخی اولاد کے حق میں کچھ بھی مفید ہوتی ہی اور والدین کا خون اگر کچھ بھی اثر رکھتا ہی تو پھر اسے خسرو کے حق میں ماننے سی کیوں دریغ کیا جای خود امیر خسرو کی ذات گوناگوں کمالات کی جامع تھی علوم وفنون میں اونھیں جو یگانہ بلند حاصل تھی اوس کی شہادت اون کی تصانیف ہیں۔ تزکیہ باطن کے لئے محبوب الٰہی کا محبوب ہونا کفایت کرتا ہے۔ تمول کے لیے لفظ امیر کافی ہے انقلاب دہر کا تجربہ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ گیارہ سلاطینِ با آئین ان کے وقت میں گذرے

جن میں سے سات بادشاہوں کے تقرب کا انھیں پورا موقع ملا۔ موقع شناسی اور دماغ میں سلجھاؤ اس سے ظاہر ہے کہ سلاطین کا تغیر سلطنت کا نظام الٹ دیا کرتا تھا۔ لیکن امیر خسرو ہر عہد میں ممتاز و باوقار رہے۔

ایّام سلف کی برکات

وہ زمانہ مسلمانوں کی ایسی اعلیٰ تہذیب کا تھا جس نے ہندوستان جیسے متعصب ملک میں اپنی تہذیب گھر گھر پہونچا دی تھی۔ مسلمانوں کے قوائے عملیہ سست و کاہل نہ تھے اس لئے محض بیکار رہنا موجب عار سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی تخصیص مرد و عورت کی نہ تھی تعلیمات اسلامی کا یہ اثر تھا کہ سلاطین تک شریعت کے فتوے سے کانپ اوٹھتے تھے۔ اوس وقت علما و مشایخ کی ایسی جماعت ہندوستان میں تھی اور روز افزوں ہو رہی تھی جن کی تصانیف آج شریعت و علوم اسلامیہ کی ضامن ہیں۔

دنیا کے مختلف گوشے مسلمانوں کے سیف و قلم سے مفتوح ہو چکے تھے ان کی سطوت و جلالت اکناف عالم پر چھائی ہوئی تھی۔ پس اوس عہد میں جبکہ ملک اپنے زیر نگیں تھا فاتحانہ ولولکانہ جذبات دل و دماغ میں تھے۔ سیاست کی تلوار اور شریعت کا تازیانہ ہر طرح کی محافظت کر سکتا تھا۔ اولیاے کرام و علماے عظام کی پاک صحبتیں خیالات فاسدہ کی بیخ کنی کیا کرتی تھیں فتوحات کے فراخ دروازے بے زری و تنگ دستی کے مفہوم کو مٹا رہے تھے۔ خسرو جیسا عالی دماغ و لی کامل

امیر کبیر آزمودہ کار اپنی بیٹی کو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اگر تمغاے شرافت نہیں ہے تو پھر اس عہد کے مسلمان جن کی حالت ہر پہلو سے زبوں ہے ان کی بات پایۂ اعتبار رکھنے کی کیونکر مستحق ہوسکتی ہے۔ اوس عہد کی ماؤں کی بلندی تو اسی سے ظاہر ہے کہ اون کی اولادیں دنیا میں ہر طرح کی یادگاریں چھوڑ گئیں۔ علم، عمل دولت، سلطنت، جرأت، شجاعت کیا کچھ فضائل انسانی کے بیش بہا خزائن نہ تھے جو اسلاف نہ چھوڑ گئے۔ لیکن اون کے جانشین ایسی ہی بلند حوصلہ و عالی ہمت پیدا ہوے جنھوں نے نہایت بدسلیقگی سے اون بیش بہا خزائن کا مالک اغیار کو کر دیا اور خود دست نگر ہونے کا بھی شعور کھو بیٹھے۔

حاصل جواب

وہ شریفانہ معاشرت کہاں گئی۔ جبکہ عورتوں کے کپڑے غیر محرم دیکھ بھی نہ سکتے تھے چہ جائیکہ اون کا سینا اور دھونا۔ تم چرخہ چلانے یا سلائی کا ہنر جاننے پر طعن کرتے ہو یہ تو ویسا ہی ہوا جیسا کہ ناعاقبت اندیش اہل دول لڑکوں کو تعلیم سے محروم اس بنا پر رکھتے ہیں کہ علم غربا کے لئے ہے، ہماری اولاد کو کیا دفاتر میں نوکری یا اسکولوں میں معلمی کرنی ہے۔

ہاں یہ اعتراض کہ کمالات علمیہ اور دیگر فضائل انسانی کی طرف اس بلند آہنگی سے کیوں توجہ نہ دلائی گئی جس قدر کہ امور خانہ داری پر زور دیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی خسرو کا ایک کمال ہے کہ جہاں نصیحت کا مخاطب بیٹی کو ٹھرایا ہے

تو اوس وقت ایسی نصائح جو مابہ الامتیاز مرد و زن ہیں اونھیں کو غالب رکھا ہے اور جہاں بیٹا مخاطب ہے تو اوس سے وہی باتیں کہی ہیں جن کا سزاوار مرد ہی ہو سکتا ہے۔ اگر عام پند اور مابہ الاشتراک نصایح سے خطاب فرماتے جو مخصوص فرائض اناث نہیں بلکہ فرائض انسان و اسلام ہیں تو پھر یہ معلوم ہوتا کہ خطاب دختر کی اس میں تخصیص کیا ہے۔

خطیب کا یہ بھی ایک کمال ہے کہ مخاطب کا صحیح اندازہ کر کے اوس کو ایسی نصیحتیں کرے جو اوسی سے مخصوص ہوں ورنہ عام نصیحت کے لئے خصوصیت و تشخص بیکار ہے اوس کے لئے پھر خطاب عام چاہیئے۔ بہر حال خسرو کے تمام نصائح کو پڑھ جاؤ اوس کے بعد ایک ایسی ذات کا جوان اوصاف سے متصف ہو تصور کرو تمھیں ایک رحمت الٰہی مجسم نظر آئیگی۔ افسوس ہے کہ یہ مضمون اندازہ سے بہت زیادہ پھیل گیا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ پر جبکہ ایسا قلم معترضانہ رواں ہو جسے اون کے کلام کا صحیح مفہوم لکھنا چاہیئے تھا تو پھر اُس کی اصلاح اس سے کم میں ناممکن تھی۔ اس دَور کے ارباب قلم کی غلطی تسلیم کرنا اس سے کہیں زیادہ سہل ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ پر ایک بے بنیاد الزام کا اثبات زبردستی کیا جائے۔ ناظرین مجھے معاف فرمائیں میں سلف کا دلدادہ و شیفتہ ہوں ؎

فتنۂ گفتگوے ایشانم　　　　مستِ لاے سبوے ایشانم

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ ایسے مضامین تھے جو آغاز مقصد سے قبل مثنوی میں عموماً

خسرو لکھا کرتے ہیں۔ اب اصل قصہ سے اقتباس کر کے حسن کلام کا نمونہ دکھایا جاتا ہے۔

بیان حسن کنیز چینی

بر چونار یخ نو بشاخ درخت | سخت رستہ ز صحبت دل سخت
رگ نمودہ بروں ز لطف بدن | ہمچو رشتہ درونِ درعدن

شوخی و عاشقانہ انداز کے ساتھ پہلے شعر میں سختی کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ بالکل نرالی ہے اور اچھوتا تخیل ہے لیکن معقول۔ دوسرے شعر میں گورے گورے بدن میں سے رگوں کا پھوٹ کر ایک دل فریب رنگ پیدا کرنا کیسا نادر خیال ہے۔ جس کسی نے سلک مروارید کو دیکھا ہوگا اس تشبیہ کے لطف کو وہی سمجھ سکتا ہے کہ کیسی لطیف تشبیہ ہے۔

قدر اندازی بہرام

آہن تیر چوں محک کردے | خط گوراں ز پشت حک کردے
ور ز آہو بدے نشانۂ او | موے بشگافتے ز شانۂ او
ور شدے بر نشانہ سخت انداز | رخنہ در نافِ کوہ کردے باز

صرف تین اشعار میں تمام شعبہائے تیر اندازی کے کمال کو جس صفائی و سلاست سے آپ نے بیان کیا ہے اُس سے کلام کی پختگی و چستی ظاہر ہے یعنی جس طرح چاہتا تھا تیر چلاتا تھا۔ کبھی تو گورخروں کی پشت پر جو خطوط ہوتے تھے انھیں تیر سے اڑا دیتا

کبھی ہرن کے بالوں کی موشگافی کرتا۔ اور شکار کو کچھ بھی آسیب و آزار نہ پہونچتا اور جو زخم پہونچانا چاہتا تو ایسی قوت و طاقت سے تیر بیٹھتا کہ گورخر کا تو کیا ذکر پہاڑ میں بھی سوراخ ہو جاتا۔ خسرو علیہ الرحمۃ ہشت بہشت کی بنیاد رکھتے ہوے فرماتے ہیں؂

پس نوشتم بکلک مشک سرشت　　نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت

تا کسے کاندرو گذر یابد　　بے قیامت بہشت دریابد

اب اس بہشت کا جسے لطف حاصل کرنا ہو اوس کو ایک سرسری نظر سے پوری کتاب مطالعہ کرنا ضرور ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اشعار کہاں کہاں سے لئے گئے ہیں اور باہم ربط و مناسبت اونمیں کس طرح ہے۔

گنبد مشکیں بہشت دوم

بہرام کے وزیر باتدبیر نے صید و شکار سے جب بہرام کو باز رکھنا چاہا ہے تو اوس نے سات گنبد عجیب و غریب نادر و حسین طیار کرائے ہیں۔ ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے ہر ایک میں ایک شاہزادی ایک ایک اقلیم کی رونق بخش ہے۔ بہرام ہر ایک شاہزادی کے گنبد میں ایک ایک شب جاتا ہے اور کسی قصّہ کی فرمایش کرتا ہے۔ شاہزادی قصّہ بیان کرتی ہے۔ اس طرح اس میں سات قصے امیر خسرو نے نظم فرمائے ہیں۔ خسرو کی شاعرانہ قوت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ ایک بہشت کا بیان شروع کرتے ہیں تو اوس کے رنگ کو بیان کرتے ہوے ابتدا قصے سے آخر قصّے تک اوسی رنگ کی رنگینی معلوم ہوتی ہے۔ جو بات نکلتی ہے اوسی

رنگ میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے۔ پھر اوس رنگ کے فلسفے کو بیان کرکے اپنی رنگینی طبع کا عجیب رنگین ثبوت دیتے ہیں۔ مثلاً گنبد مشکیں کی تمہید میں فرماتے ہیں ؎

روز شنبہ کہ باد مشک انگیز ‌ ‌ شد بدامانِ صبح غالیہ ریز
شہ بگنبد سرائے مشکیں شد ‌ ‌ خانہ زو ہمچو نافۂ چیں شد
جامہ راہم برنگِ کیوانی ‌ ‌ داد ترتیبِ عنبر افشانی

ان اشعار میں قطع نظر اون صنائع لفظی کے جو امیر صاحب کا روزمرہ ہے گنبد کا رنگ چونکہ سیاہ تھا اس لئے بہرام کا اوس میں داخل ہونا بھی بروز شنبہ رکھا گیا۔ اور ستارہ شنبہ یعنی زحل کا رنگ سیاہ ہے۔ بہرام خود سیاہ پوش ہے شہزادی کا لباس بھی گنبد مشکیں کی طرح سیاہ ہے۔ اس کا التزام مثنوی کے ہر قصہ میں ہے کہ جس طرح ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے اُسی کی رعایت سے شاہزادیوں کا لباس بھی مختلف رنگ کا ہے۔

ہر یکے ہم برنگِ مسکنِ خویش ‌ ‌ جامہ را رنگ داد بر تنِ خویش

اگرچہ کمال شاعری و لطف سخن کو ان باتوں سے سروکار نہیں لیکن اس قسم کی رعایتوں سے ایک دل فریب تخیل پیدا ہوتا ہے اور ساری کتاب کو پڑھ جانے سے ایک ایسی مینا کاری معلوم ہوتی ہے جو ہشت بہشت کو اسم بامسمیٰ بنا دیتی ہے۔

گنبد مشکیں یعنی بہشت دوم میں سیاہ رنگ کی رعایت مقصود ہے۔ اسلئے امیر صاحب اوس وقت کو جبکہ تینوں شاہزادے غریب الوطنی دره نوردی کے بعد باپ کے

پاس آتے ہیں۔ اور باپ خوش خوش بڑے لڑکے کو سلطنت حوالہ کرتا ہے یوں بیان فرماتے ہیں ؎

پدر پیر شادمانی یافت   بار دیگر ز سر جوانی یافت
بسکہ از خوش دلی بہ تمکیں گشت   موے کافور گونش مشکیں گشت
کردہ روشن بہ مہتریں پسراں   بالش مشک وام تاجوراں
چتر مشکینش داد با ہمہ چیز   دیگراں را لواے مشکیں نیز

لیکن اس خیال سے کہ سیاہ رنگ عموماً نشان ماتم ہے اس کو عیش و نشاط، فرحت و انبساط سے کیا علاقہ۔ اس لئے امیر صاحب ختم قصے پر اس فلسفہ کو بیان کرتے ہیں کہ سیاہ رنگ بھی اپنے موقع و مناسبت سے دل آویز و نظر افروز ہوا کرتا ہے ؎

رنگ مشکیں شعار عباسی ست   زیور آراے چرخ تماسی ست
ظلمت شب کہ مشک فام بود   بہر آسایش تمام بود
خون تر در میان نافہ خشک   تا نگردد سیہ نباشد مشک
خط و خالیکہ دلستاں دارد   مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

بیان وجوہ میں بتدریج ترقی قوت بھی ملحوظ خاطر رہے۔ قصہ ختم ہوتا ہے۔ بہرام ہم آغوش ہو کر خواب سے راحت پذیر ہوتا ہے۔ اوس عیش کے وقت کو یوں بیان فرماتے ہیں ؎

شاہ کز نازنین مشکیں موے   ایں فسانہ شنید روے بروے

خفت در خواب گاہ حور العین　　گل در آغوش و مشک بر بالیں

واقعہ نگاری اور تسلسل

سبحان اللہ ایک رنگ سیاہ نے کتنے خوش آیند خیالات پیدا کر دیے ہیں جس سے شاعر کی قوت تخیلہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اوس کے تمام اجزا اس طرح بیان کیے جائیں کہ تسلسل مضامین کی کوئی کڑی چھوٹنے نہ پائے اس کے ساتھ ہی اس کا بھی لحاظ رہے کہ غیر ضروری بات مذکور ہونے پائے بعض مقام ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں کنایہ تصریح سے زیادہ صراحت کرتا ہے اور کلام کی بلاغت اوسی کی مقتضی ہوتی ہے۔ کسی جگہہ تصریح و تشریح کے بغیر بلاغت کا حق ادا نہیں ہوتا۔ مثنوی نگار اگر اس کا لحاظ نہیں کرتا ہے تو اوس کی خامی و کم مائگی سمجھی جاتی ہے خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری اس کمال میں بھی کامل ہے۔ ہر ایک قصہ میں اس تفصیل سے جزئیات کو بیان فرماتے ہیں کہ ایک بات سے دوسری بات خود نکلتی آتی ہے اوس پر زبان کی صفائی اور بندش کی چستی کا یہ حال ہے کہ اوس سے کم عبارت میں اگر اوسی مضمون کو بیان کیا جائے تو لطف ادا کو کھوے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اگر طوالت دی جائے تو حشو و زوائد میں شمار ہو۔ اوس کا اصلی لطف تو اوسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو پوری کتاب پڑھ جائے۔ لیکن دو ایک نمونہ جستہ جستہ پیش کرتا ہوں۔

پہلی مثال ہشت بہشت دوم کی شاہزادی نے جو قصہ بیان کیا ہے اوس میں تین غریب الوطن شاہزادوں کی فراست اور علم بالآثار کا ذکر ہے۔ اوس وقت جبکہ شاہزادے ایک

بادشاہ کے مہمان ہیں اور اون کی ضیافت میں شراب و کباب مہیا کیا گیا ہے۔ ایک نے شراب میں آدمی کے خون کا لگاؤ بتلایا۔ دوسرے نے کباب کو کتے کا قرار دیا۔ تیسرے نے بادشاہ کو باورچی کا لڑکا کہا۔ بادشاہ پشت دیوار سے اون کی گفتگو سن رہا تھا۔ اپنے متعلق ایسا ہوش ربا حکم سن کر تحقیق شروع کرتا ہے۔ پہلے دونوں حکم صادق آتے ہیں۔ اس سے تیسرا حکم جو خود اوس کے متعلق ہے اوس کے صدق کا پلہ غالب آتا ہے۔ ماں کے پاس جاتا ہے اوس کے غضبناک انکار پر قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ آخر ماں کو جب اپنی موت کا یقین آجاتا ہے تو مجبور ہو کر اقرار کرتی ہے۔ بادشاہ اپنے مہمانوں کے پاس آتا ہے اور اون کی فراست کی داد دینا چاہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم لوگوں نے کیونکر یہ پہچان لیا۔ وہ وجہ بتلاتے ہیں۔

امیر صاحب کا قلم اس طرح اوس کی تصویر کشی کرتا ہے ؎

شہ چو بشنید راز ما در خویش — سر فگند از خجالت اندر پیش
رفت در خود فرو و حیراں گشت — وز چناں پرسشے پشیماں گشت
جست بیروں ز کاخ شرمندہ — وز تحیر نہ زندہ نے مردہ
شد بخلوت سرائے مہماناں — بے زباں گشت زاں زباں داناں
چوں گذشت از شراب دورے چند — راز را بر گرفت مستی بند
گفت کانچہ از شما شنیدم راز — ہمچناں یافتم چو جستم باز

ایسے خجلت انگیز راز کے افشاء نے بادشاہ کی جو حالت کر دی ہو گی اوس کا نقشہ

امیر صاحب کے قلم نے کس خوبی سے کھینچا ہے۔ ایک ایک شعر کو پڑھئے اور ہزار دل داد دیجئے۔ بادشاہ کا ہکا بکا ہوجانا ایک فطری بات ہے لیکن تسلسل بیان اس کا مقتضی ہے کہ بادشاہ خود اپنے منہ سے اس شرمناک راز کی تصدیق کرے تکمیل قصہ کے لئے اوس کے منہ سے اقرار کرانا ضروری تھا۔ اس لئے بیچ میں شراب کو ڈالا۔ اس سے عمدہ ذریعہ اقرار کا ہو نہیں سکتا تھا۔

دوسری **مثال** اسی طرح بہشت ہفتم کے بیان میں شاہزادہ جب طلسمی سرمہ آنکھوں میں لگا کر وزیر کے دربار میں نظر سے غائب ہوتا ہے اور اپنے موکل دیو کو اشارہ کرتا ہے کہ بدکار وزیر کو دہول لگاے اس کا بیان بس ہو بہو فوٹو ہے ؎

کرد اشارت بدیو تا برخاست | دست خود کرد بہر سیلی راست
زد قفاے بخواجۂ دیواں | کہ بلرزید زاں طرارق ایواں
کارداراں زجاے برجستند | سرآں حال راہمے جستند
ہمدریں گفتگوے بُد ہرکس | کاہرمن باز در رسید زپس
زد چناں سیلی دگرناگاہ | کز سرِ خواجہ برفتاد کلاہ
کلہ گرد خوردہ رازاں گرد | تاستاند قفاے دیگر خورد
حیرتے درمیانِ خلق افتاد | دوست آزردہ گشت دشمن شاد
مرد ماں از خجالتِ دستور | دور گشتند یک بیک زحضور
ایں زسوداے سیلیش خنداں | واں دگر پشتِ دست برنداں

خواجہ جست از خجالتِ سیلی		بارخِ زرد گردنِ نیلی

ان ابیات میں جس تفصیل سے دیو کا ہاتھ اوٹھانا اور ڈھول مارنے کے لئے اوس کو سنبھالنا اور پھر ایک ڈھول لگا کر ڈھیر جانا لوگوں کا متحیر ہونا اور آپس میں تحقیق کی نظر سے گفتگو کرنا۔ اس اثنا میں دوسری ڈھول کا رسید ہونا وغیرہ وغیرہ جس شرح و بسط سے بیان کیا ہے اوس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ سچ پوچھئے تو واقعہ مذکورہ کی تصویر اس سے زیادہ روشن و دل آویز کیا کھینچی جاسکتی تھی۔

ان دو نمونوں سے یہ دکھلانا تھا کہ امیر صاحب جہاں صنائع و بدایع اور محاسن لفظی و معنوی کے خسرو ہیں وہاں بیان واقعات میں بھی اوسی قدر ارفع و اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ امیر صاحب مثنوی لکھنے کا حق رکھتے تھے اور صحیح معنوں میں آپ نے مثنوی کا حق ادا کیا۔

حیثیت شخصی کا لحاظ

مثنوی نگاری میں یہ حصہ شاعر کے لئے نہایت ہی معرکۃ الآرا رہے ایک ہی حالت ہوتی ہی مگر اوس کا اثر باعتبار اشخاص مختلف ہوتا ہے اب اگر شاعر حالت کے ساتھ شخص کا لحاظ نہیں رکھتا ہے تو اوس کے بیان کا یہ پہلو کمزور ہو جاے گا۔ مثلاً فرض کرو ایک نبرد آزما ہے جس نے مختلف میدانہاے کارزار میں اپنے شجاعت کا جوہر دکھایا ہے۔ وہ کسی ایسے نازپروردہ کا ہم سفر ہے جس نے تنعم کے سایہ سے کبھی قدم

باہر نہیں نکلا۔ اتفاقاً کسی موقع پر رہزنوں کی جماعت حملہ آور ہوتی ہے تو اوس وقت اوس تجربہ کار سپاہی اور نازپروردہ رفیق کے دل پر جو اثر ہو گا وہ ایک دوسرے سے بالکل مغائر ہو گا۔

سپاہی آزمودہ کار کے حواس درست ہوں گے دست و بازو میں قوت موجود ہو گی رگوں میں شجاعت کا خون دوڑتا ہو گا۔ چہرہ جوشِ بہادری سے تمتما رہا ہو گا۔ برخلاف اس کے نازپروردہ کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی ہوں گی۔ بدن پر لرزہ طاری ہو گا۔ ہوش بر جا نہ ہوں گے۔

اس مثال سے یہ غرض ہے کہ جب کسی واقعہ یا حالت کا بیان ہو تو جس شخص سے اوس کا تعلق ہے اوس کا لحاظ بھی ضروری ہے خسرو علیہ الرحمۃ کے اس کمال کے بھی نمونے ملاحظہ ہوں۔

مثال اوّل۔ بہرام شکارگاہ میں خفا ہو کر دلارام کو گھوڑے سے اوتار دیتا ہے اور خود گھوڑے کی باگ موڑ کر روانہ ہو جاتا ہے۔ دلارام دشت پرخار میں تنہا رہ جاتی ہے اوس وقت اوس کے دل پر کیا گذری اور اوس نے کیا کیا اور کیونکر کیا اس کی ہو بہو تصویر ان اشعار میں دیکھیئے یہ یاد رہے کہ دلارام بہرام کی معشوقۂ جاں نواز ہے عیش و عشرت ناز و تنعم میں نشو و نما پایا ہے۔ دل کی کلی ہمیشہ کھلتی رہی ہے یہ کوئی معمولی حیثیت کی عورت نہیں ہے اس پر جو یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تو اس کی حالت بھی معمولی حیثیت کی عورت سے مغائر ہو گی خسرو اسی کو بیان کرتے ہیں۔

ماند بنجو یشتن صنم تا دیر تشنہ و غرق آب و از جاں سیر
پس بصد خستگی ز جا بر خاست راہ صحرا گرفت و می شد راست
بسکہ منزل بدشت دیواں داشت سایۂ خویش دیو می پنداشت
بسکہ رہ بر سنان تیزش بود موزہ غربال خاک بیزش بود
از کفِ پائے خارہائے چو تیر میگذشتش چو سوزنے ز حریر
پاکہ از برگ گل فگار بود چوں شود چوں بروے خار شود
کس نہ ہمراہ در رہنماش مگر سایہ در زیر و آفتاب زبر
می نمود اندراں پریشانی گفتہ و کردہ را پشیمانی
زاں بساط ددان آہو خائے کردبیم ددانش آہو پائے
بیم بودش کہ پاشود بطواف چوں سمِ آہو از میانہ شگاف
کس خوبی سے خسرو علیہ الرحمۃ نے اوس کی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو
پہلا اثر تو اس ناگہانی آفت کا یہ ہوا کہ وہ ایسی متحیر و ششدر ہو گئی کہ تھوڑی
دیر تک یہ بھی سمجھ نہ سکی کہ واقعہ کیا گذرا جب آہستہ آہستہ اوس کے حواس اپنا صحیح
فعل کرنے لگے تو اوسے اپنی اس نازک حالت کا اندازہ ہوا۔ زبان سوکھ کر کانٹا
ہو رہی ہے جسم ہے کہ پسینہ میں شرابور ہے جینا وبال ہو رہا ہے۔ دیکھئے پہلا شعر
ان سب کیفیات پر کس طرح حاوی ہے ؎
ماند بنجو یشتن صنم تا دیر تشنہ و غرق آب و از جاں سیر

کچھ سوچ سمجھکر اوٹھتی ہے تو جسم میں طاقت نہیں بدن ہے کہ رنج وغم سے چور چور ہے بصد خرابی اوٹھی اور ایک سمت کا رخ کیا۔ اس کیفیت کو دوسرے شعر میں دیکھیے

پس بصد خستگی زجا برخاست
راہ صحرا گرفت ومی شد راست

ایک صحرائے لق ودق مہیب ووحشتناک ہے۔ غولان بیابانی کا نشیمن ہے۔ تنہائی وبیکسی نے ایسا متوحش کر دیا ہے کہ اپنے سایہ کو بھی وہ بھوت سمجھتی ہی انتہائی اضطراب وگھبراہٹ خوف ووحشت میں جو حالت کہ طاری ہوتی ہے اوس کا صحیح نقشہ یہی ہے جو اس شعر میں ہے ؎

بسکہ منزل بدشتِ دیواں داشت
سایۂ خویش دیو می پنداشت

اوس کی نزاکت ولطافت کے ساتھ صحرائے پرخار نے کیا سلوک کیا اوس کو اس شعر میں دیکھیے ؎

بسکہ رہ بر سنانِ تیزش بود
موزہ غربال خاک بیزش بود

اسی طرح ہر شعر ایک خاص حالت وکیفیت کا نمونہ ہے۔

دوسری مثال۔ بہشت دوم کے قصے میں بادشاہ نے جبکہ بیٹوں سے تخت وتاج کا مالک بننے کے لئے کہا ہے تو اوس وقت ہر ایک بیٹے نے جو جواب دیا ہے وہ قابل لحاظ ہے مثلاً بڑا بیٹا یہ جواب دیتا ہے ؎

گفت جاوید باد دولت شاہ
پور دانا بخاک سود کلاہ

کہ زنم پیش شہ دم شاہی
کی روا باشد از ہواخواہی

تا تو ئی ملک بر کسے نہ سز است | بے تو خود زیستن برائے چہ راست
تخت ما دا لے چوں منے نبود | جائے تو جائے چوں منے نبود
مور با آنکہ بر سریر بود | کی سلیمان و تخت گیر بود

بیٹے کی سعادت مندی اسی کی مقتضی تھی کہ باپ کے رہتے ہوئے بیٹا ہوس سلطانی نہ رکھے لیکن ضمن جواب میں اس امر کی ناموزونی جو آخر شعر میں بیان کی گئی ہے وہ حسن التعلیل کے ساتھ عجب ادب آموز نکتہ ہے ؎

مور با آنکہ بر سریر بود | کی سلیمان و تخت گیر بود

اس شعر پر جتنا غور کروگے اتنا ہی لطف آئیگا۔

اب بادشاہ منجھلے بیٹے کو بلاتا ہے اور اوس کے سامنے تخت و سلطنت پیش کرتا ہے منجھلے کا جواب سنئے ؎

گفت ما را بجان و بینائی | کردنی شد ہر انچہ فرمائی
لیک پیشت حدیث تاج و سریر | عیب باشد زبندہ عیب مگیر
گر بود در سرت کہ افسر خویش | خود مزین کنی بگوہر خویش
مہترے ہست آخر از من خورد | بار سر جز بدوش نتواں برد
بر بزرگاں رو است ایں معراج | لو لوے خورد نیست در خور تاج

اگر منجھلا بیٹا صرف اسی قدر جواب پر اکتفا کرتا کہ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر لیکن تاج و سریر کا ذکر آپ کے سامنے کرنا بڑے عیب کی بات ہے اگر اس میں حکم

عدولی ہو تو بندہ کو نافرمان نہ خیال کیا جاے تو بڑے اور منجھلے کی خصوصیت نمایاں نہوتی۔ اس لئے اوس نے اپنے جواب میں اس قدر اور اضافہ کیا کہ اگر آپ کی یہی خواہش ہے کہ آپ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں تاج شاہی سے مزین فرمائیں تو بسم اللہ بڑا بھائی موجود ہے یہ حق اوس کا ہے اور آپ کے بعد اوسی کو زیب دیتا ہی اُس کی دلیل یہ ہے کہ سر سے بوجھ اوتار کر کاندھے پر رکھنے کا دستور ہے۔ اب جواب کامل ہو گیا۔ بڑے اور منجھلے کا فرق بھی نمایاں ہو گیا۔ باپ کی موجودگی میں سلطنت سے دست برداری بھی ظاہر کر دی اور اوسی کے ساتھ بڑے بھائی کا ادب وحق ملحوظ رکھتے ہوے فرق مراتب باپ اور بڑے بھائی کا بھی "بار سر جز بدوش نتوان برد" کہہ کر قائم کر دیا۔

تیسری مثال۔ ہشت بہشت کے قصے میں جسوقت سوداگر زادہ طلسمی حمام سے ایک سال بعد بر آمد ہوا ہی اُس وقت اوس کے غلاموں کو جو مسرت ہوئی ہے اور جس طرح اونہوں نے اپنی خوشی کا اظہار ولی نعمت سے کیا ہے، اوس فرط جوش محبت میں بھی اون کی غلامانہ حیثیت پوری طرح ملحوظ ہے ؎

چوں بدیدند روے منعم خویش | دردویدند خواجہ را در پیش
ہر یک از بندگاں بہ آزادی | گریہ میکرد لیکن از شادی
بندہ وارش بپا در افتادند | بوسہ بر دست و پاش میدادند

جذبات عاشق و معشوق اور اُن کے لوازم | سر سری نگاہ میں عاشق کی

نیازمندی معشوق کی بے نیازی ایک معمولی مضمون ہے جسے ہر سخنور بیان کر سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ منزلِ عشق کی راہیں جس طرح عمل میں دشوار گزار ہیں اوسی طرح اون کا بیان بھی خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں ایسے ایسے لطیف نکات ہیں جنھیں ہر ناظم کی قوت فکریہ پا نہیں سکتی ؎

ہزار آیت خوبی ست در مطالعۂ رو　　نہ ہر کہ خط بشناسد مفسری داند

پہلی مثال۔ عاشق جب مژدۂ وصل پاتا ہے تو اس روح پرور خبر سے اوس پر ایک عالم وجد طاری ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی عاشق کے لئے معشوق کا وصال بہت ہی دشوار ہو۔ کوشش وسعی کی راہیں مسدود ہوں۔ ہجوم یاس نے اوسے بالکل ہی وارفتہ واز خود رفتہ کر دیا ہو اوس بیخودی کے عالم میں اوسے مژدۂ وصل پہونچے تو پھر اوس کے وجد وطرب کا ایک اور ہی عالم ہو گا۔ خسرو علیہ الرحمۃ بہشت پنجم میں اوس غریب الوطن شاہ زادے کا قصہ جو ملکہ ملتان کی سنگی تصویر دیکھ کر دل ہاتھ سے دے چکا ہے وصل سے مایوس ہو کر پاگل ہو رہا ہے اوسکے پاس جس وقت مژدۂ وصل پہونچا ہے تو اوس کی کیا حالت ہوئی اوس کو بیان کرتے ہیں ؎

سوئے عاشق دوید یارے زود　　بردش از دوست مژدۂ مقصود
چوں بگوشش وے ایں سخن در شد　　بے خبر بود بے خبر تر شد
ماند حیراں دراں حکایت نغز　　جوشے از دل دراو فتاد بمغز

خاست چوں بیدلان جاں داده　　　دل دیوانه راعناں داده

پاے کوباں بوجد وحال آمد　　　دربناں خانۂ وصال آمد

دوسری مثال بہشت ششم میں سوداگرزاده جبکہ ایک طلسم سے نکل کر ایک طلسمی گاؤں میں پہونچا ہے اور وہاں ایک بوڑھی عورت نے اوسے مہمان بنایا ہے تو اوس پیرزن کی حسینہ وجمیلہ لڑکی سے مہمان کی آنکھ لڑتی ہے تیر عشق دل کے پار ہوجاتا ہے اور وہ محبوبہ اپنی اداے معشوقانہ سے اوسے بسمل بنادیتی ہے

زال را بود دخترے عیّار　　　دل فریبے چو صد ہزار نگار

دزد دلہا دوچشم پُرفن او　　　خون صد بیگنہ بگردن او

گشت چوں یک دگر نظرہا گرم　　　نازنیں سرفروفگند زشرم

روے پوشید وکرد آں سو پشت　　　میہماں را بہ یک کرشمہ بکشت

معشوقہ کا سر جھکا لینا مُنہ کا چھپا لینا جہاں مقتضاے شرم وحیا ہے وہاں ایک نازدلربایانہ بھی ہے لیکن شاعر کا کمال اس نکتہ کے ادا کرنے میں ہے جو اس جملہ میں مضمر ہے (کرد آں سو پشت) جس سے اس کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح میرا چہرہ روشن اور آنکھیں پُرفن ہیں پیٹھ بھی ویسی ہی محرابی ہے پیٹھ پھیرنے سے مقصود اظہار اون خوبیوں کا ہے جو پشت پھیرنے سے ہی نمایاں ہوتی ہیں۔

تیسری مثال۔ اسی ہشت ششم میں اوس موقع پر جبکہ سوداگرزاده طلسمات طے کرتا ہوا آخر طلسم میں مبتلا ہوا ہے اوس وقت اوس کی حیثیت شاہانہ ہے ایک

ملک کا خود مختار بادشاہ ہے عجب عیش وعشرت سے ایام بسر ہو رہے ہیں خاص کر جب رات ہوتی ہے تو ایک گلبدن نازک اندام ایک گلدستہ پیش کرتی ہے اور تمام شب بادشاہ لذت و سرور میں بسر کرتا ہے آخر نوبت اوس معشوقہ کی پہونچتی ہے جس کا وصال طلسم کا خاتمہ ہے۔

یہ نازنین ایسی ماہ طلعت و پری پیکر ہے کہ سارے طلسمات میں ایسی دلکش صورت اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی بادشاہ بیتاب ہو کر اوس سے ہم آغوش ہوا چاہتا ہے وہ اوس وقت اپنی نزاکت جس پیرایہ میں بیان کرتی ہے اوس سے یہ نکتہ حل ہوتا ہے کہ حسن کی سرکار ایسا بلند پایہ رکھتی ہے جہاں شاہانہ جاہ و تجمل اور ملوکانہ آرایش بھی ہیچ ہے ملاحظہ ہو ؎

ترک جادو گرِ فریب انگیز — گفت آبے بزن بر آتشِ تیز
گرد میدان بارگہ بر تست — تن شاہانہ را ببایدشست
تا نگردد چو گیرمت بکنار — نازک اندام من زگرد فگار
کہ مرا نام مردم دیدہ است — گرد بر دیدہ ناپسندیدہ است

لیل ونہار شاعر کا یہ بھی کمال ہے کہ اگر اوسے ایک ہی مضمون بار بار کہنا ہو تو ہر مرتبہ اوسے ایک جدید پہلو سے کہے مثلاً آفتاب کا طلوع وغروب جب عالم شاعری میں ہو تو ایک نئے انداز سے ہو اسی کے ساتھ استعارے ایسے ہوں جو اون واقعات سے جن کا تعلق اوس لیل ونہار سے ہے

مناسبت رکھتے ہوں اس کی مثالیں اس مثنوی میں بشیار موجود ہیں یہاں صرف چار شعروں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

صبح

(۱) بامداداں کہ صبح جامہ سفید   پردہ برداشت از رخ خورشید
(۲) گنبد آسماں چو شد بیدود   گشت روشن جہان زراندود
(۳) آسماں چوں زچشمۂ خورشید   کرد پیراہن زمانہ سفید
(۴) شاہ انجم برسم ہر روزہ   چوں برآمد بہ تخت فیروزہ

شب

(۱) شب چو دریائے چرخ بر زد رنگ   چشمۂ مہر شد بکام نہنگ
(۲) چوں جہاں رخ نمود در پر زاغ   شد فلک پر زصد ہزار چراغ
(۳) در پر زاغ چوں نہاں شد مہر   پر طاؤس باز کرد سپہر
(۴) چرخ چوں زلف شب فگندہ بدوش   ماہ گشت از ستارہ زیور پوش

ہر شعر کا استعارہ کیا لطف پیدا کرتا ہے اوس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اصل قصہ پڑھنا ضرور ہے یہ کل اشعار ہشت بہشت سے لئے گئے ہیں ناظرین اگر چاہیں تو صرف ایک ہی قصہ پڑھ کر شاعر کی طبع روشن کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

وصل و وصال بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا اظہار نہایت ہی مشکل ہوتا ہے کہیں آداب و تہذیب کا قانون زبان کی مقراض بننے کو

تیار ہوتا ہے اور کہیں حیا گلو گیر ہوتی ہے لیکن ایک قادر البیان چند الفاظ کے
ایر پھیر میں سب کچھ اس صفائی سے کہہ جاتا ہے کہ مخاطب صحیح سمجھ جاتا ہے اور
مقنن منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

خلوت کی باتیں عاشق جانے یا معشوق۔ زبان اوس کا افشا کیوں کر کرے
لیکن جس کے قلم میں زور ہے وہ حسن بیان کا پردہ ڈال کر یوں کہتا ہے۔

پہلی مثال

خویش را کرده بو دلعبتِ سیم   برادِ حریف خود تسلیم
او بدنداں عقیق را می سُفت   قندمی خست وانگبیں میرفت
زاں لب لعل می کشید شراب   نقل ہم پستہ بود ہم عناب

دوسری مثال

در برآورد یار زیبا را   کرد خوش جان ناشکیبا را
یافت آں آرزو کہ در سرداشت   کام دل دید و کام دل برداشت
ہمہ شب بابتِ بہشتی خویش   راند در جوئے شیر کشتی خویش

تیسری مثال

عاشقانہ بپائے یار فتاد   کار با بوس و با کنار فتاد
او در آویخت در دو زلف چو شست   گردن خود بطوق مشکیں بست
روے بررونہاد دوش بدوش   خرمنِ گل کشید در آغوش

بر دغارت بدرج مروارید　　　　این ہمی چید او ہمی بارید

ایک ہی معنی کو گوناگوں رنگین لباس اور نئے شان اور نئی ادا سے آراستہ کرنا خسرو کا حصہ ہے۔

جزئیات داستان نگاری

داستان نگاری کے ذیل میں بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی آتی جاتی ہیں جن کا کوئی خاص مرتبہ تو نہیں ہوتا لیکن ان کا بیان اس کا ضرور مقتضی ہوتا ہے کہ اس انداز سے کہی جائیں کہ خالی از لطف نہوں۔ مثلاً باغ و راغ کوہ و صحرا یا معشوقوں کا سراپا وغیرہ اثنائے قصہ میں اگر ان کے بیان میں طوالت کی جای تو تسلسل میں خلل پڑتا ہے اور اگر انہیں معمولی الفاظ میں کہا جائے تو لطف بیان جاتا ہے۔ بدیں وجہ ایک باکمال شاعر ہمیشہ ایسے مواقع پر پھولوں کا ایک چمن کھلاتا ہوا بلبلوں کے چہچے سناتا ہوا کسی پری جمال کی ایک جھلک دکھاتا ہوا ناظرین کو اصل داستان کی طرف بڑھائے جاتا ہے خسرو علیہ الرحمۃ بھی اس مثنوی میں ایسے مقام کا کم سے کم ایک اور زیادہ سے زیادہ تین شعروں میں حق ادا کرتے ہوئے داستان کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں ہ

وصف معشوقہ

رخ بزیبائی از گل افزوں داشت　　　　پاے تا سر لباس گلگوں داشت

صنمے دید آفتاب درفش　　　　شقۂ بر تن از حریر بنفش

دید کامد میانۂ بازار | شاہدے ہمچو صد ہزار نگار
زلفِ مرغول عنبر آلودہ | ہندو آسا بگل برآمودہ
نرگسش از کرشمہ شور انگیز | کشتہ عشاق را بغمزۂ تیز

باغ وصحرا

لالہ برکف گرفتہ جامِ شراب | نرگس از مستی اوفتا دبخواب
گشتہ باد از شگوفہ عنبر بوے | سبزۂ نودمیدہ برلبِ جوے
سوبسو از درخت میوہ قطار | شاخ سر برزمیں فتادہ زبار
دید درپیشِ غار صحرائے | لالہ وگل دمیدہ ہر جائے
کشت درکشت روضۂ چو بہشت | جوے برجوے برکنارۂ کشت
برسر سبزہاے مینا رنگ | ناے کنجشک پُر زنغمۂ چنگ

اسی طرح کی بہت سی جزئی باتیں ہیں جن کا احاطہ تمثیل وتحریر سے ناممکن ہے ایک وہ شخص جس نے داستان گوئی و داستان نویسی کے فلسفہ کو سمجھا ہے وہی خسرو علیہ الرحمۃ کی واقعہ نگاری کی داد دے سکتا ہے ہشت بہشت و ہفت پیکر کے قصص اگر اس نگاہ سے کوئی مطالعہ کرے تو اُسے خسرو علیہ الرحمۃ

کی برتری صاف دکھائی دے گی۔

تشبیہ و استعارے

نظم ہو یا نثر، حالت فرحت و انبساط ہو یا رنج و اضمحلال تشبیہ و استعارے سے کلام بہت کم خالی ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات بےخواستہ جذبات کا اظہار تشبیہ و استعارے میں ہو جاتا ہے مثلاً حالت غم و اندوہ میں اظہار غمناکی اس طرح کرتے ہیں کمر ٹوٹ گئی چھاتی پھٹ گئی دل خون ہو گیا۔ حالانکہ ایک غم زدہ مصیبت کا مارا تصنّع و تکلّف کر نہیں سکتا یہ تو جذبات کا زور ہے جو اس کے منہ سے کلمات استعارے میں نکل رہے ہیں۔ اب ایک ایسی چیز جو اس قدر عام ہو سلسلۂ نظم میں کس قدر ندرت و لطافت چاہے گی۔ شاعر کا اس صنف صنعت میں یہ کمال ہے کہ اوس کے استعارے و تشبیہ ایسی روانی و سلاست سے نظم ہوئے ہوں جس میں تکلّف و تصنّع کا شائبہ تک نہو۔ ایسی جدت و ندرت اوس تشبیہ و استعارے میں ہو کہ اوسے سنکر سامع میں شگفتگی پیدا ہو جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضرور ہی کہ اوس میں پیچیدگی نہو جدت ہو زور ہو لیکن سامع کو سمجھنے میں تکلّف نہو۔

اب ہم جا بجا سے ایسے اشعار التقاط کر کے لکھتے ہیں جن کے طرز ادا اور حسن بیان میں ندرتِ تشبیہ یا جدّت استعارہ یا کوئی دوسری خوبی ایسی پائی جاتی ہی جو مثنوی کے لئے زیور ہے۔ ایسے اشعار کے مواقع سمجھنے کے لیے قصوں کو ضرور پڑھ جانا چاہیے۔ یہاں تو صرف کلام کی خوشنمائی و دل فریبی کا بیان مقصود ہی۔

بہشت سوم

زاں طلسمے کہ گرد مردِ دلیر　　　مہ زبر شد عطارد آمد زیر

یہ وہ موقع ہی کہ حسنِ زرگر اپنی حکیمانہ چال سے اُس قید خانہ بلند سے رہائی پاتا ہی اور اُس کی بی بی جس نے افشائے راز کیا تھا وہ اوپر پہنچکر قید ہو جاتی ہی۔ عطارد کی منزل چاند سے اوپر ہی۔ یہاں معاملہ برعکس ہو گیا۔ اس لیے خوبی مصرعہ ظاہر۔

بہشت چہارم

جانِ شیریں بداں شکر خا داد　　　خضرے را دمِ مسیحا داد

بادشاہ ہرن کے کالبد کو چھوڑ کر طوطی کے قالب میں آیا ہی طوطی ہند کی شکر گفتاری مشہور ہے اس موقع پر اُس کو مسیحا دم بتانا اور رنگ سبز کی باعث خضر سے جنھیں حیات جاوید حاصل ہی تشبیہ دینا قابل لحاظ ہی۔

ایضاً

در زماں مرغ را بہ خنجر کشت　　　کشتہ را بیں کہ باز دیگر کشت

وزیر نابکار کالبد شاہی کو چھوڑ کر مرغ کے مردہ جسم میں آیا ہی۔ لطیفہ یہ ہی کہ کوئی ایک بار

مرتا ہی یہ بدشعار وزیر دو بار مرا - ایک تو جب اپنے قالب کو رہا کرکے قالب شاہی میں آیا - اور ایک جب مُرغ کے قالب میں آکر ذبح ہو گیا -

بہشت پنجم

بان نو شد نشاط فرماید | خسپد و خیزد و فرود آید

جس طرح ایک موصوف کے لیے کئی صفات پے در پے ذکر کرنا صنعتِ تنسیق الصفات ہی اسی طرح چند افعال کا پے در پے ایک فاعل کے لیے بیان یہ بھی صنعت ہی -

بادشاہ کی بادہ پیمائی، معشوقہ دل نواز سے طرب انگیزی، خواب شیریں کا لطف اور سحر کے وقت بالاخانہ سے اتر کر باہر آنا یہ سب کس اختصار کے ساتھ ایک شعر میں آگیا ہی -

ایضاً

کردہ رہ تا بجائیگاہ رسید | زیر زیر زمیں بماہ رسید

جائے گاہ معنی منزل گاہ - زیر زمیں چل کر ماہ تک پہونچنے کا لطیفہ کیسا نادر ہی -

ایضاً

شاہ را کامد آں صنم در پیش | گم شد آں دل در وپس اندر خویش

بادشاہ ملکہ کو دیکھکر پہلے اُس کے حسن و جمال سے متحیر و ششدر ہو جاتا ہی - پھر اُس کی صورت بعینہ اپنی معشوقہ بادشاہ بیگم سے مشابہ پا کر دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہی - الٰہی یہ ماجرا کیا ہی - غیر کا مکان - غریب الوطن میزبان اُس کے گھر بادشاہ بیگم ساقی کی خدمت

کیونکر انجام دے سکتی ہے۔ اس جلسہ میں اُس کا آنا اور اس بے حجابی سے محفل میں حاضرین کو ادائے محبوبانہ سے والہ وشیدا بنانا کیونکر ممکن ہے ع

گم شد اوّل در دپس اندر خویش

میں اختصار ووضاحت کو جس طرح جمع کیا ہے وہ قابل ہزار داد ہے۔

بہشت ششم

آفتابے بکف گرفتہ چراغ	دید کامد بروں ز گوشۂ باغ

صد ہزاراں ستارہ گرد و پیش	خود چو خورشید و شمع اندر پیش

یہ وہ سماں ہے کہ پریوں کی ملکہ پچھلی شب کو چراغ ہاتھ میں لیے باغ میں آتی ہے اور پریاں ستاروں کی طرح اس کو حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ شاعرانہ انداز بیان کا لطف ظاہر ہے۔

ایضاً

شمع را پیش برد قبلہ حور	او چو پروانہ در حوالی نور

یہ وہ موقع ہے کہ پریوں کی ملکہ کی کنیز سوداگر زادہ کو بلا کر لے جاتی ہے۔ خود شمع لیے ہوئے آگے آگے جا رہی ہے۔ اور سوداگر زادہ اس کی روشنی میں پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ پروانوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں شمع ہوگی وہاں اُڑ کر آئینگے اور جمع ہونگے۔ اب شمع کو جہاں لے جاؤ وہ اُس کے ساتھ ساتھ ہیں سوداگر زادہ جس لطف و کیف میں کہ اُس کنیز کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے الفاظ میں اُس کی بہتر تصویر کشی اس سے اور کیا زیادہ ہو سکتی ہے۔

ایضاً

بر دغارت بُدرجِ مروارید — او ہمی چیداین ہمی بارید

لطف بوسہ بازی کی یہ ایک اچھوتی تشبیہ ہی۔ جس انداز سے امیر صاحب نے اس مضمون کو بیان کیا ہی یہ اُنھیں کا حصّہ ہی۔ دوسرے کسی شاعر کے کلام میں اس لطف کے ساتھ یہ مضمون نہیں دیکھا گیا۔

ایضاً

صُبح چوں کرد جیبِ ظُلمت چاک — سایۂ خاک رفت ہم در خاک

تاریکی شب زمین کا سایہ ہی۔ جب صُبح ہوتی ہی تو سایہ جہاں سے نکلا تھا اُسی جگہ پوشیدہ بھی ہوجاتا ہی۔ بیان کا یہ طرز اپنی جدت میں کیا شان رکھتا ہی۔

بہشت ہفتم

مو پریشان و روخراشیدہ — سمن از برگِ گل تراشیدہ

ملکہ نے حنائی انگلیوں سے اپنے چہرہ کو جو نوچا ہی اس کی کیسی پیاری تشبیہ ہی۔ پھر ایک ہی شعر میں الفاظ پریشان و خراشیدہ و تراشیدہ اظہار رنج و غم کے لیے کس قدر موزوں و جامع ہیں۔ اِس کتاب کی شعر و شاعری کے متعلق جن لطائف کا نمونہ پیش کرنا تھا جستہ جستہ اُن کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

اب دوسری حیثیت سے اس کتاب پر تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت ہی جس سے یہ معلوم ہو کہ محاسن شعری کے علاوہ قصّوں کے ساتھ ساتھ کوئی سبق اخلاق کا بھی ملتا ہی

یا نہیں۔ ان داستانوں سے اصلاح نفس و حصولِ عزت بھی ممکن ہی یا نہیں۔ قصص کے ذیل میں تدبّر و تفکر کا نتیجہ اور اُس کی ترغیب پائی جاتی ہی یا نہیں۔ مصنف نے تصنیف کے وقت ان باتوں کا خیال رکھا تھا یا نہیں، ناقد کو اس سے کوئی بحث نہیں ہاں اگر مصنّف کا خیال بھی کسی طرح معلوم ہو جائے۔ تو یہ ایک اضافہ اُس مصنف کے کمال میں ہوگا۔ لیکن نقد کے لیے صاحب تصنیف کے خیال کی جُستجو ایک عبث شئے ہی۔

الف لیلہ کب لکھی گئی اور آج یورپ اُس پر اپنے نوٹ چڑھاتا ہی جس سے تاریخی معلومات پیدا ہوتے ہیں حالانکہ لکھنے والے کا خیال بھی اس طرف نہیں گیا ہوگا کہ یہ داستان الف لیلہ کسی وقت اُن بیش بہا معلوماتِ تاریخی کا سُراغ بتائیگی۔ مصر کا تمدن بہت قدیم تھا۔ اُس وقت کی لکھی کوئی تاریخ ڈھونڈو تو نہ ملیگی۔ لیکن اُس کے کھنڈروں میں پھر کر اور قدیم آثار میں غور و فکر پیدا کر کے عہد قدیم مصر کی ایک تاریخ درست کر دی گئی جس پر بہت کچھ اعتماد کیا جا سکتا ہی۔ ایک سُراغ سے اتنے نہانی سراغوں کا پتہ لگا ہی کہ عقل متحیر ہو جاتی ہی۔

انگریزی میں شیکسپیر کے ڈرامے مشہور ہیں۔ لیکن اب اُن ڈراموں کی شارحین نے وہ بال کی کھال کھینچی ہی اور نکات بیان کیے ہیں کہ شاید شیکسپیر کا وہم بھی وہاں تک نہ پہنچا ہوگا۔ غرض اس سے یہ ہی کہ ناقد کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جس نکتہ کو وہ بیان کرنا چاہتا ہی مصنّف کا ذہن بھی اُس طرف منتقل ہوا تھا یا نہیں۔ اُس کو کامل اختیار حاصل ہی کہ مفید یا غیر مفید جیسا کچھ بھی وہ نتیجہ حاصل کرے اُسے بیان کر دے۔ لیکن امیر علیہ الرحمۃ

میں یہ کمال ہی کہ جس طرح نظم کی قوت اُن میں وسیع ہی اسی طرح اخلاق کا دامن بھی اُن کا طویل الذیل ہی۔ وہ صرف شاعری نہیں کرتے بلکہ امراضِ روحانی کے لیے تیر بہدف نسخے لکھتے ہیں۔ ادویات کی تلخی کو قصص وحکایات کی شوخی وشاعرانہ تخیل سے خوش گوار و زود ہضم بناتے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں قصے تو عیش وعیاشی کے ہیں لیکن ؎

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است   ہر کہ دیدش نقد خود مردانہ است

اگر ذرا تعمقِ نگاہ سے کام لیا جائے تو بیشمار فواید معاشرت و اخلاق اور تمدن وغیرہ کے انھیں قصوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ہشت دوم میں جو قصہ ہی اُس میں شاہزادوں نے جس طرح آثار وعلامات کو دیکھکر حکم لگائے ہیں۔ اُسی سے معلوم ہوتا ہی کہ کائنات کا ہر ذرہ گوناگوں علوم ومعارف کا دفتر اپنی ذات میں پنہاں رکھتا ہی۔ صحیفہ عالم کے مطالعہ کرنے والے انھیں پیش پا اُفتادہ چیزوں سے معلومات کے زر وجواہر رول لیتے ہیں۔ ایک غافل وہاں سے بے خبر گذر کر اُن بیش بہا جواہر سے محروم رہ جاتا ہی۔ کائنات کی طرف امعانِ نظر سے دیکھنا اور اُس میں تفکر وتدبر پیدا کرنا بڑے بڑے نہانی اسرار کا انکشاف کر سکتا ہی جو تزائدِ عقل۔ اصلاحِ نفس وترقی تمدن کے باعث ہو سکتے ہیں انگریزی میں اس طرح کے غور وفکر کو (Observation) آبزرویشن کہتے ہیں۔ فلسفہ طبیعات میں اس کی صدہا مثالیں ہیں۔ ہشت سوم میں حسن زرگر کے قصہ سے یہ نصیحت حاصل ہوتی ہی کہ اپنے راز کی حفاظت ضروری امر ہی۔ خاص کر عورتوں سے اُس کا اظہار بسا اوقات خطرات سے دوچار کر دیتا ہی۔ طبقہ اناث کی خلقت کمزور ہی

اور عقل بھی ناقص۔ حسن زرگر نے اپنے راز کو بیوی سے ظاہر کردیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے ایک بہت ہی بلند منارہ پر اُس کو مقید کردیا۔ اسی قصہ سے دوسری نصیحت یہ حاصل ہوتی ہے کہ مصیبت کے وقت اگر دامن صبر ہاتھوں سے نہ چھوٹے تو مخلصی آسان ہے۔ جیسا کہ حسنِ زرگر نے قید ہو کر اپنی عقل کو پراگندگی سے بچایا۔ اور پھر عقل سے کام لیکر اپنے آپ کو رہا اور مفشئ راز کو قید کردیا۔ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ کمال اگر بخت واتفاق سے مصائب میں مبتلا ہوجائیں۔ اور حساد و اعدا کا وار اُن پر چل بھی جائے پھر بھی کمال آخر میں انھیں مرتبۂ اعلیٰ تک پہنچا ہی دیتا ہے۔ جس طرح کہ حسن زرگر بادشاہ کی خدمت میں بلند منصب تک پہنچا۔ اس کی طرف امیر صاحب بھی اشارہ فرماتے ہیں ؎

از خرد کارش آں روائی یافت — کز ملک شغل کدخدائی یافت
تا بدانی کہ ہر کرا خرد ست — آرزو ہاش در کنار خود ست

اِن دو شعروں سے یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ خسرو کا مقصد قصہ خوانی نہیں ہے بلکہ تلقین و نصیحت کا یہ ایک پیرایہ ہے۔ ہاں یہ سوال ایک سطحی نظر کا شخص کرسکتا ہے کہ نصیحت کسی ایسے قصہ سے بھی بیان کی جاسکتی تھی جس میں اس طرح کے مضامین خلاف تقدس نہ ہوتے۔ لیکن ارباب فن جو اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے ہیں وہی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ نصائح کے محتاج وہی بیچارے گنہگار ہیں جن کا حاسہ اخلاق اسقدر مردہ و بے حس ہوگیا ہے کہ نیکی و کمال کے محاسن سنکر اُن کے حاسۂ اخلاق میں جنبش تک نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے سمجھانے کا یہی طریقہ بہتر ہے کہ وہ جن معائب میں مبتلا ہوں

قصہ اُنھیں کے رنگ کا چھیڑا جائے۔ ہم مشربی وہم رنگی اُن کی توجہ کو کامل طور سے مبذول رکھیگی۔ لیکن جب کہ آخر میں نتیجہ رسوا کن نکلیگا تو اُن کو یقیناً خود بخود یہ خیال پیدا ہوگا کہ جس طرح ہمارے ہم مشرب کو رسوا ہونا پڑا ہو سکتا ہے کہ ہمیں بھی رسوائی نصیب ہو۔ بہرحال اس بحث کا یہ محل نہیں۔ یہاں تو صرف اسقدر بیان کرنا ہے کہ خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدَرَ۔ ہزل بگزار جد از وبردار کو پیش نظر رکھکر اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت کچھ زر و جواہر خرابہ سے بھی مل سکتے ہیں۔ کیسے مبارک نفوس تھے مسلمین سلف کے جن کے ہزل میں بھی فوائد ومنافع تھے۔

مقابلہ ہفت پیکر و ہشت بہشت

اس سے پیشتر کہ مقابلہ میں دونوں کا رنگ دکھایا جائے یہ کہدینا مناسب ہے کہ مقصود دونوں حضرات کے لطف کلام کا اظہار ہے نہ کسی کی پستی و بلندی دونوں کلام اپنے اپنے رنگ میں ارفع واعلی۔ پستی کا کسی جانب گزر کہاں۔ دونوں ہمارے ہر حیثیت سے پیشوا ومقتدا۔ ہاں جس کے کلام میں جو لطف و نزاکت کہ فقیر نے سمجھی ہے اُسے اپنی فہم کے مطابق اہل وطن کے سامنے پیش کردیا ہے۔ اگر اُنھیں بھی پسند آئے تو چشم ما روشن ورنہ دلِ ما شاد۔ یہ تو اپنا اپنا مذاق ہے اور اپنا اپنا معیار ہے

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن ‏ ‏ نہ مرا گوش بہ مدحے نہ مرا ہوش ذمے

منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے ‏ ‏ جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

حمد حمد کا مضمون ایسا دلچسپ ترانہ اور دلکش نغمہ ہے کہ تمام عالم حیوان، نبات وجماد کی زبان قال وحال کا ساز اوس کے کیف ولطف سے ترنم ریز مستی وسرور ہی جس کی سبحہ گردانی کا اظہار خود محمود کے اس روح افزا صوت وصدا سے ہو رہا ہے کہ یسبح للہ مافی السموٰت ومافی الارض مگر جس کو دیکھئے ایک نئی دھن سے گارہا ہے اور جس پر نظر کیجئے ایک عجیب بیخودی کے جوش میں الاپ رہا ہی الحق ؎

اے ترا با ہر دلے رازے دگر ہر گدا را بر درت نازے دگر

پھر انسان جس کی دستار فضیلت پر علّمہ البیان کی کلغی سجائی گئی ہو اس کی شیوہ بیانی کا کیا پوچھنا۔ علی الخصوص رہروان سلوک ومعرفت تو کچھہ ایسے دلکش ساز میں حمد کی صدا سُنا جاتے ہیں کہ صدیوں بعد جب کبھی ان کے کلام کا اعادہ کیا جائے تو ارباب ظاہر وغفلت شعار بنی آدم بھی تھوڑی دیر کے لئے وجد میں آکر بیخود ہو ہی جاتے ہیں۔ اِس وقت حضرت نظامی وحضرت امیر خسرو (علیہما الرحمۃ) کی مثنوی ہفت پیکر وہشت بہشت سے چند اشعار لیکر پیش کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اوس قادر مطلق نے ان شیریں بیانوں کو کیسی قوت وقدرت عطا فرمائی تھی کہ باوجود امتداد دہر وتغیرات گوناگوں آج بھی اُن کے کلام کی حلاوت اوسی طرح ذوق نواز ہے۔

حمد کے ارکان حمد میں چند باتیں ہیں جنھیں ایک باکمال سخنور علی الترتیب بیان کیا کرتا ہے سب سے پہلے واجب الوجود وقدیم بالذّات کا مسئلہ آتا ہی اس کے بعد

ربوبیت و تخلیق کا مضمون - پھر عبد و معبود کا علاقہ اور آخر میں نیازمندی و دعا طرازی انھیں عناصر اربعہ سے ایک حمد کامل حمد کہی جاتی ہے جس کا طریقہ خود اوس جل مجدہٗ نے سورۂ فاتحہ میں بتا دیا ہے۔

اس وقت تفصیلی بحث تو ان دونوں باکمالوں کے مضمون حمد پر مقصود نہیں لیکن جستہ جستہ بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں جس سے اقلیم سخن پر اُن دونوں سخنوروں کے سلطنت کی نوعیت معلوم ہوگی۔

مسئلہ وجوب و قدم

خسرو	نظامی
اے کشایندۂ خزانۂ جود	اے جہاں دیدہ بود خویش از تو
نقش پیوند کارگاہ وجود	ہیچ بودے نبود پیش از تو
بودنی را ہمیشہ بود از تو	آفرنیدۂ خزانۂ جود
بودنا بود را وجود از تو	مبدع و آفریدگار وجود

مولٰنا نے جس خوبی سے ذات عزاسمہٗ کا وجوب و قدم اور خالق جملہ کائنات ہونا بیان فرمایا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جس سادگی سے دلیل لائی گئی ہے اور ایک کے تسلیم سے دوسرے کا لزوم جس خوبی سے پیدا کیا ہے اوس کے سامنے حکما و متکلمین کے دلائل ہیچ ہیں اوس پر بود و نبود اور جود و وجود میں صنعت تجنیس و اشتقاق صنائع لفظی کی عمدہ مثال۔

لیکن اسی مضمون کو جس روانی و سلاست سے کہ خسرو کہتے ہیں اوس کی برتری و بلندی صاف عیاں ہے۔ پہلا شعر دوسرے شعر کا جواب ہی اور دوسرا شعر پہلے شعر کا نقش ثانی وہی الفاظ ہیں اور اوسی صنعت تجنیس و اشتقاق کے التزام کے ساتھ اوسی مضمون کی تکرار ہے مگر قابل لحاظ یہ امر ہے کہ چند نئے الفاظ کی نئی ترکیب نے اصل مضمون کو کس درجہ اوج کمال پر پہونچا دیا ہے۔ خاص کر دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ "بودنی را ہمیشہ بود از تو" جہاں ذات باریتعالی کے خالق ہونے کا اقرار ہی وہاں مادیین کے ایک ملحدانہ مسئلہ کا جواب بھی ہے۔

یہ حق ناشناس فرقہ کہتا ہے کہ جس قدر اشیاء کا ظہور عالم میں ہو رہا ہے وہ تنوعات حرکت اور مادۂ قدیم کی جنبش کا نتیجہ ہے خسرو اس خیال باطل کا رد کرتے ہیں اور صحیح فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ہر ایسی شے جو ہست ہونے کی قابلیت رکھتی ہے وہ ہمیشہ ہر آن و ہر زمان تجھی سے خلعت وجود پہن رہی ہے تیرے سوا کوئی خالق کسی شے کا ہو نہیں سکتا۔ اسی شعر کا دوسرا مصرعہ "بودنا بود را وجود از تو" لطف صنعت تضاد کے ساتھ تمام ماسوی اللہ کے وجود امکانی کو جو نیستی سے فضائے ہستی میں آیا ہے جس طرح وجود واجب کی تجلیات کا مظہر بتا رہا ہے وہ بھی قابل ہزار داد ہے۔ مولنا نظامی نے جس قدر مضمون کہ اپنے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں کہا تھا اوس سے بہت زیادہ اس دوسرے شعر کے ایک مصرعہ میں موجود ہی۔

اب ایک نظر اِس پر ڈالنی چاہیئے کہ خسرو نے ان خوبیوں کے علاوہ بندش

والفاظ میں کیا ترقی کی ہے مولٰنا نظامی نے خداوند کریم کو خزانہ جود کا آفرینندہ اور امیر خسرو نے خزانۂ جود کا کشایندہ قرار دیا ہے اس وقت فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ خزانہ جود کے لئے اوس کو کشایندہ کہنا زیادہ فصیح اور بلاغت کا پہلو لئے ہوئے ہے یا آفرینندہ کہنا کوئی خاص لطف پیدا کرتا ہے۔ہم امید کرتے ہیں کہ اہل مذاق صحیح خزانہ کے لئے فتح وکشود کو زیادہ مناسب سمجھیں۔

اسی طرح مولٰنا نظامی کے کلام میں مبدع کا لفظ جس کی تفسیر عطف تفسیری کے ساتھ لفظ آفریدگار نے کی ہے وہ لطف نہیں پیدا کرتا ہے جو امیر خسرو کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں صرف ایک لفظ نقش پیوند نے اپنی چست بندش سے ایک خاص خوبی پیدا کردی ہے۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی مقلد کسی مضمون میں کسی موجد کی تقلید اس طرح کرے کہ وہ اوسی مضمون خاص کو اونھیں الفاظ میں ادا کرنا چاہے جس کو مبتدی نے اختیار کیا تھا تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مقلد چاہے جس قدر کوشش کرے لیکن اوس اصل کے مقابل اہل معنی یہ ضرور امتیاز کر لیتے ہیں کہ وہ اصل ہے اور یہ نقل۔مگر خسرو میں یہ خاص کمال اور اہل فن ہونے کی دلیل ہے کہ وہ اپنے حسن کلام اور زور بیان میں مقلد نہیں سمجھے جاسکتے۔بلکہ ہر موقع پر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنی روش خاص میں اس بندش وترکیب کے خود موجد ہیں۔

دوسری خصوصیت خسرو کی یہ ہے کہ جس مضمون کو مولنا نظامی نے انتہائے بلندی تک پہونچادیا ہے اور اس میں کوئی پہلو کمال کا باقی نہیں رہا تو وہاں سے خسرو صاف آگے نکل جاتے ہیں اور اُسے ہاتھ تک نہیں لگاتے لیکن جہاں مضمون تشنہ ہی تو پھر وہاں یہ مینہ برسادیتے ہیں خسرو کی یہ دونوں خصوصیتیں آپ کو جابجا ملینگی۔

وحدت الوجود

خسرو	نظامی
لاے توحید اژدہاست بپائے	سازمند از تو گشت کار ہمہ
کہ خدایاں خورد بغیر خدائے	اے ہمہ آفرید گار ہمہ
اندر آں لاے معرفت پیشہ	ہستی و نیست مثل و مانندت
لام الف گشت پاے اندیشہ	عاقلاں جز چنیں ندانندت
ہست بی نیست آشکار و نہفت	
ہم تو بی جز ترا نشاید گفت	

مولنا کے شعر میں ہست و نیست مثل و مانند میں جو لفظی تناسب ہے اس کا لطف ظاہر ہے لیکن عقلا کے علم و عرفان کا (ہستی و نیست مثل و مانندت) میں انحصار جیسا کہ واقعہ ہے ویسا ہی دلکش طرز میں ادا بھی ہوا ہے مگر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ وحدت الوجود کا ایک سرجوش جرعہ ہے جو ہزاروں خم کا نشہ رکھتا ہے

ایک ہی مصرعہ میں ایسے اہم مسئلہ کو اس صفائی و سادگی سے بیان کرجانا مولنا نظامی کا حصہ ہوگیا اس مسئلے کی تحقیق جسے حاصل ہوگی وہ (لے ہمہ آفریدگار ہمہ) کی جب تکرار کرے گا ایک لطف تازہ پائیگا امیر خسرو نے بھی اس مسئلہ کو بیان کیا ہے لیکن آپ نے یہاں بھی وہی طرز اختیار کیا جس طرز کے وہ خود موجد و امام ہیں یہ طرز بیان کچھ اس مثنوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سرکار خسروی کی اقلیم سخن کا یہ بے بہا جواہر اکثر اصناف نظم میں درخشاں و تاباں ہے چنانچہ وہ معرکۃ الآرا قصیدہ مرآۃ الصفا جو خاقانی کے جواب میں ہے اوس میں فرماتے ہیں ؎

زدریاے شہادت گر نہنگ لا برآرد سر تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش

اس شعر کی شرح میں مولنا جامی کا ایک رسالہ بھی ہے۔ مذکور الصدر اشعار مثنوی کو پڑھئے قطع نظر اس تجنیس و تناسب کے جو بہ پا اور پاے اندیشہ لا و لام الف میں ہے مقام نفی و اثبات کو کس عارفانہ و مجددانہ طرز سے بیان کیا ہے۔

کلمۂ توحید لاالٰہ الا اللہ کے جو رموز و دقائق ائمہ تصوّف نے بیان کئے ہیں اُن میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ توحید الوہیت عین وحدت الوجود ہے۔ افسوس کہ اوس شرح کی یہ تنقید متحمل نہیں ہوسکتی۔ بہرحال یہ اشعار وحدت الوجود کے لئے ایک بلاغت کے ساتھ گویا ایک حق نما آئینہ ہیں فہم من فہم۔

اب خسرو کا تیسرا شعر ملاحظہ ہو ؎

ہست بی نیست آشکار و نہفت   ہم تو ئی جز ترا نشاید گفت

یہ شعر دراصل مولٰنا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہے فن معقول میں واجب کی تعریف یہ ہے کہ جس کی ہستی ضروری اور نیستی محال ہست بے نیست اوسی کا ترجمہ ہے۔ ماسویٰ کا ترجمہ جز ترا واقع ہوا ہے اب شعر پھر پڑھو ہست و نیست آشکار و نہفت میں صنعت تقابل و تضاد کی خوبی عالم امکان کی بے ثباتی وجود واجب کا صورتاً و معناً ثبوت ہو الاوّل والآخر والظاہر والباطن کی طرف رہبری ایک مضامین گوناگوں کا ہجوم اس شعر میں پاؤ گے۔

ربوبیت

خسرو	نظامی
شب فرستی و شب فروزی ہم	تو دہی صبح را شب افروزی
روزی آری فراخ روزی ہم	روز را نور و مرغ را روزی

مولٰنا کے یہاں روز و شب کا مقابلہ افروزی و روزی کا تناسب قابل تعریف مگر صبح و شب اور روز و نور کے سلسلے میں روزی مرغ کا ذکر کسی قدر اجنبی مرغ کی صبح سے مناسبت ظاہر لیکن روزی مرغ کی تخصیص ذرہ غریب۔

امیر خسرو کے شعر میں شب و روز کے تقابل اور فروز و روز کے تناسب کے ساتھ اصل مضمون ایک خاص خوبی سے ادا ہوا ہے جس طرح شب افروز ماہ ہے اوسی طرح فراخ روز آفتاب جس کا تقابل تناسب معنوی کا عمدہ پہلو ہے مگر بحالت یاے مجہول

آفتاب کو فراخ روز اور بحالت یاے معروف فراخ روزی کہنا اس ترکیب میں دو معنی کا ایہام ہے جن میں ہر ایک بجاے خود لطف سے خالی نہیں اوّل فراخ روز اُس شخص کو کہتے ہیں جو بخت و دولت میں اوروں سے زیادہ حصہ رکھتا ہو۔ اس اعتبار سے تمام کواکب کے مقابل آفتاب اس صفت میں مخصوص ہے۔ دوم فراخ روز و فراخ روزی کی ترکیب لفظی دلالت کرتی ہے کہ جو شخص روز یا روزی کا ذریعہ ہے وہ فراخ روز یا فراخ روزی سمجھا جائیگا ایسی حالیتں جبکہ آفتاب ہر روز کی روشنی کا ذریعہ اور مربی نباتات ہے بہر نوع وہ فراخ روز یا فراخ روزی ہوسکتا ہے۔

نظامی	خسرو
اے بتو زندہ ہر کرا جانیست	گر بجاں زندگی ست حیواں را
وز تنور تو ہر کرا نانیست	زندگانی تو میدہی جاں را
بحیات ست زندہ موجودات	جاں کہ اورا بہا ندا ند کس
زندہ لیک از وجود تست حیات	رایگانش دہی بمور و مگس

مثنوی کی سلاست موجود رکھتے ہوئے خدا کی رزاقی و حیات بخشی کو معمولی طور پر بیان کیا ہے پہلے شعر میں اس کے سوا کوئی خاص خوبی نہیں ہے ہاں دوسرا شعر مولنا کے کمال کا شاہد ہے اور آپ کی خلاقی مضمون کا نمونہ۔ لیکن خسرو کے یہاں یہی مضمون ایسے طرز سے ادا ہوا ہے کہ اُس میں جان پڑگیٔ۔ زندگی و زندگانی

کا تناسب اور مور و مگس کا مقابلہ جان کے عزیز و بے بہا ہونے کو تیسرے مصرعہ میں ثابت کرتے ہوئے خزانہ کریم کی بے دریغ بخشش کو "رایگانش دہی" کے ساتھ بیان کرنا عجیب جاں نواز انداز ہے۔

خسرو کا پہلا شعر مولنا کے دوسرے شعر کا نقش ثانی ہے جس کے خط و خال زیادہ دلپذیر ہیں لیکن دوسرا شعر خاص خزانہ خسروی کا درشا ہوار ہے۔

مدعا طرازی

نظامی	خسرو
چوں کہ بر درگہہ تو گشتم پیر	آمدم بر درِ تو بے خود وار
زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر	با خودم دار و بیخودم مگذار
چہ سخن کیں سخن خطاست ہمہ	بکرم رخت خواجگیم بسوز
تو مرائی جہاں مراست ہمہ	بندہ ام خوانُ بندگی آموز
منِ سرگشتہ راز کارِ جہاں	دُور کن باد خسروی ز سرم
تو توانی رہاند باز رہاں	پُر کن از خاک بندگی بصرم

مولنا کے اشعار دعائیہ پڑھو۔ اُن سے یہ معلوم ہوگا کہ ایک وہ بندہ جسکی عمر آستانہ خالق پر بسر ہوئی ہے پیری کی حالت میں جب مقام خوف کی سیر کرتا ہے تو (زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر) کی صدا بلند کرتا ہے پھر جب مقام رجا پر پہونچتا ہے اوس وقت (تو مرائی جہاں مراست ہمہ) کا جلوہ اوس کے پیشِ نظر

ہوتا ہے ان سب سے اوس بندے کی شکستگی وخاکساری اور توکل وقناعت کلی
صاف ظاہر ہے لیکن یہی دعا جب خسرو کی زبان سے نکلتی ہے تو سوز و گداز
سوختگی و برشتگی بیہوشی و خود فراموشی میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے پھر دعا کا خاتمہ
جس مدعا پر کیا ہے وہ کمال بلندی حوصلہ سے مشعر ہے۔

بیخودو باخود خاک و باد کا تقابل و تناسب باد خسروی کا ایہام اور خواجہ
و بندہ کا تلازم گویا صنایع لفظی و رعایات معنوی کا گنجینہ ہے اور نفس مضمون کو جس
خوبی سے بیان کیا ہے اوس کا پورا لطف اہل معنی کو آسکتا ہے۔ خاص کر تیسرے
شعر میں جس مدعا کی خواستگاری کی گئی ہے وہ تصوف و سلوک کے ایک بڑے
مقام کی آرزو ہے بظاہر اس کے یہ معنی ہیں کہ کبر و نخوت کو میرے دماغ سے
دور کر دے اور نیازمندی و بندگی کی خاک سے میری نگاہ کو بھر دے لیکن حقیقتاً
غرض یہ ہے کہ خودی و ہستی کے خیال کو میرے سر سے نکال تاکہ میں خود کو مٹا کر
فضائے خدائی کی سیر کر سکوں جسے اصطلاح صوفیہ میں سیر فی اللہ کہتے ہیں اور
میری آنکھوں کو جو لوازم بندہ و حادث کی دیکھنے والی ہیں اونھیں لوازم بندگی
کی خاک سے پُر کر دے تاکہ مجکو لوازم بندگی بالکل نظر نہ آئیں اور یہ قاعدہ ہے
کہ جب خاک سے بصر پر ہو جاتی ہے تو بینائی کچھ کام نہیں دیتی ہے۔ حمد کے یہ چند
اشعار جو ان دونوں باکمالوں کے پیش کیے گئے اُن میں اتحاد مضمون تھا جس
سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ ایک ہی مضمون و مفہوم کون کس نکتہ سنجی سے ادا کرتا ہے

اب چند اشعار بلا مقابلہ ایسے نقل کئے جاتے ہیں جن کا مضمون باہم متحد نہیں ہے،

خسرو	نظامی
از تو خاکی خوش ست آتشی ناچیز	نام تو کابتدائے ہر نام ست
بولہب خوار و بوتراب عزیز	اوّل آغاز و آخر انجام ست
ہر کرا شکر گوئے خویش کنی	اوّل الاولی بسبق و شمار
نعمتش را بشکر بیش کنی	آخر الآخرے باخر کار
وانکہ با شکر نبودش خویشی	ہر کسے نقشبند پردۂ تست
گوشمالی دہی بدرویشی	ہمہ ہیچند کردۂ تست
	ہمہ را روئے با خدا دیدم
	واں خدا بر ہمہ ترا دیدم

مولانا نے دوسرے شعر میں ہوالاوّل و ہوالآخر کے مضمون کو جس سہل ممتنع الفاظ میں فصاحت و سلاست کے ساتھ بیان کیا ہے اوس کی خوبی ذوق سلیم چاہتی ہے اسی طرح دیگر اشعار بھی اپنی اپنی روش میں ایک خاص معنی رکھتے ہیں۔

خسرو کے یہاں بھی پہلے شعر میں لف و نشر مرتب اور خاک و آتش خوار و عزیز کے تقابل کے سوا جو معنوی تناسب بولہب و بوتراب میں ہے اوس کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی پھر خاک کی خوشی اور آگ کی ذلّت پر بوتراب کی عزت اور بولہب کی ذلّت کو شاہد بنانا یہی حسن التعلیل ہے کہ اوس کا اظہار غیر ممکن ہے۔

نعت شریف

حمد کے بعد نعت کا مضمون گویا لازم و ملزوم کے مثل ہے ایک نکتہ داں شاعر نعت میں ایسے مضامین رنگینی کے ساتھ بیان کرتا ہے جن سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت آپ کی شان کی عظمت و جلالت ظاہر ہوتی ہے نیز وہ کمالات جو پیغمبر روحی فداہ کے ساتھ مخصوص ہیں اوس کا بیان بھی جذب قلوب کے لئے نعت کا ایک عنصر قوی ہے۔ اگر مضامین نعتیہ کی تحلیل کی جائے تو حسب ذیل اجزاء اُس کے قرار پائیں گے۔

(۱) مرتبہ ایجاد میں ذات مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل و اوّل ہونا۔

(۲) رسالت و نبوت کا ذات اقدس پر خاتمہ۔

(۳) آپ کی رسالت کا عامہ و تامہ ہونا۔

(۴) آپ کی شریعت کا تمام شعبہائے حیات انسانی کے لئے ایک کامل دستور العمل ہونا۔

(۵) آپ کے اخلاق مثل شفقت، رحم، عطا، سخا، شجاعت، ہمت وغیرہ اور معجزات۔ انہیں مضامین سے رنگیں بیان شاعر نعت کا ایک روح پرور گلدستہ تیار کرتا ہے۔ اِس مختصر تمہید کو یاد رکھتے ہوئے بُلبلان گلزار مدینہ کی نغمہ سرائی سننا چاہیے۔

خسرو	نظامی
روشنائی دہ چراغ یقیں	نقطۂ خطّ اوّلیں پرکار
نور پیشین و شمع باز پسیں	خاتم کار آفرینش کار

نو بر باغ ہفت چرخ کہن	نور او کز سپہر صد چندست
دُرۃ التاج عقل و تاج سخن	مہ شگاف و سپہر پیوندست
	انبیا پیش آں خجستہ چراغ
	طفل گہوارہ در مقام بلاغ

مولٰنا نے اوّل ما خلق اللہ نوری اور خاتم النبئین کے مضمون کو نہایت پسندیدہ طور پر بیان کیا ہے اوّل و آخر کا مقابلہ نقطہ و خط کا تناسب نو و ہفت میں سابقۃ الاعداد کا التزام جیسا کہ قادر البیانی کا مولنا کے ثبوت ہے ویسا ہی عقل و تاج سخن کا درۃ التاج کہنا ایک نکتۂ جاں نواز ہے۔

یہی مضامین اشعار خسرو میں ہیں یہاں مقصود کا بیان بدلالت التزامی ہے جس کا لطف ظاہر ہے پیشین و پسیں شگاف و پیوند کا تقابل روشنائی، چراغ، نور و ماہ و سپہر کا تناسب مہ شگاف و سپہر پیوند کی تلمیح ایسے صنایع ہیں کہ شعرا کو جن کی بندش میں طرح طرح کی دشواریاں واقع ہوتی ہیں اور یہاں بے تکلف زبان قلم سے نکلا پڑتا ہے ان محاسن کے علاوہ مولنا کے مطلع کا پورا مضمون ایک خاص بلاغت کے ساتھ امیر خسرو کے یہاں صرف ایک مصرعہ میں ادا ہو جاتا ہے نور پیشین و شمع باز پسیں۔ پھر یہ کیسی بلیغ نعت ہے اور الخلق کلھم من نوری و سراجاً منیرا کی کیسی معنی خیز تفسیر بیشک اسی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تجلیاں ہیں جو انبیاے سابقین کی معصوم و مقدس حیات اور اُن کے

چشمہ تبلیغ کی روانی و شیرینی ہمیں محسوس ہو رہی ہے اور بیشک یہ واقعہ ہے کہ ایک شمع سے ہزاروں شمعیں جگمگا اُٹھتی ہیں۔ پس وہ شمع جسے اُس حیّ و قیوم نے عرب کے دو سوکھے پہاڑوں میں روشن کیا اُس سے بیشمار شمعیں روشن ہوئیں اور ہوتی رہیں گی ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں　　　ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

پھر مہ شگاف کے لفظ میں معجزہ شق القمر اور سپہر پیوند میں آسمان کے خرق و التیام کی تلمیحیں حسن بیان کا نمک ہیں۔ تیسرے شعر کی چستی اور الفاظ کا باہم دست و گریباں ہونا ایسی وجدانی کیفیت ہے کہ اُس کا لطف بیان میں نہیں آسکتا۔ مضمون اس شعر کا ایسا بلیغ ہے جس پر صد آفرین و مرحبا۔ دیکھو تمام انبیاء علیہم السّلام کی تبلیغ ایک خاص قوم تک محدود تھی اور اُن کی شریعت ایک خاص دور ایّام کی مصلح۔ ان انبیاء علیہم السّلام کا کیا ذکر جن کی تبلیغ و تعلیم سے اُمت محروم رہی اور اُنھیں اپنی اُمت ہی کے ہاتھوں جامِ شہادت پینا پڑا۔ اُن اولوالعزم انبیاء علیہم السّلام کو دیکھو جن کی دعوت تبلیغ کو لبیک کہا گیا کہ افرادِ اُمت میں سے کسقدر اُن کے متبع ہوئے اور متبعین پر کہاں تک اُس تعلیم کا اثر تھا۔ بنی اسرائیل کا موسیٰ سے یہ کہنا کہ یاموسیٰ اجعل لنا الٰہا کما لہم آلہہ۔ (یعنی اے موسیٰ ہمارے لیے بھی تو ایک ویسا ہی معبود تیار کر جیسا کہ اُن لوگوں کا معبود ہے) اور عیسائیوں کی تثلیث کیا ظاہر کرتی ہے۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جل مجدہ نے خاتم النبیٖن، کافۃ للناس، رحمۃ للعالمین فرما کر آپ کے دامن رسالت کو ایسا وسیع فرما دیا کہ تمام عالم علوی و

سفلی اوس کے سایۂ رحمت میں تا یوم محشر آ گئے دعوت تبلیغ و تاثیر توحید کا نقش دیکھنا ہو تو مہاجرین و انصار کا تصوّر کر لو۔ آغاز اسلام میں کیا کچھ مصائب ان نفوس قدسیہ پر نہ گذر گئے مگر توحید سے ذرّہ برابر جنبش نہو ئی آج بھی کلمۂ شہادت کا اقرار خالص توحید کا ثبوت دے رہا ہے اس شعر کو اب پھر پڑھو ؎

انبیا پیش آں خجستہ چراغ — طفل گہوارہ در مقام بلاغ

رسالت ختم المرسلین کے کیسے دقیق نکتوں کی طرف اشارہ ہے فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار

نظامی

اوّلیں گل کہ آدمش بفشرد
صافِ او بود دیگراں ہمہ دُرد
و آخریں دور کاسماں راند
خطبۂ خاتمیت او خواند
ایں جسد را حیات ازاں جانست
ہمہ تختند و او سلیمان ست

خسرو

خاتم چرخ زادہ ز انگشتش
پدر او چکید از پشتش
اوست جانے کہ قالبش بہ یقیں
جان روح اللہ است روح امیں

مولنا کے اشعار میں اول و آخر صاف و درد جسد و جان کا تقابل اور خاتم و سلیمان و تخت کا تناسب لفظی و معنوی نہایت ہی پسندیدہ ہے۔ وجود باجود کو اصل الاصول اور بدایت و نہایت کا ذات اقدس سے تعلق ثابت کرنے کے لئے جو الفاظ جمع کئے ہیں ہر ایک اون میں سے ایک در خوش آب (ہمہ تختند و او سلیمان ست) ہے

ایک نئی ترکیب سے سلطان کونین کی حکمرانی ظاہر و باطن کا اظہار۔

مگر خسرو نے اس موقع پر نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی جدّت کو اوج کمال پر پہونچا دیا ہے دونوں کے پہلے شعر کو پڑھو ذات گرامی روحی فداہ کے اصل ہونے کو جس طرح خسرو نے بیان کیا ہے اوسکی بلندی علانیہ پاؤ گے۔ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین۔ انا من نور اللہ والخلق کلّھم من نوری کی تلمیح کیسی لطیف ہے حضرت عیسیٰ جن کا لقب روح اللہ اور حضرت جبرئیل جن کا لقب روح الامین ہے اون کی جانوں کو جان نازنین کا قالب قرار دینا اشعار نعتیہ کی روح ہے۔

خسرو	نظامی
امّی و حرف سنج تختۂ کن	امّی و امّہات را مایہ
قلمش راست کار و راست سخن	عرش سایہ است عرش را سایہ
کاف و نون یک قم ز نامۂ او	پنج نوبت زن شریعت پاک
لوح محفوظ زیر جامۂ او	چار بالش نہ ولایت خاک
بہترین نقطۂ رسل بشمار	ہمہ ہستی طفیل او مقصود
آسماں دائرہ است و او پرکار	او محمدؐ رسالتش محمود

مولٰنا کے اشعار میں امّی و امّہات محمد و محمود کا اشتقاق پنج نو اور چار میں سیاقۃ الاعداد و مثنوی کا زیور ہے۔ لیکن آپ کے اُمّی ہونے پر آپ کو مایۂ اُمّہات جو کہا ہے ایسی عجیب و غریب نعت ہے کہ مولٰنا غالباً اُس کے موجد ہیں۔ فقیر کے علم میں

کسی دوسرے شاعر نے اس لفظ کو اس طریق سے نہیں باندھا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ان دونوں فدائیان رسول نے نظم میں بیان کیا ہی نثر میں ایسی تصویر کشی کی جائے کہ تمام خط و خال اُس کے واضح ہو جائیں لیکن مدعی متعصب کا خیال قلم روکتا ہے اس لئے صرف ایک اشارہ کرتا ہوں کہ اصطلاح شعر لفظ امہات میں ارباب فلاسفہ سے الگ ہے حکما کی اصطلاح میں امہات سے مراد اربعہ عناصر ہوتے ہیں لیکن شعرا کے نزدیک کبھی اس کا اطلاق عالم علوی و عالم سفلی پر ہوتا ہے اور کبھی امہات سے امہات اسماء مراد ہوتے ہیں جو موافق مذہب صوفیہ الاوّل والآخر والظاہر والباطن یہ چار اسماء الٰہیہ ہیں ان لطیف اشارات کا لحاظ رکھتے ہوئے شعر پڑھیے اور ہزاروں داد دیجیے۔

خسرو بھی علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں۔ امیّ ہونے پر عالم ماکان ومایکون ہونا لوح محفوظ کا آپ کے زیر خامہ ہونا بہترین نعت ہے اُس پر لوح و حرف تختہ و قلم کاف و نون نقطہ و دائرہ و پرکار کا تناسب نہ پنج میں سیاقۃ الاعداد ان صنائع نے مثنوی کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ لیکن مایہ امہات جو تاثیر بے اختیار پیدا کرتا ہے وہ لطف کہاں۔

نظامی	خسرو
شاہ پیغمبراں بہ تیغ و بہ تاج	ختم پیغمبراں یار خدائے
تیغ او شرع و تاج او معراج	گمرہاں را بصدق راہ نمائے

خسرو	نظامی
منکر شرع راز اصل و زفرع	امر و نہیش براستی موصوف
سرزدہ ہم بتازیانۂ شرع	نہی او منکر امر او معروف
بہدایت دلیل بے دیناں	ہرکہ برخاست میفگندش پست
بشفاعت پناہ مسکیناں	وانکہ او فتاد میگرفتش دست
چوں بحجت زہر دعوی خاست	تیغ ازیں سو بقہر خوں ریزی
حجت اورا درست و دعوی راست	رفق ازاں سو بمرہم آمیزی
در جہاں گیری از زبر تا زیر	مرہمش جاں نواز تنگ دلاں
ہم زبانش درست و ہم شمشیر	آہنش بند سای سنگ دلاں

سیاست نبوی کا سیاست سلطانی سے جس خوش اسلوبی سے فرق بتایا ہے وہ قابل لحاظ ہے جس نے غزوات کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہوگا اس مقام کا لطف اوسے آئیگا ستم شعاروں کی سرکوبی کے ساتھ مجروح دلوں پر رحمت وشفقت کا کیسا پھایا رکھا ہے۔ ان باکمالوں نے حمد و نعت میں مسائل صحیحہ کی ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ اگر صحیح مذاق سے ان کی کتابیں پڑھی جائیں تو بہت کچھ عقل کی روشن کرنے والی باتیں معلوم ہوں باعتبار مضمون و مفہوم دونوں حضرات کے اشعار یکساں ہیں۔ لیکن شاہ پیغمبراں میں وہ قوت نہیں جو ختم پیغمبراں میں ہے۔ اسی طرح خسرو کے اس مصرعہ میں کہ "بشفاعت پناہ مسکیناں" جو شان رافت و رحمت عیاں ہے وہ "مرہمش جاں نواز تنگ دلاں" سے زیادہ ہے۔

نعت میں بھی تقریباً وہ اشعار لکھ دیے گئے جن کے مضمون باہم مشترک تھے اب خسرو اقلیم سخن کے اوس نعتیہ مضمون کو دیکھو جس کے یہ خود موجد ہیں اور تمام متاخرین اسی چمن ہمیشہ بہار کے گلچین ہیں۔

میم احمد کہ در احد غرق ست　　　کمر خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر احد کمر بند ست　　　یعنی ایں بندہ آں خداوند ست

احد و احمد کی تجنیس زائد بندہ و خداوند کا تقابل این و آں اور کمر و کمر بند کا تناسب گویا انکا روزمرہ ہے لیکن دوسرے مصرعہ کے پئے و فرق کے الفاظ صنعت تقابل کے ساتھ ممکن کو واجب سے حادث کو قدیم سے عبد کو معبود سے جس طرح ممتاز کر رہے ہیں اوس کی داد دی نہیں جا سکتی۔

قران کریم نے جہاں کہیں مراتب مخصوصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے ہیں وہاں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ عبد سے یاد فرمایا ہے مثلاً معراج کا جہاں بیان ہے وہاں یوں ارشاد ہے۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام اسی طرح انتہائے مقام قرب و اختصاص کو یوں فرمایا ہے فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ۔ اس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر اس بیان کی داد دیجیے کہ احمد کا میم جو احد کے وسط میں ہونے کی وجہ سے گویا احد میں فنا ہو گیا ہے فی الحقیقت وہ میم احد و احمد خداوند و بندہ کے فرق و امتیاز کے لئے خدمت و عبادت کا پٹکہ ہے تاکہ خلق جان لے کہ احمد بندہ اور احد خداوند ہے اور احمد ہر وقت بندگیِ خداوند میں کمربستہ و مستعد ہے۔

منقبت

جس طرح حمد کے بعد نعت کا مضمون لازم ہے اسی طرح مضامین نعتیہ کا ایک قوی عنصر خلفاے اربعہ و دیگر اصحاب کرام کی منقبت ہے کوئی نعت اصحاب کی مدح سے خالی نہیں ہوتی مولنا نظامی نے چار یار با صفا کی منقبت صرف ایک شعر میں مجملاً بیان فرمائی ہے ؎

چار یارش گزیں باصل و بفرع چار دیوار گنج خانۂ شرع

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے یہاں بھی حسن بیان و زور کلام کا دریا بہا دیا ہی ملاحظہ ہو ؎

چار یارش بچار سوے زمیں چار رکن چہار صفۂ دیں
اوّل آں اوّلیں خلیفۂ کار ثانی اثنین اذ ہما فی الغار
دوم آں کز شکوہ پایۂ او دیو بگریختہ ز سایۂ او
سوم آں جامۂ جریدۂ پاک چاشنی گیر خوان ارسلناک
چارم آں قصر دیں را دہلیز در علم و کلید خیبر نیز
آنکہ پاکند و پاک کیشانند رضی اللہ عنہم ایشانند

مذکورہ اشعار میں صنایع لفظی و معنوی تناسب و تقابل سیاقۃ الاعداد و تلمیحات عجیبہ جس قدر موجود ہیں اون کے اظہار کی ضرورت نہیں - ہاں دوسرا شعر جو خلیفہ اوّل کی مدح میں لکھا ہی وہ خسرو کا حصہ ہو گیا منقبت میں پوری آیۂ کریمہ ثانی اثنین اذ ہما فی الغار کو بحر مثنوی میں موزوں کر کے تلاوت کرنا در اصل اس مدح کی کرامت اور مبدا

فیاض کے فیض خاص کا اثر ہے اوّل کو ثانی قرار دیکر لاثانی ثابت کرنا خسروِ اقلیم سخن کا وہ انداز بیان ہے جس میں غیر کی شرکت پائی نہیں جاتی۔ علیٰ ہذا خلیفہ چہارم حضرت مولیٰ علی کی منقبت میں قصر و دہلیز و در کا تناسب اور آپ کو درِ علم و کلید خیبر کہنا ایک بے مثل بیان ہی آپ کے عقد میں جگر پارۂ نبوی بضعۃٌ منّی حضرت سیدۃ النسا فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور حضرت مولیٰ حضور اقدس کے ساتھ اخوت کی قرابت بھی رکھتے تھے اسلئے آپ کو وحی الٰہی کے محل عرش منزل کا صحن خانہ کہنا اور انا مدینۃ العلم و علی بابہا کے اعتبار سے درِ علم قرار دینا ایسا ہی بیان واقعہ ہونے پر روحانی لطیفہ ہی جس طرح خیبر کشائی کی صفت کو کلید خیبر کے استعارہ سے ظاہر کرنا ایک رنگین دقیقہ ہے۔

اہل معانی کے نزدیک کسی آیۃ یا حدیث یا دعا کے پورے جملے کو بے تبدل و تغیر کسی شعر میں موزوں کر دینا شاعر کا کمال سخن سمجھا جاتا ہی اس کمال کی بہترین مثال یہاں دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ اور آخر شعر کے آخر مصرعہ میں موجود ہی۔

معراج

معراج کا مضمون فی الحقیقت نعت اقدس کا ایک جز ہی لیکن شعرا نے اسے ایک مضمون مستقل قرار دیکر علیحدہ عنوان سے بیان کیا ہی اس میں حسب ذیل مقاموں کے بیان سے داد نازک خیالی و سخن آفرینی دیجاتی ہی (۱) شب معراج کی تعریف (۲) جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش (۳) وصف براق (۴) مقامات سیر و منازل سیارگان (۵) سیر عرش (۶) مقام قاب قوسین (۷) لامکان (۸) وصل و وصال و تکمیل و کمال (۹) رجوع بعالم صورت

باہزاراں دولت (۱۰) وقف دولت معراج برامت گنہگار۔

معراج کا عنوان قایم کرتے ہوئے دونوں حضرات کی شاعرانہ قوت نے جو عروج اختیار کیا ہے اوس بلند خیالی تک تو اس بینوا کی فہم پہونچنے سے قاصر ہے۔ بادۂ توحید مے عرفان کا وہ جوش ہے کہ اوبلی پڑتی ہے منسلک نظم میں الفاظ کے موتی نہیں ہیں بلکہ حقایق و معارف کے خم ہیں زہے قسمت اگر اُس کا ایک جام روحانی کسی کو نصیب ہوجاے ارباب فہم وذکا اگر صحیح مذاق کے ساتھ دونوں حضرات کے پورے کلام کا مطالعہ کریں تو لطف بیان سے بہرہ اندوز ہوسکتے ہیں۔

فن شاعری میں یہ بھی ایک خاص صنعت ہے کہ کسی مضمون کا اختتام اس طرح ہو کہ آیندہ مضمون کا اوس سے اظہار ہوجاے اور ماسبق کی انتہائی کڑی مالحق کے ابتداسے ملکر سلسلۂ کلام کو مسلسل کردے قصیدے میں اسی صنعت کو گریز کہتے ہیں اس صنعت کا لحاظ رکھتے ہوے مولنا نظامی نعت شریف کا خاتمہ اس شعر پر فرماتے ہیں ؎

چون نگنجید درجہاں تاجش ۔۔۔ بخت بر عرش کرد معراجش

اسکے بعد جبرئیل آمیں کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش بیان کرتے ہوئے اُس رات کی تعریف صرف ایک شعر میں تمام کردیتے ہیں ؎

نب شب قدر وقت دعاست ۔۔۔ یافت خواہی ہرانچہ خواہی خواست

خسرو علیہ الرحمۃ نعت گرامی اس شعر پر ختم کرتے ہوئے کہ ؎

گر بود مردم آسماں را تاج ۔۔۔ جز محمد کراست ایں معراج

شب معراج کے وصف میں فرماتے ہیں ؎

فرخ آں شب کہ آں چراغ دو کون | زد بقندیل عرش پرتوِ عون
شب چو بر سر نہاد چتر سیاہ | چتر اسریٰ کشید بر سرِ ماہ
جلوہ گر شد بہ لاجورد سریر | دولتش زیں سرائے دامنگیر
شب او گشتہ زیور ماہش | نور او گشتہ مشعل راہش
در دل شب ز پرتوِ آں نور | حرف باریک غیب خواندہ ز دور

شب۔ چراغ۔ قندیل۔ نور مشعل و پرتو کا تناسب۔ چتر اسریٰ کا ایہام و تلمیح گویا عارض نظم کے رخ افروز خط و خال ہیں بظاہر اشعار کا یہ مفہوم متبادر ہوتا ہی کہ رات کی سیاہی اور چاند کے سریع السیر ہونے کا بیان ہی (اصطلاح عرب میں سرے و اسریٰ رات کے سفر کرنے کو کہتے ہیں) لیکن حقیقتاً چوتھے شعر میں شب، ماہ و نور کا جو استعارہ ہے اُس کے لحاظ سے بطریق ایہام اشعار کے معنی یہ ہوے کہ جب شب کی تاریکی عالم پر چھاگئی اور ماہ فلک تیز روی سے قطع منازل کرکے روپوش ہوگیا اس وقت ماہ دنیٰ فتدلیٰ نے سر پر تاج سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کا رکھ کر عالم بالا کا سفر شروع کیا اور آپ کی شاہد دولت یعنی ذات اقدس جس وقت آسمان کے تخت لاجوردی پر جلوہ آرا ہوئی تو اس وقت گیسوے عنبرین جو واللیل اذا سجیٰ کے مظہر تھے ماہ رخسار پر جو والشمس والضحیٰ کا پرتو ہیں تجلّی آرا ہوے۔ آپ کے پرتو انوار سے وہ شب سیاہ اس قدر منور و تاباں ہوگئی کہ غیب کے اسرار خفیہ بھی دور سے پڑھے جاتے تھے۔ ان

اشعار میں جن کمالات محمدیہ کی طرف اشارہ ہی اوسے فطرت سلیم ہی سمجھ سکتی ہی۔

مولٰنا نظامی علیہ الرحمۃ نے جبریل امین کی گذارش چند اشعار میں بیان کی ہے اور رات کے متعلق صرف ایک شعر پر ختم کر دیا ہی۔ خسرو علیہ الرحمۃ نے جبریل کی گذارش میں صرف ایک شعر پر اکتفا کیا ہی اور رات کے متعلق چند اشعار لکھے ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ نہیں کہی جا سکتی۔ بہر حال جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری یا براق کی صفت یا منازل سیّارگان میں جو شاعرانہ قوت کا اظہار کیا گیا ہی اوسے ترک کرتا ہوں اور صرف اون مقامات پر جہاں زور طبیعت کا اصلی جوہر کھلتا ہی اکتفا کرتا ہوں۔

سیر عرش

خسرو	نظامی
عرش بر داز جنیبہ بارش را	قطرہ قطرہ ازاں محیط گذشت
پاے گم شد جنیبہ دارش را	قطرہ بر قطرہ ہر چہ دید نوشت
رویش افگند ز آفتاب حضور	چوں در آمد بساق عرش فراز
بر قنادیل عرش پرتو نور	نردباں ساخت از کمند نیاز

سیر عرش اگرچہ دونوں حضرات نے ایک نئے انداز سے شروع کی ہی اور ہر ایک اپنے اپنے انداز میں کامل ہی لیکن مولٰنا کا اوّل شعر اوس کمال کا نمونہ ہی جس میں کسی غیر کی شرکت ممتنع تسلیم کی گئی ہی۔ ہاں خسرو کے دوسرے شعر میں البتہ مولٰنا کے دوسرے شعر سے ترقی نمایاں ہی لیکن مولٰنا کے پہلے شعر کا سرور ایسا غالب ہی کہ اوس کی لذت

کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام افلاک سے ایک چشم زدن میں گذر جانا اور پھر ہر ایک کا تفصیلی ملاحظہ کس بلاغت وسلاست سے بیان ہوا ہی سبحان اللہ۔

اصطلاح میں قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ کسی کام کا کرنا اوس وقت کہا جاتا ہی جبکہ اوسے بالاستیعاب اس طرح انجام دیا جائے کہ ذرہ برابر بھی اوس کے تکملہ سے رہ نہ جاسے اور قطرہ بر قطرہ کی اصطلاح نہایت ہی تیزروی و تیزدوی کے معنوں میں مستعمل ہے اب شعر پڑھئے پہلا مصرعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مقام سیر میں کیا فلک اور کیا سیّارہ اوس سے اس طرح گذرے کہ ایک ذرہ برابر بھی ملاحظہ سے نہ چھوٹا اور دوسرا مصرعہ اوس تیزروی کو بتاتا ہی جس سرعت سے یہ مقامات طے کئے گئے کسی محیط سے قطرہ قطرہ گذرنا اور اوس کے ہر حصّہ کو قطرہ بر قطرہ طے کرنا کیسا بلیغ استعارہ ہی

مقام قاب قوسین

خسرو	نظامی
جلوہ کرد از برائے کو بینش	قاب قوسین او در آں اثنا
سر بدر گاہ قاب قوسینش	از دنیٰ شد بقابِ او ادنیٰ

اس مقام کا بیان دونوں حضرات نے سرسری طور پر معمولی الفاظ میں کیا ہی۔کوئی خاص لطف کہیں نہیں ہی لیکن عبودیت کی شان خسرو کے شعر میں نمایاں ہی اس بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خسرو کا شعر بہتر ہے۔

مقام وصل و وصال و تکمیل و کمال

نظامی

چوں حجابِ ہزار نور درید
دیدہ در نورِ بے حجاب رسید
گامے از بود خود فراتر شد
تا خداوندیش میسّر شد
از نبی جز نفس نبود آنجا
ہمہ حق بود و کس نبود آنجا
شربتے خاص خورد و خلعتِ خاص
یافت از قربِ حق زہے اخلاص
جامش اقبال و معرفت ساقی
ہیچ باقی نماند از باقی

خسرو

شد بجاے کہ جاں نمی گنجد
خود ہم اندر میاں نمی گنجد
دیدہ را نور لایزالی داد
سینہ را سرِ ذوالجلالی داد
چوں زعالم بروں نہاد قدم
پیش رو شد بہ پیشگاہ قِدم
یافت در خود متاع موزوں را
دید بےشک خدائے بےچوں را
نکتہ برخواند بیو کالت ہوش
قصہ بشنید بیمیانجی گوش
گوش کے سرِ غیب را سنجد
بحر اندر صدف کجا گنجد

اس مقام کا بیان جہاں کہیں بھی پایا جاتا ہی وہاں اسی طرح کے اشارات و کنایات ہیں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف دیکھو مقام قرب کا کس طرح بیان فرمایا ہی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ پہلے امکان وحدوث کا وجوب وقدم سے قرب کان

قاب قوسین سے تعبیر فرمایا اُس کے بعد او ادنیٰ کہہ دیا جہاں پہونچکر فہم گم عقل حیران تکمیل وکمال کا بیان بھی اسی طرح ہی فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ احادیث مصطفویہ بھی اسی انداز خاص سے آیات کی مفسر ہیں۔ جہاں تک سیر کا تعلق ہے وہاں الفاظ صاف، بیان واضح لیکن جہاں اس مقام کا بیان آیا وہاں پر عقل خیرہ اور علوم متداولہ بیکار۔ جس نے جو کچھ سمجھا اور جو کچھ کہا وہ نتیجہ اُن علوم کا نہ تھا جو نقوش وخطوط سے حاصل ہوتے ہیں پھر اونھیں نقوش والفاظ میں کیونکر ظاہر کیا جائے یہ حضرات جو کچھ فرما گئے اور مراتب وآداب جس طرح ملحوظ رکھے وہ اُن کی پاکیٔ نفس کی دلیل ہے۔

مولنا نظامی نے فنائیت ومحویت مطلقہ کے ساتھ وحدت وجود کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے عبد ومعبود کے فرق کو جس بلاغت و نازک خیالی سے ادا فرمایا ہی اس سحر آفرینی کی داد دی نہیں جا سکتی۔ دوسرے شعر کو پڑھو ؎

گامے از بود خود فراتر شد　　　تا خداوندیش میسّر شد

یعنی جب وہ نور ہزاروں حجابات نورانی طے کرتا ہوا بے حجاب نور تک پہونچا تو اپنے بود سے ایک قدم اور آگے بڑھا یہاں تک کہ اوسے خداوندی حاصل ہوئی لفظ بود جو مصرعہ اوّل میں ہی یہ لفظ وجود کا فارسی ترجمہ ہی وجود کے معنی مختلفہ کی طرف غور کرو پھر لفظ خداوند وخدا کے حقیقی معنی میں جو فرق ہی اوسے سوچو علواً کبیرا کی تفسیر واضح ہو جائیگی بارگاہ قدم کے عظمت وجلال کا نقشہ آنکھوں میں پھر جائیگا اور بے اختیار دل سے آداب مراتب کی داد نکلے گی۔ پانچویں شعر میں جو کیف وسرور ہی وہ صرف لفظ

باقی سے ظاہر ہوتا ہی۔ یہاں پر لفظ باقی جو قافیہ ہی اوس سے جن معانی کا ایہام ہوتا ہی اُن میں سے ہر معنی موج خیز خمیازۂ مستی و سرور ہی۔

اب خسرو کے اشعار پڑہو اسی مقام کا بیان ہی کلام کی فصاحت، بیان کی سلاست الفاظ و ترکیبوں کا باہمی پیوند، بندش کی چستی اور معانی کی آمد ایک بحر زخار ہی کہ موجیں مارتا چلا آرہا ہی اس مقام کے بیان میں کمال بلکہ بیان کی جان آداب مراتب کا پاس و لحاظ ہی اس کی نگہہ داشت مولنٰا کے اشعار میں تم دیکھہ چکے۔ خسرو کے اشعار میں اگرچہ وہ رنگینی و مرصع کاری نہیں جو مولنا کے اشعار میں ہی لیکن بیان کی روح جس روانی و صفائی کے ساتھ یہاں پاؤگے وہ اپنی نظیر آپ ہی۔ پہلے شعر کو پڑہو۔ لفظ تند جس سے بیان شروع ہوتا ہی اس کو ذہن میں رکھتے ہوے دوسرے مصرعہ کو سوچو مقام وصل کو کس ادب سے بیان کیا ہی علیٰ ہذا چوتھے شعر کا پہلا مصرعہ ایک خاص بلاغت کا نمونہ ہی متاع موزوں کو اپنے آپ میں پانا کیسا نادر لطیفہ ہی اب دوسرا مصرعہ اسی شعر کا پڑہو اور ہزار مرحبا کہو وصل و وصال کا بیان ختم ہوتا ہی سب کچھہ کہہ گئے اور آخر میں یہ فرماتے ہیں کہ "بحر اندر صدف کجا گنجد" یعنی صدف بحر میں پایا جاتا ہے بحر کی سمائی صدف میں کہاں ممکن۔ صرف اس ایک ہی مصرع میں آداب کے تمام مراتب طے کر دیے اور معارف و حقایق کا ایک دریا بہا دیا۔ مجھہ میں بیان کی کہاں طاقت ہے تم خود سوچو اگر مسائل و مقامات تصوف کے صحیح معلومات ہیں تو بے اختیار کہہ اوٹھوگے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں بلکہ کوئی ہاتفِ غیبی بول رہا ہی۔

رجوع بعالمِ صورت

خسرو	نظامی
با ہزاراں ہزار نقد مراد	با مدارائے صد ہزار درود
در شبستانِ دولت آمد شاد	آمد از لوح آں مدار فرود
بہرہ داد از رہِ جوانمردی	ہرچہ آورد بذلِ یاراں کرد
رہ رواں را ازاں رہ آوردی	وقف کار گناہ گاراں کرد
کرد چوں بخشش خاصگاں ہمہ چیز	
داد بخشش گناہ گاراں نیز	

روایات معراج اگر محفوظ ہوں تو ان تلمیحات کا لطف ہی جس وقت دربار احد سے السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ کا خلعت خاص عطا ہوا اُس وقت اُس اُمت نواز پیغمبر نے فرمایا السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین یعنی یہ سلام ہم سب پر اور خدا کے صلحا بندوں پر۔ بجائے عَلَیَّ یعنی مجھ پر کے جو علینا یعنی ہم سب پر فرمایا اس رحمت و سلامتی کے دامن میں تمام امت گنہگار کو چھپا لیا۔ اشعار مذکورہ میں انھیں بذل و نوال کی تلمیح ہے دونوں کے اشعار میں ایک ہی مضمون اور ایک ہی مفہوم۔ لیکن خسرو نے الفاظ ایسی روش سے آراستہ کئے ہیں جس سے تاثیر زیادہ ہوگئی۔

٭

مدح سلطان

حمد نعت و معراج کے بعد شعرا نے مدح سلطان و قت بھی ضرور لکھی ہے اور یہی وہ مضمون ہے جو سارے کلام میں روکھا پھیکا اور سیٹھا ہوتا ہے۔ علی الخصوص متاخرین کے کلام میں تو ایسی بدمزگی پائی جاتی ہے کہ منھ بگڑ جاتا ہے۔ ممدوح کی تعریف میں مبالغہ و اغراق کرتے ہوئے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دیتے ہیں پھر اس سے سیری نہیں ہوتی تو صفات اُلوہیت اُس میں ثابت کرتے ہیں کلمات کفریہ کہنے سے بھی باک نہیں رکھتے۔

جب اُس کے سراپا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُن کا قلم ایسا حلیہ کھینچتا ہے جو کسی معشوق طناز سراپا ناز و ادا کی شکل موزوں ہو۔ بیان جب واقعات سے اس قدر مبائن ہوگا تو لازمی نتیجہ بدمزگی ہے۔ مثلاً اگر پانی کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ زرد رنگ منجمد مثل پتھر کے سخت آگ کی طرح جلانے والا ہے تو یہ کوئی تعریف پانی کی نہ ہوئی بلکہ کائنات میں سے کسی ایسی موجود کی یہ تعریف کی گئی جس کا اسم مجہول ہے۔ بہر حال متقدمین کا کلام پھر بھی کچھ جان رکھتا ہے اسی بنا پر چند اشعار جستہ جستہ دونوں حضرات کے جو مدح سلطان میں لکھے گئے ہیں پیش کرتا ہوں۔

تمہید مدح

خسرو	نظامی
مشتری گوست کاردان سپہر	چوں اشارت رسید پنہانی
دوشش سوے من آمد از سر مہر	از سراپردہ سلیمانی

نظامی	خسرو
برگرفتم چو مرغ بال کشائے	گفت کلے از ضمیر دریا کار
تا کنم بر در سلیماں جائے	گشتہ بازارگانِ دریا بار
در اشارت چناں نمود برید	زآتش طبع یافتہ جاوید
کہ ہلالے برآورد شب عید	روز بازار گرم چوں خورشید
آنچناں کز حجاب تاریکی	آمدم تا رواج دُرِّ ثمیں
کس نہ بیند درو ز باریکی	سوے گردوں برم متاع زمیں
تا کند صید سحر سازی تو	گوہرے دہ کہ چرخ تاب بود
جادواں را خیال بازی تو	در خور گوش آفتاب بود
عطسۂ دہ ز کلک نافہ کشائے	آں گہرہا کہ آسماں تاب ست
تا شود باد صبح غالیہ سائے	کہنہ و زرد و خورد و بے آب ست

دونوں حضرات کی تمہیدیں اپنی اپنی روش میں جداگانہ انداز رکھتی ہیں۔ حضرت نظامی کے یہاں قاصد کی زبان سے مدح کی فرمائش ہے اور دربار خسروی میں مشتری جو قاضی فلک ہے وہ حاضر ہو کر آسمان کی زیب و زینت کے لئے گوہر گرانمایہ کا ملتمس ہے۔ مولانا کا چھٹا شعر خاص بلاغت کا نمونہ ہے لیکن بحیثیت مجموعی خسرو کی تمہید مولانا کی تمہید سے افضل ہے۔ مگر آئندہ مولانا نظامی نے تمہید کو بہت زور دے کر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

نام ممدوح

نظامی	خسرو
عمدۃ الملکت علاؤ الدیں	جم ثانی علاءِ دنیا و دیں
حافظ و ناصر زمان و زمیں	آسماں خاتم آفتاب نگیں
نامِ او زینتِ علا دارد	بادشاہ جہاں محمد شاہ
گر گزشت از فلک روا دارد	سائبانِ جہاں بچترِ سیاہ
فلکِ بے علاقہ دار دیست	مہ سپہرِ منورش خوانده
در علاءِ فلک بلندی ہست	دیں علاے مصورش خوانده

دونوں کے ممدوح میں اتفاق سے مشارکت اسمی ہے۔ اس لئے موازنہ کا موقع پورا ہے کہ کس نے نام کس طرح موزوں کیا اور اُس سے کیا کیا نکات پیدا کئے اگرچہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی طبیعت بادشاہوں کی مدح میں کند ہو جاتی ہے اسی لئے ان کے قصائد میں بھی خاص مدح کا حصہ کمزور ہوتا ہے یہی حال ان کا مثنوی میں بھی ہے کہ بادشاہ کی تعریف میں جوش و خروش نہیں پایا جاتا۔ باوجود اس کے کہ اُسی ممدوح کے رعایا میں ارکین دولت میں شامل ہیں پھر بھی قلم شاعرانہ انداز سے مدح سلطان میں رواں نہیں پایا جاتا۔ لیکن اگر کہیں متوجہ ہو گئے ہیں تو کسی سے کم بھی نہیں رہتے ہیں جیسا کہ اس مقام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پلّے برابر ہیں کسی کو کوئی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

سخاوت

نظامی	خسرو
بادشاہاں کہ درجہاں ہستند	ابر با این ہمہ زبردستی
ہر یک ابرے بدست بر بستند	گرد در پیش دست تو پستی
دست ابرِ تو ابرِ نیسانست	داد دریا کفِ تو دُر بہوس
واں دگر ابرہا زمستانست	کفِ دریا چہ داد مشتے خس
آبِ چشمہ کہ آب پاکی شد	ابر باری تو زاں کفے چو سحاب
با تو چوں آبِ چشم خاکی شد	ابر بارد و لے سوارک آب

مولٰنا نظامی نے ممدوح کے ہاتھ کو ابر نیساں اور دوسروں کے ہاتھوں کو ابرہاے زمستاں جو کہا ہے وہ عجب لطیف استعارہ ہے۔ اسی طرح چشموں کے آب کو پاک وصاف مان کر آب چشم وسرشک بنا دینا اور پھر اُن کا خاکی ہوجانا نہایت ہی پسندیدہ اور لطیف خیال ہے اُس پر چشمہ و چشم کی تجنیس سبحان اللہ۔ خسرو کے یہاں زبردستی وپستی کا تقابل پیش وپستی سے پس کا تضاد، لفظ کف کی تجنیس تام مماثل بے مثل ہے۔ نفس مفہوم کسی طرح مضمون سابق سے کم نہیں

کمال تیراندازی

نظامی	خسرو
نوک تیرش بہر کجا کہ شتافت	نوک پیکانش در مقام ہنر
گہ جگر دوخت گاہ موے شگافت	بردہ داغِ کلف زروے قمر

نظامی

تیرش از دست گرگ دپائے پلنگ
برسم گور کردہ صحرا تنگ

مولٰنا نظامی کے اشعار میں دست وپا وسم اور گرگ و پلنگ و گور کا تناسب پسندیدہ ہے اور نفس مضمون سے ایک خاص خوبی ظاہر ہے یعنی اُس کی تیر اندازی کا کمال میدان جنگ اور صید وحوش وسباع دونوں میں بے نظیر ہے۔خسروؒ نے ایک ہی شعر میں غلو واغراق کے ساتھ نوک تیر کے کمال کو اپنے فن وہنر میں اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ اُس سے زیادہ اوج دشوار سمجھا جاتا ہے۔

تیغ زنی

خسرو	نظامی
تیغش ار برکہ سلیم شدہ	بازی خرس بردہ از شمشیر
کوہ چوں آسیا دونیم شدہ	خرس بازی درآوردہ بہ شیر
تیغ در محش کہ خصم راسودند	شہ چو دریاست بے دروغ ودریغ
مار مسکوب وظل ممدودند	جزر ومدش بہ تازیانہ وتیغ
زد بیک چاشنیِ تیغ چو آب	ہرچہ آرد بزخم تیغ فراز
فتنہ در خواب رفت مست وخراب	بسرِ تازیانہ بخشد باز

نظامی

فتح بر خاکِ پائے او زدہ فرق

فتنہ در آبِ تیغ او شدہ غرق

مولانا نظامی نے ایک نئے انداز سے تلوار کے جوہر دکھائے ہیں پہلے شعر کا مفہوم بالکل نیا اور تازہ ہے بازی خرس و خرس بازی کی ترکیب و تقلیب سے ایک خاص لطف پیدا کیا ہے خرس بازی وہی خرسک بازی ہے جو اساتذہ کے کلام میں موجود ہے اور وہ لڑکوں کا ایک خاص کھیل ہے۔ خرس مکر و حیلہ میں ضرب المثل ہے اس لئے لفظ خرس بازی مکر و فریب کی جگہ بولا جاتا ہے علی ہذا دوسرے شعر میں تازیانہ و تیغ کا جزر و مد بطریق لف و نشر مرتب و تقابل ایک بے مثل بیان ہے مگر آخر شعر کا آخر مصرعہ "فتنہ در آبِ تیغ او شدہ غرق" ایسا سہل ممتنع واقع ہوا ہے کہ اُس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے پہلے شعر میں کوہ و کاہ کا اشتقاق و تقابل تیغ و آب فتنہ و خواب کا تناسب قابل تعریف دوسرے مصرعہ میں آیۃ کریمہ کی تلمیح اور پھر تلوار و نیزے کی تعریف میں جواب الجواب بلکہ لاجواب ہے۔ چاشنی کا لفظ بطریق ایہام یہاں جرعۂ شراب کے معنی میں نہایت مناسب واقع ہوا ہے آخر شعر کا مضمون مولانا نظامی کے آخر شعر سے بہت زیادہ اعلیٰ ہے " فتنہ در خواب رفت و مست و خراب" فتنہ کے لئے جس قدر کہ خواب موزوں ہے غرق مناسب نہیں۔ بہرحال میدان شمشیر زنی میں دونوں کی تلواریں یکساں رواں

ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔

مولٰنا نظامی نے بادشاہ کی مدح میں پوری قوّت سے زورِ کلام کا جوہر دکھایا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے مدح کرتے ہوئے ایسا ناصحانہ پہلو بدلا ہے جس سے اسلاف کی حق گوئی کا ایک بے نظیر جلوہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

سببِ نظمِ کتاب

مولٰنا نظامی نے سبب تصنیف کا کوئی خاص عنوان قرار نہیں دیا ہے بلکہ تمہید مدح سلطان میں جو قاصد سے گفتگو ہوئی ہے اُس کے کچھ اشعار سبب تصنیف قرار دیئے جاسکتے ہیں مگر خسرو علیہ الرحمۃ نے سبب تصنیف کا ایک خاص عنوان قرار دیا ہے اور ایسی طرز جدید سے اپنے شاعرانہ کمال کا اظہار کیا ہے کہ دل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ دونوں کی روش اس طرح جدا ہے کہ اُن کا صحیح مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے تقریباً خسرو ہی کے اشعار پر اکتفا کرنا ہوگا۔

نظامی

گفتمش گفتنی کہ بہ پسندند ۔۔۔ نہ کہ خود زیرکاں بر و خندند

گفتم ایں نامہ را چو دیر مجوس ۔۔۔ جلوہ دادم ازاں بہفت عروس

تا عروسانِ چرخ اگر یک راہ ۔۔۔ در عروسانِ من کنند نگاہ

از ہم آرایشی و ہمکاری ۔۔۔ ہر یکے را یکے کند یاری

آخر از ہفت خط کہ یار شود | نقطۂ بر میانِ کار شود
نقشبندے کہ نقش دہ دارد | سر یک رشتہ رانگہ دارد

طوالت کے خوف سے تمام اشعار نقل نہیں کئے گئے پورے مضمون کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی فکر رسا بحر مواج کی ایک طوفان خیز موج ہے جو دمبدم جوش مارتی ہوئی چلی جارہی ہے اور رہ گزر کے نشیب و فراز اُس کے سدراہ ہو نہیں سکتے۔ اشعار مذکور الصدر میں عروسانِ چرخ سے مراد وہی سبعہ سیارہ ہیں جن کی نسبت کو ہفت گنبد بہرام کی تعمیر میں ملحوظ رکھا ہے۔ ہفت خط جام جمشید کے وہ ساتوں خط ہیں جو علم نجوم کے موافق ہفت افلاک و ہفت اقلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔

نقش دہ سے مراد نقش دہ در دہ ہے جو اصول تکسیر کے موافق تسخیر کا اثر رکھتا ہے۔ ان اصطلاحات کے مفہوم ذہن میں ہوں اور پھر اشعار پڑھے جائیں تو کلام کی خوبی اچھی طرح سمجھ میں آئے۔

امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سبب تصنیف کی اس طرح ابتدا کی ہے۔

توصیف ایام

شبے از روز نیکمی خوشتر | وقتے از نوبہار دلکش تر
ہفت و نہ گرد ماہِ چاردہ روز | ماہتابی شدہ جہاں افروز
بر کشادہ ہولے نورانی | آسماں راگرہ ز پیشانی

ہفت، نہ اور چہاردہ میں صنعت سیاقۃ الاعداد جس خوبی سے موزوں کی ہے وہ قابل ہزار داد ہے۔ ہفت و نہ کردن بمعنی آراستگی تمام جسے اہل ہند سولہ سنگار

کہتے ہیں ماہ چہاردہ روز بدر کامل ہے جو چودھویں تاریخ کو پورا ہو جاتا ہے اس کے علاوہ شب کو روز بیضی سے خوش تر کہنا اور بدر کامل کی آرائش تمام و کمال کے بعد اُس کی چاندنی کو جہاں افروز قرار دینا کیسا لطیف خیال ہے۔

موسم بہار

زحمت از باغ بردہ بادِ خزاں | بادِ نوروز نرم نرم وزاں
گل ز شبنم پُر از نسیم شدہ | پردہ دارِ دُرِ یتیم شدہ
جنبشِ بادہائے مشک سرشت | باز کردہ دریچہائے بہشت

ان اشعار میں بادِ خزاں اور بادِ نوروز کا تقابل شبنم و نسیم کا تناسب دُر اور دُر کا اشتقاق و تجانس قابل لحاظ ہے موسم کی خوش گواری کا ایک عجب دلکش انداز میں بیان ہے خزاں کے جھونکے باغ و راغ کو ویران و سنسان کر دیتے ہیں نہ پھولوں کی شگفتگی رہتی ہے نہ بلبلوں کی زمزمہ سنجی، طبائع مضمحل جذبات افسردہ لیکن شاعر یہاں یہ ثابت کرتا ہے کہ بادِ خزاں کا جانا چمن دنیا کی تر و تازگی کا باعث ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ ہر قسم کی زحمت و بیرونقی خزاں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ گلزار عالم ایک لہکتا مہکتا چمن قدرت بن گیا تھا۔

کیفیت شاعر

من در احرام کعبۂ دل خویش | نخل بر دست و چاہِ زمزم بلیش
گشتہ کلکم کلید سینۂ من | داد بیروں ہمہ خزینۂ من
در گریباں فرو رفتہ سرم | پر گہر گشتہ دامن ہنرم

شعر اوّل میں چند الفاظ جو تناسب کعبہ کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور دیگر اشعار

میں جو استعارات نمکیں اور بلاغت رنگیں موجود ہے وہ شاعر فصیح اللسان کے قادر الکلام ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

تقریر بزبان ہمنشیں علی نامی

کامد آں ہمنشین جانی من	ناقدِ سکۂ معانی من
ہم علی نام و ہم بہ بینائی	چوں علی در کشائے دانائی
گفت اے جادوئے طلسم انگیز	موشگاف از زبانِ خامہ تیز
گاہ فکرت چو خوے کند ر ویت	صد عطارد چکد ز ہر مویت

حضرت امیر خسرو نے اس عنوان کے تحت میں ۷ شعر لکھے ہیں جن میں سے ہر ایک انتخاب لاجواب ہے زورِ سخن قوت کلام جدت شاعری میں ہر ایک شعر چشمۂ صافی کی طرح رواں ہے چوتھا شعر جو شاعر کی مشقت علمیہ کا مظہر ہے اس کی قادر الکلامی کے کمال کا کیسا آئینہ ہے یعنی وہ ہمنشیں شاعر سے یہ کہتا ہے کہ مشقت فکر کے وقت جو پسینہ آئے وہ ایسا ابر نیساں ہو کر نہ برسے جس سے موتی پیدا ہوتے ہوں بلکہ ہر بن مو صد ہا عطارد کا مینھ برسادے اس مقام کا بالاستیعاب جو صاحب ذوق سلیم مطالعہ کرے گا اُسے شاعر کی طبع کامل کا ایسا زور دکھائی دے گا کہ بحر مواج بھی اُس کے سامنے ایک قطرہ سے زیادہ بے حقیقت ہے۔

ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشر	دو ختی دامنش بدامنِ حشر
ہر جریدہ کہ ساز کردہ تست	درے از لطف باز کردہ تست
سکۂ معنی از چہار سواد	کردی آراستہ چو سبع شداد

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف　　　تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

رقعہ کا ایہام اور پھر اُس کے دامن کا دامن حشر سے پیوند چہار، سبع، پنج کا سیاق ایک ایسا وجدانی کیف ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

پہلے شعر کا مفہوم شاعر کی کس درجہ قوّتِ متخیلہ کی بلند پروازی کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس داستانِ کہنہ کو تونے اپنی تازہ بیانی سے شہرت دی ہے اُس کے دامن کو دامنِ حشر سے وابستہ کر دیا۔ اب اُس کا آوازہ قیامت تک آویزۂ گوشِ روزگار رہے گا۔

ترتیب خمسہ

دادی اوّل بہ گنبدِ دوّار　　　روشنائی زمطلع الانوار
کردی آنگاہ با نشاط تمام　　　شہد خسرو و شیریں اندر جام
باز در عالم خرد مندی　　　شورِ مجنوں و لیلےٰ افگندی
پس دہاں پر دری کردی　　　شرحِ رازِ سکندری کردی
ایں زماں کز جواہرِ انجم　　ق　مے نگاری صحیفۂ پنجم
کوش کیں خط چناں نگاری چست　　　کہ فزوں آید از چہار نخست

ان اشعار میں پنج گنج کے چار خزائن جو پہلے گوہر معانی سے معمور ہو چکے تھے اُن کا تذکرہ اُن کے ناموں کے ساتھ ہے چونکہ حضرت نظامی نے سکندر نامہ میں جو آپ کی آخری مثنوی ہے اپنی تصانیف سابقہ کا اسی طرح ذکر کیا ہے اس لئے امیر خسرو بھی خمسہ کی آخری مثنوی میں اُس کے دیگر ارکان اربعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ نظامی کے اشعار اس موقع پر اگر نقل کر دیئے جائیں تو کچھ نامناسب نہ ہونگے اگرچہ اُس کی

بحر غیر ہے مگر باعتبار مضمون پورا مقابلہ ہے کہ کس نے کس طرح کتابوں کے نام شمار کئے ہیں

سوے مخزن آوردم اوّل بسیچ   کہ سستی نکردم دریں کار ہیچ
وز و چرب و شیریں برانگیختم   بشیرین و خسرو در آمیختم
وز انجا سراپردہ بیروں زدم   درِ عشق لیلیٰ و مجنوں زدم
چو از عشق مجنوں بپرداختم   سوے ہفت پیکر فرس تاختم
کنوں بر بساطِ سخن گستری   زنم کوسِ اقبالِ اسکندری

ہر شعر کا مولانا نظامی کے خسرو کے اشعار سے مقابلہ کرلو۔ خسرو کی برتری اس مقام پر ایسی نمایاں ہے کہ محتاج تشریح و بیان نہیں۔ مولانا نظامی کا پانچواں شعر البتہ لطیف ہے باقی اشعار معمولی ہیں خاص کر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ تو بہت ہی سست ہے۔

اب اس عنوان کا صرف ایک مضمون اور لکھنا ہے جس میں مصنف نے کتاب کا نام اور اُس کا موضوع ایک خاص بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

گویم افسانہاے طبع فزاے   از لب لعبت فسانہ سراے
ہر فسانہ صراحیِ ز شراب   دور مستی و بلکہ دار وے خواب
ہر یکے را بہشت نام کنم   جام و کوثر درو تمام کنم
ہفت باشد بہشت و گوہر ہفت   ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت
پس نوشتم ز کلک مشک سرشت   نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت
تا کسے کاندرو گزر یابد   بے قیامت بہشت در یابد

صنعت سیاق و اشتقاق وغیرہ تو شاعر کا روزمرہ ہے اُس پر طبیعت کا جوش لطف زبان و سلاست بیان کے ساتھ کوثر و سلسبیل کی روانی کا مزہ دیتی ہے۔

آغاز قصّہ بذکر بہرام

خسرو	نظامی
گنج پیمائے ایں خزانہ پر	گوہر آمائے گنج خانۂ راز
از خزانہ چنیں کشاید دُر	گنج گوہر چنیں کشاید باز
کآفتابِ جمال بہرامی	کاسماں راتراز وے دوسرست
چوں شد از نور در جہان نامی	در یکے سنگ و در یکے گہرست
پدرش رخت زندگانی بست	گاہ آید چو گوہر از سنگے
او بجائے پدر بہ تخت نشست	گاہ لعلے چو کہربا رنگے
سر موئے کجی زدہر نخاست	گوہر و سنگ شد بہ نسبت تام
جز سرے کو بشانہ گردد راست	نسبت یزدگرد با بہرام

آغاز قصّے کی تمہید دونوں باکمالوں کی ایک ہی طرز سے شروع ہوتی ہی۔ گزشتہ ایام کا واقعہ ہی اس لئے عہد سلف کا مورخ دونوں کے دربار میں بہرام کی تاریخ بیان کرتا ہی۔ صنائع و بدائع دونوں کلاموں میں یکساں۔ پہلا شعر بھی ایک دوسرے کا جواب ہی لیکن امیر خسرو عہد بہرام کے امن و امان سکون و قرار کو عجب لطف سے بیان فرماتے ہیں ؎

سر موئے کجی زدہر نخاست جز سرے کو بشانہ گردد راست

یعنی اُس کے عہد میں زمانہ سے کجی بالکل دُور ہوگئی تھی کسی جگہ بال برابر بھی فتنہ و فساد نہ پایا جاتا ہاں ارباب نعمت کے سر شانہ کشی کے وقت البتہ کج دکھائی دیتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ملک آباد تھا اور اہل ملک ناز و تنعم میں زندگی بسر کرتے تھے۔

تیر اندازیِ بہرام

خسرو	نظامی
آہنِ تیر چوں محک کردی	پیش تیرش گرار زنے بودی
خطِ گوراں زِ پشت حک کردی	بسنانش چو حلقہ بر بودی
ور زِ آہو بُدے نشانۂ او	تیرش از حلق شیر حلقہ ربائے
مُوئے بشگافتے زِ شانۂ او	تیغش از قفل گنج حلقہ کشائے
ور شدی در نشانہ سخت انداز	در نظرگاہ راست اندازی
رخنہ در نافِ کوہ کردی باز	بیکش را بموئے بُد بازی
زانش بارانِ تیر محکم بود	
کہ کمانش کمانِ رستم بود	

مولنا نظامی بہرام کی قدر اندازی اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ اگر دانہ ارزن کو جسے ہندی میں چینا کہتے ہیں وہ اپنے تیر کا نشانہ قرار دیتا تو اُسے حلقہ کی طرح بنا لیتا تھا۔ اور اگر شیر کی طرف تیر ڈالتا تو اُس کے حلق سے اُس حلقہ کو جو قمری و فاختہ کی طرح اُس کا طوقِ گلو ہوتا ہی اُڑا لیتا تھا پھر اِس پر مولنا ترقی فرماتے ہیں اور اُس کے کمال کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ اُس کا پیکان تیر بال کو بھی دو حصّوں میں چیر دیتا تھا۔ مبالغہ میں اغراق و غلو کا جو لطف ہی اُس پر حلق و حلقہ کا اشتقاق و تجانس اور بھی لطیف ہی۔

امیر خسرو نے جس انداز سے جواب دیا ہی اُس کا لطف بیان سے باہر ہے

پہلا شعر خسرو کا مولنا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہے۔ وہاں حلقہ حلق شیر کو بہرام کا تیر نشانہ بنا کر اُڑاتا تھا اور یہاں گورخروں کی پشت خط کو جو بعینہ حلقہ حلق شیر کی طرح ایک قدرتی سیاہ پیلی ہوتی ہے اُس کا تیر امتحان کے وقت مٹاتا ہے وہاں راست اندازی کے وقت موشگافی کی جاتی ہے یہاں نشانہ آہو کے بال کو چیرا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ دونوں کا بیان لاجواب ہے۔

صفتِ اسپِ بہرام

نظامی	خسرو
اشقرے بادپائے بودش چست	گرچہ بودش چو برق کوہ گزار
بہ تگ آسودہ و بگام درست	صد طویلہ بہر طویلہ ہزار
پر برآورد پائے زاندامش	لیک بود اشقرے گزیدۂ شاہ
دست ہر کس شکستہ از گامش	چیرہ ترز ابلق سپید و سیاہ
رہ نوردے کہ چوں نوشتے راہ	بادپائے کہ چوں بگام شدی
گوئے بردے ز چرخ و مہر و زماہ	تگ زدن بر صبا حرام شدی
اشقرے گور سم چو زیں کردی	ور بآہنگ تگ بروں جستے
گور بر گردش آفریں کردی	وہم رادست و پائے بر بستے

مولنا نظامی نے گھوڑے کی تیز روی و تیز دوی کو نہایت لطف سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ وہ گھوڑا ایسا سریع السیر تھا کہ اُس کے پاؤں کو پاؤں نہ کہنا چاہیئے بلکہ وہ پر تھے

کہ اُس کے جسم سے نکلے تھے۔ کسی کا ہاتھ اُس کے قدم تک نہیں پہنچ سکتا تھا گورِ صحرائی جن کی تیزی ضرب المثل ہے وہ بھی اُس گھوڑے کی گرد پر آفریں خواں تھے۔ اظہارِ سرعت کے لیے جس قدر مبالغہ کیا جا سکتا تھا انھیں چند اشعار میں ادا کر دیا گیا۔ اُس پر دست و پا کا تقابل چرخ و مہر و ماہ کا تناسب، آسمان و مہر و ماہ کے مقابل لفظ گو کا لانا نظم کا زیور ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی وہی اشقر ہے اور وہی اُس کی تیز روی مگر بندشیں جدا ترکیبیں نئی خیالات نرالے مضامین انوکھے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ صفت آپ کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ ہرگز امتیاز نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کتاب کے مقابلہ میں آپ کوئی دوسری کتاب لکھ رہے ہیں یہاں وہ اشقر سریع السیر ابلق لیل و نہار سے زیادہ تیز ہے صبا اُس کے سامنے قدم نہیں اُٹھا سکتی دوڑ کے وقت وہم تک کے بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیتا ہے پَر ہونے پر مُرغ تیز کا کام کرتا ہے اس کے علاوہ اشقر و ابلق کا تقابل اور باقی الفاظ کا تناسب قابل تعریف ہے۔

زندہ گرفتاریِ گور

خسرو	نظامی
بعد ازاں چوں بروں شدی لشکار	چوں کمندِ شکار بگرفتے
کم رسیدی رمندہ را آزار	گور زندہ ہزار بگرفتے
در کمندش بحکم بربستے	نام خود داغ کردہ بر رانش
باز گشتے و شاد بہ نشستے	دادہ سرہنگیِ بیابانش

خسرو	نظامی
گرم بررانش داغ فرمودے	چوں کہ داغِ ملک براں دیدے
خطِ آزادیش ہماں بودے	گردآزار اونگردیدے
چرخ زاں گورگیریِ بہرام	بندۂ راز بند بکشادے
گورخانہ زمانہ گردش نام	بوسہ بر داغ گاہ اودادے
تادریں کہنہ گورخانہ پست	درچنیں گورخانہ مورے نیست
گورخاں ہم زداغ گورنہ رست	کہ بر وداغ دست زورے نیست

مولنا کا مقصود یہ ہے کہ آخر میں بہرام گورخروں کو زندہ گرفتار کرتا اور اُن کی ران پر اپنے نام کا داغ ڈال کر چھوڑ دیتا۔ دوسرے شکاری جب شاہی مہر اُس پر دیکھتے تو اُس کا ادب کرتے اور کسی طرح کی تکلیف اُسے نہ پہنچاتے۔ آخر شعر میں ایک عبرتناک نتیجہ ظاہر فرمایا ہے کہ عالمِ فنا میں ایک چیونٹی بھی نہ ملے گی کہ وہ کسی زبردست کی داغ دار نہو۔

اب دیکھنا یہ ہی کہ اسی مضمون کو سادگی کے ساتھ مقابلہ کی حالت میں امیرخسرو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ خسرو کے اشعار پڑھو اسی مضمون کی سادگی وصفائی کے ساتھ ایسی خوبی سے تکرار ہی کہ باہم مقدم وموخر کا فرق غیر ممکن ہے لیکن نتیجہ جو خسرو نے بیان کیا ہی وہ اُس نتیجہ سے زیادہ عبرتناک ہی یعنی اس دُنیا کے پرانے گورخانے میں خود زمانہ کا گورخان بھی داغ گور سے نہ بچا اور آخر کار وہ بھی قبر کا غلام بنا۔

واقعہ نگاری

بہرام نے اپنی معشوقہ دلارام سے پوچھا ہی کہ تو فرمایش کر کہ کس طرح ہرن کو اپنے تیر سے شکار کروں نظامی علیہ الرحمۃ نے دلارام کی یہ خواہش بیان فرمائی ہے کہ ایسا تیر لگایا جائے جو گورخر کے سر کو اُس کے سُم کے ساتھ بخیہ کردے۔ خسرو یہ بیان کرتے ہیں کہ دلارام نے کہا کہ کمال جب ہی کہ تیر آہوئے نر کو مادہ بنائے اور مادہ کو جامۂ نر۔ دونوں کے اشعار یہ ہیں۔

نظامی

گورے آمد بگو کہ چوں تازم
وز سرش تا سمش چہ اندازم
گفت باید کہ رُخ برافروزی
سرِآں گور بر سمش دوزی
شاہ چوں دید پیچ پیچی او
چارہ گر شد ز بد پیچی او

خسرو

باز گو تا ز نم بدانائی
ہر یکے را چنانکہ فرمائی
سیمبر ہم برخصتِ شاہی
گفت ایں خواہش ار زمن خواہی
ناوکِ زن بر آہوئے سادہ
کہ بود مادہ نر۔ نرش مادہ
شاہ دریافت خوردہ دانی او
تاخت مرکب بہ ہم عنانی او

دونوں کے اشعار موجود ہیں اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو دونوں پلّے برابر ہیں۔ اگرچہ فرمایشِ دلارام دونوں کے یہاں غیر غیر ہے مگر صفائی و بے ساختگی میں دونوں کا

کلام مساوی ہے۔ ہاں آخر شعر مولنا نظامی کا اہلِ زبان ہونے کو بتا رہا ہے اور خسرو کا آخر شعر اُن کے زبان داں ہونے کا مقر ہے۔ پیچ پیچی اور بدپیچی خاص اہلِ زبان کا لب ولہجہ ہے۔ خسرو کے یہاں لفظ خوردہ دانی واقع ہوا ہے ارباب مذاق صحیح امتیاز کر سکتے ہیں کہ اہلِ زبان و زباندان ہونے میں اسی طرح کا ایک فرق لطیف پایا جاتا ہے۔۔۔

نظامی	خسرو
خواست اوّل کماں گروہہ چو باد	بخدنگے دو شاخ آہوئے نر
مہرۂ در کماں گروہہ نہاد	بردہ زاں گونہ کو نداشت خبر
صید را مہرہ در فگند بگوش	چوبہ برفرق او بداں ساں راند
آمد از تاب مہرہ مغز بجوش	کہ ازاں نر بمادہ فرق نماند
سم سوئے گوش برد صید زبوں	دو یک انداز را بہم پیوست
تا زگوش آرد آں غلولہ بروں	پس برآہو روانہ کرد بشست
تیر شہ برق شد جہاں افروخت	ہر دو در سر چناں نشاندش بفرق
گوش و سم را بہ یکدگر بردوخت	کہ دو شاخش پدید کرد بہ فرق
چوں سر و سم بدوخت شاہ زتیر	زاں دو تیر طاہر کہ در خور کرد
بسر و سم درآمد آں نخچیر	کرد نر مادہ۔ مادہ را نر کرد

واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اُس کے اجزا و لوازم اس طرح بیان کئے جائیں کہ سامع کی نگاہ میں اُس کی ہو بہو تصویر کھنچ جائے۔ مولنا نظامی نے دلارام کی ایک

انوکھی فرمایش بیان کی تھی بہرام کی قدر اندازی اسی کی مقتضی تھی کہ عجیب سے عجیب تر فرمایش بھی پوری کی جائے۔ انھیں امور کا لحاظ رکھتے ہوئے مولنا بہرام کے کمال کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ بہرام نے بجائے تیر و کمان کے پہلے غلیل کو اٹھا کر ایک غلہ اُس گورخر کے کان میں پہنچایا جس سے اُس کا مغز جوش مارنے لگا۔ گورخر نے اپنے سم سے کان کھجلایا بہرام کا برق رفتار تیر فوراً آپہنچا اور گورخر کے سم کو اُس کے سر سے بخیہ کر دیا۔

چند اشعار میں واقعہ کی تصویر کھینچ کر صورت حال کو اس طرح دکھا دینا کہ گویا ہم اُس کو بچشم سر دیکھ رہے ہیں مولنا کا حصّہ ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی برابر کا جواب ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہاں گور کو شکار بنایا ہے اور یہاں ہرن کو نشانہ ٹھیرایا ہے۔ بہرام نے ایک خدنگ سے آہوئے نر کے دونوں شاخوں کو سر سے ایسا اُڑایا کہ اُس کو خبر بھی نہوئی۔ اور دوبارہ اپنے تیر دو شاخہ کو دوسری آہوئے مادہ کے سر پر ایسا جمایا کہ گویا وہ اسی کی دو شاخیں ہیں اس طرح چشم زدن میں آہوئے مادہ نر اور نر مادہ کر کے دکھا دیا۔

تشبیہ و استعارہ مبالغہ و اغراق جو عروس سخن کے زیور ہیں ان کی چند مثالیں گزر چکیں انھیں نمونوں سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ کو نظامی جیسے ملک الکلام کے ساتھ ان انواع میں پہلو بہ پہلو رہنے کا پورا استحقاق ہے۔ اور یہ محض بہتان ہے کہ خسرو صنائع لفظی کے ایسے دل دادہ ہیں کہ اس کے التزام سے لطف معنی خاک میں مل جاتا ہے۔

واقعہ نگاری جسے مثنوی کی جان کہا جا سکتا ہی اُس میں خسرو کا پلہ نظامی سے ہرگز کم نہیں۔ اب ایک موقع مرقعہ نگاری کا دکھایا جاتا ہی جس میں ایک شاہدِ ناز کا سراپا کھینچا گیا ہی۔

مولٰنا نظامی کا یہ کمال خصوصیت کے ساتھ ہر مقام پر نمایاں و بے مثل تسلیم کیا گیا ہی آپ کا خامۂ فکر ایسی تصویر بت طناز کی کھینچتا ہے جس کے مقابل مانی و بہزاد کے اصنام بھی سر بسجود ہو جاتے ہیں۔

خسرو	نظامی
خاصہ تر زاں ہمہ کنیزے بود	داشت با خود کنیزکے چوں ماہ
آفتابے بزیر چرخ کبود	چست وچابک بہم رکابے شاہ
اصلش از چین و رخ چو صورت چیں	فتنہ نامی ہزار فتنہ درو
گیسوش چوں سواد چیں مشکیں	فتنۂ شاہ و شاہ فتنہ برو
قامتے در خوشی چو عمر دراز	تازہ روئے چو نوبہار بہشت
ہوس انگیز تر ز عشقِ مجاز	خوش خرامے چو باد بر سر کشت
	انگبینی بروغن آلودہ
	چرب و شیریں چو صحن پالودہ

مولٰنا نظامی نے اختصار کے ساتھ جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہی بالخصوص دوسرے شعر میں فتنہ کا انقلاب لاجواب ہی اُس کے شیریں لب و شکر گفتار ہونے کے لیے جو تشبیہیں لائی گئیں سب کی سب حلاوت بخش ہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار پڑھو وہی کنیز یہاں بھی ہے لیکن ادائیں نرالی - غمزے نئے۔ کرشمے جدید۔ مولٰنا نے اُس کے رُخ دلفروز کو ماہ کہا ہے۔ خسرو نے "آفتابے بزیرِ چرخ کبود" فرما کر سرکارِ حُسن کے عجیب و غریب کرشموں کا خاکہ کھینچ دیا۔ پھر تیسرے شعر میں قامت کی ایک نئے انداز سے تعریف کرتے ہوئے "ہوس انگیز تر ز عشق مجاز" صرف اسی ایک مصرعہ میں ایک دفتر کا دفتر لکھ دیا۔ انصاف شرط ہے ایک مصرعہ میں اس جامعیت کے ساتھ جس کے قلم نے سراپا کشی کی ہو اُس کے خسروِ اقلیم سخن ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

ایک اور موقع

	نظامی	خسرو	
قامت و عارض	خرمنِ گل وے بقامتِ سرو	روئے گل رنگ وا دگل را رنگ	رخ و دہن
	شستہ روئے وے بخونِ تدرو	دہنش تنگ با شکر ہم تنگ	
غمزہ	خوبیِ غمزہ اش سحر گہِ خویش	نرگسش دُور باش غمزہ خدنگ	چشم و لب
	بستہ خوابِ ہزار عاشق پیش	لعل در آشتی و عشوہ بجنگ	
لب	لبِ لعلش چو برگ تر باشد	خال او گو ہزار پردہ درید	خال
	برگ آں گل پر از شکر باشد	عالمے را بگنجدے نخزید	
چشم	چشم چوں نرگسی کہ خفتہ بود	گیسوئے پیچ پیچ از سر ناز	گیسو
	فتنہ در خواب او نہفتہ بود	داد در دست فتنہ رشتہ دراز	

خسرو	نظامی
رگ نمودہ بروں ز لطف بدن	عکس روشن بزیر زلف بتاب
ہم چو رشتہ درون دُرِ عدن	چوں حواصل بزیر پرّ عقاب
بر چو نارنج نو بشاخ درخت	خالش از زلف عنبر افشاں تر
سخت رستہ ز صحبتِ دلِ سخت	چشمش از خال نامسلماں تر

مولٰنا نظامی کے پہلے شعر میں استعارہ کی لطافت اور حسنِ تکرار کا لطف قابل دید ہے قامت و عارض کی تعریف چونکہ ایک ہی شعر میں کی گئی ہے اس لئے دوسرا شعر جہاں چہرہ کی تازگی و سُرخی کو ظاہر کرتا ہے وہاں خوش رفتاری سے بھی مشعر ہی عموماً شعرا کے کلام میں شراب سے مُنہ دھونا چہرہ کو زیادہ گل گوں کرنے کے معنی میں آتا ہی۔ لیکن نظامی نے اُس گلِ رُخسار کے رنگیں چہرے کو شراب سے نہیں دھویا ہی بلکہ خون تدرو سے دھوتے ہیں جس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ تدرو جس کی خوش رفتاری ضرب المثل ہی اُس کے خرام ناز نے اُس کا خون کر دیا تھا۔ اسی طرح تیسرے شعر میں لبِ لعل کو برگ گلِ تر لکھکر پر شکر کہنا موصوف واحد کے لیے صفات متعددہ ثابت کرنے کی ایک عمدہ مثال ہی۔

پانچویں شعر میں عکس رخسار اور گیسوئے تابدار کے لئے جو تشبیہ مولٰنا نے بیان کی ہے غالباً اُس کے موجد خود مولٰنا ہیں کسی دوسرے اہلِ زبان کے کلام میں یہ نادر تشبیہ دیکھی نہیں گئی۔

زلف عنبر بو جو اُس کے گلابی چہرے پر بار بار جھوم جھوم کر آجاتی ہے اُس نظارے کو یوں تشبیہ سے سمجھاتے ہیں "چوں حواصل بزیر پرِ عقاب" حواصل ایک بحری پرند ہی سفید و چمکدار، عقاب سیاہ شکاری پرند ہے۔ اب مصرعہ پڑھئے اور اقلیم سخن پر مولنا کی پر جلال آزادانہ سلطنت کی ہزاروں داد دیجئے۔

اب خسرو کے اشعار پڑھو دوسرا شعر ان کی جدّت پسند طبیعت اور قادر الکلامی کا پورا ثبوت دے رہا ہی ایک ہی شعر میں مضامین گوناگوں بیان کرنا خصوصیات خسرو ہے۔ چشم مخمور و نیم باز کو دورباش قرار دیتے ہوئے غمزہ کو دل و جگر کے شکار میں مصروف رکھنا لب لعلین کو صلح جو و آشتی پسند کہتے ہوئے عشوۂ فتنہ انگیز کا جنگ و جدال سے باز نہ آنا کس خوش اسلوب و جدت طرازی سے بیان ہوا ہے خال و گیسو کے اشعار پڑھو چار مصرعوں میں کس قدر محاورات جمع کر دیئے گئے ہیں اُس پر خال و گنجد گیسو و پیچ پیچ اور فتنہ و رشتہ کی درازی میں تناسب لفظی و معنوی کس قدر قابل تعریف ہی۔ اگر ناظرین غور کریں گے تو خسرو کے اکثر اشعار میں تشبیہیں نہ صرف لطیف و نادر اُنھیں ملیں گے بلکہ اکثر کو جدّت و ایجاد خسروی کا نمونہ پائیں گے خاص کر پچھلا شعر اُس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ تھوڑی ہی۔ غرض سراپا لکھنے میں بھی خسرو اپنے مقابل سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

موضوع کتاب اور اُس کے اجزا

ابھی بیان ہو چکا ہی کہ ہفت گنبد بہرام کی ہفت اقلیم کی شاہزادیوں سے زیب و زینت

ہی ہر گنبد کا رنگ مختلف ہی اُس رنگ کی مناسبت سے بہرام وشاہزادی کا لباس بھی رنگین ہوتا ہی۔ بہرام شاہزادی سے کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے وہ بادشاہ کو دعا دیتے ہوئے ایک قصہ کہتی ہے ختم داستان پر بہرام ہم آغوش ہو کر داد عیش دیتا ہے،

اس طرح ہر قصےّ میں پانچ چیزیں ہوتی ہیں ایک تو بہرام کا داخلہ دوسرے شاہزادی کی دعا تیسرے شاہزادی کی زبان سے داستان۔ چوتھے رنگ کی بوقلمونی۔ پانچویں استراحت بہرام۔

داستانیں دونوں کتابوں میں بالکل مختلف ہیں اس لئے اُن میں مقابلہ نہیں ہو سکتا پھر یہ بھی ہے کہ واقعہ نگاری و داستان نویسی میں خسرو کی برتری ایسی نمایاں ہی جو مقابلہ سے بے نیاز ہی باوجود اختصار و ایجاز کے ہر داستان کے اجزا و لوازم اس استیعاب سے خسرو نے بیان کئے ہیں کہ اس کمال کی داد نہیں دی جا سکتی۔ اب مقابلہ میں صرف داستان کے بقیہ چار ارکان سے بعض نمونے مقابلتہً پیش کیے جاتے ہیں

رنگ سیاہ گنبد اوّل

خسرو	نظامی
رنگ مشکیں شعار عباسی ست	در سیاہی شکوہ دارد ماہ
زیور آرائے چرخ شماسی ست	چتر سلطاں ازاں کنند سیاہ
ظلمت شب کہ مشک فام بود	ہیچ رنگے بہ از سیاہی نیست
بہر آرایش تمام بود	رہ ماہی چو پشت ماہی نیست

خسرو	نظامی
خون تر در میان نافۂ خشک	از جوانی بود سیہ موئے
تا نگرد د سیہ نباشد مشک	وز سیاہی بود جواں روئے
خط و خالے کہ دلستاں دارد	بسیاہی جہاں بصر بیند
مشک رنگ ست زیب ازاں دارد	ہر کسے بر سیاہ بہ نشیند
	گر نہ سیفور شب سیاہ شدی
	کی سزاوار مہر و ماہ شدی
	ہفت رنگے ست زیر ہفت اورنگ
	نیست بالا تر از سیاہی رنگ

فضیلت سیاہی پر جو دلائل قائم کئے ہیں اگرچہ واقعی ہیں مگر طرز بیان زیادہ چُست نہیں لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کے دلائل زیادہ دلپذیر اور طرز بیان بہت ہی چست ہے۔

گنبد چہارم رنگ سرخ

خسرو	نظامی
رنگ گلنار دل کشاے بود	سُرخی آرایشِ نو آئین ست
چوں مے لال جاں فزاے بود	گوہرِ سُرخ را بہا این ست
زیب باغ ست رنگ گلناری	چونکہ آمیزشِ رواں دارد
چوں شفق بر سپہر زنگاری	سُرخ زاں شد کہ لطف جاں دارد

نظامی

زر کہ گوگرد سُرخ شد لقبش
سُرخی آمد نکوترین سببش

خسرو

ہر کہ شد بخت و دولتی یارش
رُخ بسرخی بود چو گلنارش
ہست گلنار ہمچو نار کلیم
گل نارست باغ ابراہیم

اس مقام پر بھی مولنا کے دلائل وطرز بیان سابق کی طرح سادہ اور جدت وچستی سے خالی ہیں برخلاف اس کے خسرو کے دلائل میں جدّت اور طریقہ نہایت ہی چست ومعنی خیز ہے اس پر صنعت تقابل وتناسب لفظی ومعنوی نے اور بھی بیان کو رنگین بنا دیا ہے صنائع لفظی کا ایسی صنعت سے لانا جس سے معنی میں رنگینی ولطافت پیدا ہو جائے خسرو کا حصّہ ہے۔

گنبد ہفتم رنگ کافوری

نظامی

ہر چہ ز آلودگی شود نا مید
پاکیش را لقب کنند سپید
در پرستش بوقت کوشیدن
سنت آمد سپید پوشیدن

خسرو

جامہ کافور گوں بہ ست بساز
کہ بخیر الثیاب یافت طراز
پاک رنگ ست رنگ کافوری
تا مہار ابیاض مغفوری
چوں شود مشک آدمی کافور
موے اور اخدا ے خواند نور

خسرو

روز روشن کہ سر بسر نورست

ہمہ نورش برنگ کافورست

اس جگہ بھی سابق کی طرح خسرو کے دلائل میں قوت و فضلیت موجود ہے۔ سات رنگوں میں سے تین کا مقابلہ کر کے کمال خسرو کا نمونہ دکھا دیا گیا۔ ایک اوّل اور دوسرا وسط اور تیسرا خاتمہ کا رنگ اختیار کیا ہے۔ چونکہ ان مقامات کا بیان نہایت صاف وسلیس ہے اس لئے وجوہ افضلیت کا تفصیلی اظہار غیر ضروری سمجھکر ترک کر دیا گیا۔

خواب بہرام با معشوقانِ طنّاز

اس موقع کو کہ شاہزادی جب قصہ ختم کرتی ہے تو بہرام اُس سے ہم آغوش ہو کر سو رہتا ہے دونوں حضرات نے بیان کیا ہے۔ لیکن نظامی کے یہاں عموماً بہرام کا خواب ایک معمولی خواب ہے لیکن خسرو علیہ الرحمتہ جب بہرام کو سُلاتے ہیں تو عاشق و معشوق کے سونے کا نقشہ نگاہوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ دو تین نمونے اس کیف کے بھی مقابلتہً لکھے جاتے ہیں۔

داستان اوّل خواب با ملکہ ہندی

نظامی	خسرو
چونکہ بانوئے ہند با بہرام	شاہ کز نازنین مشکیں موے
باز پرداخت ایں فسانہ تمام	ایں فسانہ شنید روے بروے

نظامی	خسرو
شہ بران گفتہ آفرینش گفت	خفت در خوابگاہ حورالعین
درکنارش گرفت شاہ و بخفت	گل در آغوش مشک بربالین

خسرو کے اشعار میں جو لطف و کیف ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ موئے و روئے۔ عین و آغوش و بالین کے تناسب کے علاوہ اُس محبوبہ ہندی کو مشکیں موے سے موصوف کرنا اور حالت خواب کو مشک بربالین قرار دینا ایک خاص صنعت طرازی ہے۔

داستان دوم ملکہ گنبد زعفرانی

نظامی	خسرو
شہ چو این داستان شنید تمام	شاہ را چون نگار شکر خاے
درکنارش گرفت و خفت بکام	زعفران وار شد نشاط افزاے
در بر آورد شاہ زرد قباش
زعفران سالے گشت برحلواش

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس مقام پر بلیغ و دقیق استعارہ کے ساتھ جس طرح مضمون بیان کیا ہے اُس کا صحیح اندازہ کافی مذاق سخن چاہتا ہے۔

خواب بہرام با ملکہ گنبد سُرخ

نظامی	خسرو
روے بہرام ازان گل افشانی	ماہ گلنار چہرہ چون بہ تمام
سُرخ شد چون گلاب ریحانی	گفت افسانہ خفت با بہرام

نظامی

دست بر سُرخ گل کشید دراز

در کنارش گرفت و خفت بہ ناز

یہاں خسرو نے سادگی و اختصار سے کام لیا ہے اور مولنا کے اشعار میں رنگ آمیزی ہے لیکن پھر بھی دو نمونے رنگینی کے جو پہلے اشعار خسروی میں دکھائے گئے ہیں اُن کے مقابل میں یہ سُرخی پھیکی ہے۔ بہر حال من حیث المجموع خسرو کا پلّہ اس مضمون میں بھی راجح ہے۔

داخلۂ بہرام بہ گنبد

شام ہوتی ہے اور بہرام معشوقۂ دلنواز کے گنبد میں داخل ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مولنا نظامی کا یہ بیان گنبد سُرخ میں نہایت ہی بلیغ ہے۔ اس لئے صرف مقابلہ میں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خسرو	نظامی
شب چو پرویں نمائے گشت سپہر	شب چو منجوق بر کشید بلند
ماہ بر خویش لبست زیور مہر	طاق خورشید در کشید بلند
داد فرماں خدائیگان سریر	شاہ زاں سُرخ سیب شہد آمیز
کاید آں ماہروے در تقریر	خواست افسانۂ نشاط انگیز
بہ فسون و فسانۂ چو نبات	
مغز شہ تر کند بآب حیات	

مولانا کے ہاں لفظ منجوق کا ایہام ایسا دقیق اور لطف انگیز ہی اور اُس کو یہاں ایسے مخفی استعارہ کے پہلو سے بیان کیا گیا ہی کہ اُس کا مذاق اہل زبان سے دریافت کیا جا سکتا ہی۔

پھر لفظ درکشید و برکشید میں ایسی فصاحت موجود ہے جو سہل ممتنع کی ایک بے مثل مثال ہی۔ مقصود یہ ہے کہ سورج غروب ہوا۔ اور آسمان پر چاند نکلا۔ اس کے لئے جو اہتمام کیا گیا اور جس آمد و بے تکلفی سے ادا کر دیا وہ مولنا کے کمال کا نمونہ ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کا بھی وہی مقصد بعینہ ہی سورج چھپ گیا رات ہوئی اور چاند نکلا لیکن انصاف طلب یہ امر ہی کہ مقابلہ میں منہ کھولنا اور وہ بھی مولنا جیسے اہل زبان کے سامنے اور پھر بازی میں پیچھے نہ رہنا سوائے خسرو کے اور کس کو نصیب ہوا۔

پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ اول مصرعہ کے ساتھ ہمکناری کا جو لطف ظاہر کر رہا ہی اُس کے علاوہ ایسے خاص لطیف استعارہ کا حامل ہے کہ اُس کی داد مولنا نظامی ہی دے سکتے ہیں۔

خسرو کا ہر ایک شعر مقابل کا جواب الجواب بلکہ لاجواب واقع ہوا ہے۔ لیکن نگاہ منصفانہ شرط ہی۔

ایک اور موقع

اگرچہ ایک مثال بھی اپنے مقام پر کافی ہوتی ہے لیکن بعض اہلِ خیال کا خیال کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور مثال بھی پیش کر دی جائے۔

خسرو	نظامی
چوں شب تیرہ گشت گوہر سنج	چوں پری سبزۂ زمرد وار
در زمیں در شد آفتاب چو گنج	باغ انجم فشاند برگ بہار
شاہ مست و حریف ہم سرمست	زاں خرد مند سرو سبز او رنگ
رفتہ بیروں عنانِ ہر دو ز دست	خواست تا پُر شکر فشاند تنگ
گفت فرماں دہ سر بلند	
کہ شکر لب زلیتہ ریز د قند	

مولٰنا نظامی کے یہاں اوّل شعر میں شب کا ہونا اور دوسرے شعر میں اُس نازک اندام محبوبہ سے قصہ کی فرمایش جس آب وتاب سے بیان ہوئی ہے وہ تمام الفاظ کے تناسب و تقابل سے ظاہر ہے خاص کر بہرام کو سروِ سبز اورنگ کے ساتھ استعارہ کرتے ہوئے اُس کی زبان سے یہ کہنا "خواست تا پر شکر فشاند تنگ" کس قدر باحلاوت وشیریں تقریر ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار میں اگرچہ گنبد سبز کے تلازم کو نظر انداز کر دیا گیا ہی مگر ایک ہندی شاعر ایک ایرانی کے مقابل کہتا ہی کہ (در زمیں در شد آفتاب چو گنج) اور قند مکرر کی شکر ریزی یوں کرتا ہے (کہ شکر لب زلیتہ ریز د قند) واقعہ ہے کہ اگر ارباب سماع پرکیف ہوں تو یقیناً یہ سمجھیں گے کہ یہ طوطی ہند نہیں ہے بلکہ بلبل شیراز چہک رہا ہی۔

خسرو کے اسی زور قلم کا نتیجہ ہے جو اہل زبانوں نے بھی ان کے سامنے سرِ تسلیم

ختم کر دیا ورنہ اہلِ زبان کب کسی زبان داں کو خاطر میں لاتے ہیں۔

اشعار دعائیہ

ہر شاہزدی نے جو آغاز داستان سے پہلے بہرام کو دعائیں دی ہیں ایک دو نمونے اُس کے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ملکہ گنبد ریحانی

نظامی	خسرو
پری آنکہ کہ بردہ بود نماز	لعبتِ سیم با ہزار نشاط
بر سلیماں کشادہ پردۂ راز	سو درخ رابہ پائگاہ بساط
گفت کاے جانِ من بجانِ تو شاد	گفت شاہا جہاں بکام تو باد
ہمہ جانہا فدائے جان تو باد	در جہاں ہر چہ ہست رام تو باد
خانۂ دولت ست خرگاہت	ہر کہ بد بیندت چو بد بیناں
تاج و تخت آسمان درگاہت	دوزخی باد ہمچو بے دیناں
تاج را سر بلندی از سرِ تست	
تخت را بادشاہی از درِ تست	
گوہرت عقدِ مملکت را تاج	
ہمہ عالم بدر گہت محتاج	

مولٰنا کے اشعار میں نماز بردن خاص اہلِ زبان کا محاورہ ہے جو اُن کی ہی زبان سے

بھلا معلوم ہوتا ہے معنی اس کے اطاعت کرنے کے ہیں۔ پری وسلیمان کا تقابل وتناسب بھی اک خاص لطف پیدا کرتا ہی باقی مضمون دعا معمولی ہے کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔

اشعار خسروی کی بندش صاف اور چست ہی مگر دعا کا مضمون یہاں بھی معمولی وسادہ ہی لیکن دوسرے مصرعہ میں جو محاورہ آداب بجالانے کے معنی میں ذکر کیا ہے وہ مولنا نظامی کے پہلے شعر کے اُس محاورہ کا جواب ہی جو اہل زبان کے ساتھ خاص ہی۔

ایک اور مثال

نظامی	خسرو
چوں زفرماں شہ گزیر نبود	نازنیں بر زمیں نہاد جبیں
عذر با نار دلپذیر نبود	گفت کاے شہریار رُوے زمیں
گفت رومی عروس چینی راز	بخت ہموارہ ہم عنان تو باد
کاے خداوند روم وچین وطراز	سر بدخواہ بر سنان تو باد
تا شدی زندہ دار جان ملوک	ہر مرادی کہ بشمری زانگشت
ع: نصرت خدائگان ملوک	یک بیک جملہ بادت اندر مشت
ہر کہ جز بندگیت راے کند	شرم دارم کہ پیش دُرِّ دُری
سرِ خود را نثار پاے کند	کہربا را کشم بجلوہ گری

مولنا کے پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ "عذر بانا ر دلپذیر بود" آپ کی فصیح البیانی کا خاص نمونہ ہی طراز ترکستان کے شہروں میں ایک حسن خیز شہر ہے جس کا ذکر اس جگہ ایک لطف پیدا کر رہا ہے۔ دعا کا پہلو جو اختیار کیا گیا ہے اُس کی بلاغت بھی قابل تحسین ہی بظاہر کوئی فعل دعا پر دلالت نہیں کرتا ہے اور حقیقت میں سب دعا ہی۔

امیر خسرو کا تیسرا شعر ہزاروں اشعار دعائیہ کا جواب ہی۔ تمامی مرادات کے حصول کے مضمون کو شاعر قادر الکلام نے جس خوبی سے بیان کیا ہے اُس سے ظاہر ہی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو جس صنعت و خوبی کے ساتھ بیان کرنا چاہی بے تکلف اُسے ادا کر سکتا ہی۔

پھر آخر شعر میں دُر دُری کا باہمی صنعت تجنیس و اشتقاق کی جلوہ گری اُس پر کہربا کے ساتھ تقابل قابل دید ہے دری بضم دال مہملہ بہ معنی ستارہ روشن کے ہے اضافت تشبیہی کے نسبت سے در بالضم کا مضاف الیہ بنانا کیسی پاکیزہ ترکیب اور زبان دری کی کیسی چست بندش ہی۔

ساتوں قصوں میں مضامین مشترکہ کا مقابلہ ضرورت سے زیادہ کر کے دکھا دیا گیا جس سے ثابت ہی کہ مولنا نظامی کو تقدم زمانی کا شرف خسرو علیہ الرحمۃ پر حاصل ہی۔ ورنہ خسرو کی مثنوی کسی طرح اپنا پایہ کم نہیں رکھتی ہی۔ کہیں نظامی کو ترجیح ہی اور کہیں خسرو کو ہاں کہیں کہیں بعض محاورات اہل زبان کی خصوصیت البتہ ظاہر کرتے ہیں مثنوی کا خاتمہ دونوں حضرات کے یہاں بہرام کی موت نے کر دیا ہی۔ گور خر کے

تعاقب میں بہرام کوئیں میں گر کر موت کا خود ہی شکار ہو جاتا ہے۔ مولنٰا نظامی اپنی کتاب بادشاہ کے دُعائیہ اشعار پر ختم فرماتے ہیں۔

نظامی

دولتی باش ہر کجا باشی در رکابت فلک بفرّاشی
دولتت را کہ از دیادت باد خاتمِ کار با سعادت باد
ایں دعا را از قدسیاں آمیں میرسد ہر زمان بعلییں

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی جہاں ختم ہوئی ہی وہاں ناصحانہ اشعار لکھتے ہوئے اپنے شیخ طریقت کی طرف عجب اخلاص و ارادت سے ملتفت ہوئے ہیں۔

خسرو

خسروا پائے نیک مرداں گیر با مسیحا نشین و پیش بمیر
بایدت خانہ حیات درست از خضر باید آب حیواں جست
خواہی از خاک بر سپہر خرام خاک شو زیر پائے شیخ نظام

اس کے بعد خسرو نے اپنی کتاب کا تمام ہونا سنہ تصنیف تعداد اشعار وغیرہ بیان کئے ہیں آخر میں اپنے اُستاد علاّمہ شہاب کا شکریہ ادا کیا ہی۔ مولنٰا شہاب علاء الدین خلجی کے عہد میں ایسے جامع معقول و منقول فاضل جلیل الشان تھے کہ اکثر فضلا نے آپ کے تلمذ سے شرف حاصل کیا تھا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کا معمول تھا کہ اپنی تصنیف جس طرح کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے

سامنے فاتحہ کی غرض سے پیش فرماتے، اُستاد علاّمہ کے ہاتھوں سے بھی اُسے مشرف کرتے تھے۔ یہ خصوصیت کچھ خمسہ کے ساتھ نہیں ہے۔ اعجاز خسروی کے متعلق بھی ایسے ہی کلمات خسرو علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمائے ہیں کہ شہاب نے تمام اغلاط کے جنون کو اپنے قلم اصلاح سے بند کر دیا ہے اب کوئی اس میں کسی طرح کی غلطی نہ پائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ کی تصانیف عجیب گوناگوں فوائد و برکات سے مالا مال ہیں اُنھوں نے اشعار کے ضمن میں بہت سے اہم اخلاقی مسائل کی تعلیم فرما دی ہے کہیں والدہ ماجدہ سے جو ملے ہیں اُسے نظم کیا ہے تاکہ لوگ شفقتِ مادری کو جانیں اور ماں کا حق اپنی سعادت سے ادا کریں کہیں بھائی کا مرثیہ لکھکر اخوت کے حقوق بتائے ہیں کہیں اُستاد کی تعلیم کا شکریہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ اس مثنوی میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اُستاد کے فضل و کمال کا ایک بلیغ خطبہ پڑھتے ہیں۔ اُس کے بعد فرماتے ہیں ؎

نور دل چوں بعالم افگندہ — سایہ بر کار من ہم افگندہ
من بدو عرضہ کردہ نامۂ خویش — او باصلاح راند خامۂ خویش
چوں ہمہ عیب دید دشمن وار — شستہ چوں دوستانِ آئینہ وار
ہرچہ او گفت می نہادم گوش — برکشیدم مگس ز شربتِ نوش
وانچہ بنمود من نجستم پے — عیب آں بر من ست نے بر وے
انچہ او دید بس نہایت دید — خس و خارے ز گلشنے برچید

یارب او چوں بہ پنج نامۂ من | بردبیروں خطائے نامۂ من
نامۂ او کہ حرز جانش باد | در قیامت خطِ امانش باد

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام کا مقابلہ امام مثنوی گویان مولنٰا نظامی کے ساتھ جب دکھا دیا گیا تو اب کسی اور کے کلام سے مقابلہ کرنا ایک عبث فعل ہوگا۔

اس لئے کہ خسرو کے بعد اگر کسی نے مثنوی کا حق ادا کیا ہے تو وہ صرف جامی علیہ الرحمہ ہیں لیکن اُنھوں نے اس داستان کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اس بحر میں آپ کی مثنوی سلسلۃ الذہب ہے لیکن وہ خالص صوفیانہ رنگ میں ہے۔ حمد و نعت بھی اُس مثنوی میں مولنٰا نے گہرے صوفیانہ رنگ میں لکھی ہے۔ بعضوں نے ہموزن کو ہم رنگ سمجھ لیا اس لئے وہ لکھ گئے کہ سلسلۃ الذہب ہفت پیکر و حدیقہ کے ہم رنگ ہے۔ خیر اس طرح کی غلطی مقلدین سے نقل کرنے میں ہو ہی جاتی ہے۔

یہاں یہ مقصود ہے کہ خسروؔ کے کلام کا مقابلہ ان کے مابعد کے شعرا سے کرنا ایک فضول امر ہے بدیں وجہ ہاتفیؔ کی ہفت اورنگ سے مقابلہ نہیں کیا گیا لیکن بہ نظر مقابلہ خواجو کرمانی اور ہاتفیؔ دونوں کی مثنویاں مطالعہ کی گئی تھیں اس لئے محض چند اشعار دونوں کے حمد و نعت سے نقل کرتا ہوں تا ناظرین کرام اسی سے ایک سرسری اندازہ کر سکیں گے۔

ہفت منظر ہاتفیؔ

حمد

سایۂ آفتاب نہ خورشید | آفتابِ تو سایۂ جاوید

مسجد و دیر را تو کردی ساز   در ایمان و کفر کردی باز
دیری و مسجدی ترا جویند   گرچہ ہر یک درِ دگر کوبند
جملہ موجود را توئی معبود   ہستی و بودہ و خواہی بود
پشہ را دہی ز مطبخ جود   طمعہ از مغز کلہ نمرود
از پے دیدن سیاہ و سفید   نے چراغت بکار و نے خورشید
دیدنِ تو چو دیدنِ ما نیست   واں شنیدن شنیدنِ ما نیست
تاج شاہان و خسروانی کوس   ہست بر درگہت چو تاج خروس

مناجات

روز محشر کہ سر زنم از خاک   سینہ صد پارہ و گریباں چاک
پیشت آیم ز جرم فرسودہ   پائے تا سر گناہ آلودہ
نکنی کردہ مرا منظور   رحمتِ خویش آوری بظہور
دانم ایں را کہ جملہ بد کردم   بد من سر نوشت خود کردم
در ازل ہر چہ کردہ ام تقصیر   بنو دغیر گردنش تدبیر
رحمت از ہاتفی دریغ مدار   ز فنایش بزیر میغ مدار
نیز طعبش کنی ز جملہ غنی   در ثنائے محمدِ مدنی

نعت و معراج

اے بلند از تو پایۂ معراج   انبیا را سر اولیا را تاج

قرشی تخت و هاشمی افسر ابطحی رای و یثربی مهتر

شہ بطحا محمد عربی پے شرار تو شرار بولہبی

ماه مشرق طلوع عالمگیر نور گیر از تو آفتاب منیر

نه نشستت کسے به بالا دست زیر دست تو بود ہر که نشست

خضر آب روان ز جوی تو یافت سوے آں چشمه ره بسوے تو یافت

رفعت عیسیٰ اگر بچرخ کبود بودی از وے ہزار پایہ فزود

اے خوش آں شب که آں ہلال صبا سوے اقصا نہاد رخشت پائے

سر د طور تجلی ذاتی بہر ماہ رخ تو مرآتی

آں شنیدی ہزار گو نه کلام نه زباں بود درمیان نه کام

سخنانش نداشت پیش و پسے ہمه بودند جمع ہم نفسے

خواہش دل ز حد برونت داد انچه می خواستی فزونت داد

شد یقینت که خانه بے خیرست مژده دادت که عاقبت خیرست

سفرت بود طرفة العینی آں شد آمد نداشت ما بینی

کس و بیکس گناہگارے چند بامید شفاعت خرسند

گر شفاعت گری بجا آری نیست اندیشه از گنہگاری

خواجو کرمانی

حمد

بسم من لا اله الا ہو صنع لفظی و زین معناه

قادرے کو منزہ است از عیب | صانعے کو مقدس ست از ریب
رزمہ پرداز کارگاہ وجود | نقش بند نگارخانۂ جود
آنکہ ہم اوّل ست وہم آخر | وانکہ ہم باطن ست وہم ظاہر
روح در کیش اوست قربانی | کفر در دین او مسلمانی
عقل قاصر ز کنہ آلایش | وہم عاجز ز حصر نعمایش
خلعت جاں بہ انس وجاں دادہ | وآب حیواں بخضر جاں دادہ
حسن ذاتش نگر بجن صفات | در صفاتش ببیں تجلی ذات
آنکہ روزی بمور و مار دہد | روشنائی بہ نور و نار دہد
برقع از صورت سخن بکشاد | شمع معنی بدست خواجو داد
اے زدل کردہ شمع منظر گل | وے ز گل کردہ برج اختر دل
بدر لالہ کہ ہست قاصد شام | در رہت بندۂ منیرت نام
مہدی مہد خاک یعنی روح | یافتہ از تو زندگانی روح
اے ز عشق تو عقل شیدائی | ہمہ پنہانیت ز پیدائی
ابتدائے ترا نہایت نیست | وانتہائے ترا بدایت نیست
من دل مردہ را حیاتی بخش | وز غم نیستی نجاتی بخش
بے نوایم مرا نوائے ساز | دردمندم مراد وائے ساز
شربت از مشرب یقینم دہ | میوہ از بوستان دینم دہ

در توحید بر دلم بکشائے ره ایوان وحدتم بہ نمائے
خانۂ غفلتم زبر برکش دامن عصمتم بسر درکش
عالم ہستیم بباد مدہ خرمن ہستیم بباد مدہ
مرغ طبع مرا بگلشن راز بلبل پردہ ساز معنی ساز
ظلمت ظلم از رواں بفزائے وآب حیوانم از زباں بکشائے
ملک معنی مسخرم گرداں حکم وحکمت میسرم گرداں
دل خواجو ز شمع دل بفروز چشم تجریدش از جہاں بردوز

نعت

اے رخ ماہ مطلع لولاک وے بقد سرو گلشن افلاک
سید انبیا پناہ رسل مقصد کن فکاں امام رسل
بنی ہاشمی رسول خدائے مرغ دستاں سرائے ہر دو سرائے
حجۃ حق خلاصۂ کونین رحمت خلق و ہادی ثقلین
شمع بطحیٰ چراغ بیت حرم صدر و بدر جہاں جہان کرم
راہ بنمائے الذی اسریٰ مجلس آرائے قصر ما اوحیٰ
مروہ را زینت و صفا از تست رونق ملک اصطفا از تست
تو کماں دار قاب قوسینی عرش را زیب و فرش را زینی
بو البشر خوشہ چین خرمن تو روضۂ خرم بہ بوئے مسکن تو

شرفِ بامِ کبریائت مہر | کاسہ ریز مطبخ تو سپہر
تو مہ و مطلع تو اوج فلک | توشہ و لشکر تو فوج ملک
خادمِ خوانِ دعوتِ تو خلیل | مرغ باغ بنوتت جبریل
کشتۂ تیغ غمزۂ تو ذبیح | وز دمت روح پروریدہ مسیح
آستانِ تو سجدہ گاہ فلک | وآستیں تو بوسہ جائے ملک
سدرہ را منتہا تو دیدن وبس | گل باغِ دنا تو چیدن وبس
گر یتیمی چہ غم کہ از تعظیم | بیش باشد بہائے درِّ یتیم
دمبدم چشم ما کہ رفت برود | می فرستد بروضۂ تو درود
رفتم از دست عذرِ من بہ پذیر | سر براور ز خاک و دستم گیر
در حریمِ شفاعتم بہ نشاں | وآستیں بر بضاعتم مفشاں
کار خواجو چنیں خراب مہل | زورقش درمیان آب مہل
بکشایش درِ سرائے اماں | برسانش بمنتہائے رساں

خواجو کرمانی کی یہ مثنوی اخلاقی وصوفیانہ ہے چھوٹے چھوٹے اخلاقی مضامین پند وموعظت کے اس میں لکھے ہیں۔

حمد ونعت میں جو اشعار کہ ہم معنی ومضمون واقع ہوئے ہیں اُنھیں اگر خسرو سے ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ تمام مثنوی نگار خسرو سے بمراحل دور ہیں۔

تائید تنقید از بہارستان جامی

بہارستان جامی میں سخن سنج جام نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کی قادر الکلامی کی جو داد دی ہے وہ فقیر کے دعوی پر ایک روشن برہان ہے۔ فرماتے ہیں۔

"امیر خسرو علیہ الرحمہ در شعر متفنن است قصیدہ و غزل و مثنوی ورزیدہ و ہمہ بکمال رسانید۔ تتبع خاقانی می کند ہر چند در قصیدہ بہ وے نہ رسیدہ اما غزل از وے گذرانیدہ و غزل ہائے بواسطہ معنی آشنا کہ ارباب عشق و محبت بحسب ذوق و وجد آں خود را در می یابند مقبول ہمہ کس افتادہ است خمسہ نظامی بہ از وے کسے در جواب نگفتہ و ورائے آں مثنویہا دیگر دارد ہمہ مطبوع و مصنوع۔"

اب بعد اس کے کہ ایسی زبردست شہادتیں کمال خسروی کے متعلق پیش کی جا چکیں، اصناف سخن کا بھی ایک نمونہ پیش کر دیا گیا خصوصیت کے ساتھ صنف مثنوی میں مولنا نظامی کے کلام سے مقابلہ بھی کر کے دکھا دیا گیا ان مراحل کے بعد شاید اس دعوی کی تصدیق میں کہ خسرو کا وجود نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں ایک جوہر فرد ہے کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ اب رہی یہ بحث کہ اس طرح کی جامعیت اور کمالات گوناگوں کے کیا وجوہ ہوئے اس کے لئے صرف حضرت سعدی کا مشہور فیصلہ کفایت کرتا ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کمال خسروی کے متعلق روایات عجیبہ کی وجہ

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام سے پیشتر دنیا اس خبط میں مبتلا ہے کہ جہاں کسی فرد بشر میں کوئی قوت عامۂ ناس سے زیادہ ہوئی بس اوسے خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا گیا

چنانچہ حکمائے یونان میں سے فلاطون وغیرہ اسی لقب کے مستحق سمجھے گئے۔ آج یورپ باوجود اس کے کہ علم و فن میں اپنے کو انتہا مرتبۂ کمال پر سمجھتا ہے لیکن کیا مجال کہ اوس قدیم خبط سے ہوش میں آسکے وہی رٹ لگی جاتی ہے کہ عیسی خدا ہے خدا کا بیٹا ہے۔

لیکن تعلیمات اسلامیہ نے جبکہ دنیا کے عقول صحیح کر دیے تھے تو کسی کو یہ جرأت تو نہو سکی کہ کسی صاحب کمال کو اس لقب سے یاد کر سکے لیکن پھر بھی جب کسی کے لئے غیر معمولی کوئی وصف ثابت کیا جاتا تو اوس کے لئے غیر معمولی وجوہ بھی تراشے جاتے۔

اگر خسرو علیہ الرحمہ جیسا شخص اسلام سے قبل دنیا میں آیا ہوتا تو اُس کے محیر العقول کمالات بھی ملک و قوم سے اوسی لقب کی سفارش کرتے جو ایسی باکمالوں کو ملک و اہل ملک کی جانب سے ملا کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ کسب و اکتساب تعلیم و تعلم سے جہاں تک طبیعت میں ملکہ اور قوائے دماغی کی تربیت علی العموم ہو سکتی ہے اوس مقدار خاص سے اگر کسی کی طبیعت میں ملکہ یا دماغی قوت میں نشو و نما زیادہ پایا گیا تو پھر اوس کے بیان وجوہ میں عجیب و غریب رنگ آمیزی کی جاتی۔

خواجہ حافظ شیرازی اور مولنا نظامی کے متعلق جو روایات کہ عوام میں مشہور ہیں وہ اثبات دعوی کے لئے کافی ہیں۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ اکتساب کمال کے لئے جہاں صحیح استعداد و طلب کامل محو و انہماک شرائط و لوازم ہیں وہاں نفوس قدسیہ اور ارواح زاکیہ کی توجہ و دعا بھی ایک اثر خاص رکھتی ہے۔

خواجہ حافظ و مولنا نظامی وغیرہ چونکہ زمرۂ صوفیہ میں ہیں اس لئے ان حضرات نے اپنے عہد کے شیوخ سے ضرور استفادہ و استفاضہ دعاے مقبول کا فرمایا۔ یہ اونھیں بابرکت دعاؤں کا اثر ہے کہ ان حضرات کے قلم نے معارف وحقائق کے ایسے مینہ برسائے کہ آج تک رہروان معرفت اُن سے سیراب ہو رہے ہیں۔

عوام نے اونہیں برکات وفیوض کو اپنے الفاظ میں اس طرح شہرت دی جس سے رفتہ رفتہ واقعہ طلسمی افسانہ بن گیا۔ اور اصل حقیقت مخفی ہو گئی یہ نتیجہ اوسی استعجاب کا ہے جو حافظ و نظامی کے شاعرانہ کمال نے عوام میں پیدا کر دیا تھا۔ اس طرح کی روایات سے گو واقعہ کی صورت مٹ جاتی ہے لیکن یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ اوس کا کمال غیر معمولی تسلیم کیا گیا۔

ایسی صورت میں پھر اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ خسرو علیہ الرحمہ جیسے جامع کمالات کے متعلق اس طرح کی روایتیں مشہور نہ کی جاتیں عوام میں کیا کیا مشہور ہے اوسے ہم عوام ہی کے حوالہ کرتے ہیں ہاں جو واقعہ نفس الامر ہے اس مقام پر ہدیۂ ناظرین ہے۔

امیر سیف الدین جو خسرو علیہ الرحمہ کے والد ماجد ہیں اونہیں قصبہ پٹیالی عرف مومن پور یا مومن آباد ضلع ایٹہ میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ وہاں ایک ولی کامل مجذوب

حال رہا کرتے تھے خسرو علیہ الرحمہ کے والدین اون کے معتقد و خدمت گذار تھے جب خسرو علیہ الرحمہ پیدا ہوے تو آپ کے والد ایک خرقہ میں لپیٹ کر اس مولود مسعود کو اوس صاحب ترک و تجرید کے پاس لے گئے وہ واقف اسرار دیکھتے ہی یہ الفاظ زبان پر لایا "درآوردی کسے را کہ از خاقانی دو قدم پیش خواہد برد"

یہ روایت تقریباً ہر اوس کتاب میں موجود ہے جس میں خسرو علیہ الرحمہ کا تذکرہ ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں مجذوب کے اس جملے کو نقل فرما کر اس کا مطلب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ "قصد آں مجذوب از دو قدم مثنوی و غزل باشد" یعنی خاقانی صرف قصائد میں اوستاد تھا اور اس کا کمال علاوہ قصائد کے مثنوی اور غزل میں بھی ہوگا۔

اس روایت کی نقل سے مدعا یہ ہے کہ ایک صاحب حال واقف اسرار آگاہ حقیقت ولی کامل کے منہ سے ایسے بابرکت مژدہ کا نکلنا ایک ایسی دعائے مستجاب تھی جس کے حاصل کرنے کے لئے خسرو ہی جیسا بلند طالع مولود ہو سکتا ہے۔

دوسری یہ روایت ہے کہ جب خسرو علیہ الرحمہ تعلیم سے فارغ ہوئے اور آپ کی شاعری کا عہد شباب شروع ہوا تو اوس وقت آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی تو اُن سے لعاب دہن کی التماس کرتا تاکہ اوس کی برکت سے کلام میں حلاوت و شیرینی پیدا ہوتی۔

اعجاز سخن اور شیخ طریقت کا فیض

چنانچہ ایک روز جب کہ دولت زیارت حضرت خضر کی نصیب ہوئی تو اُن سے اپنی دلی تمنا کا اظہار نیازمندانہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ "ایں بچہ شیراز برد" یعنی شیرینی سخن کی دولت

شیخ سعدی شیرازی کو نصیب ہو چکی۔ اس مایوس کن جواب سے خسرو علیہ الرحمۃ شکستہ خاطر ہوئے اور شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین محمد سلطان الاولیا قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں صورت واقعہ درد انگیز لہجہ میں عرض کی۔ شیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شکستہ خاطر ہونیکی کیا بات ہے حلاوت سخن میں عطا کئے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے چند پارے مصری کے خسرو کی سر سے نچھاور فرمائے اور ایک ٹکڑا آپ کے منہ میں بھی ڈالدیا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ خسرو علیہ الرحمۃ جب حضرت شاہ بو علی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اوس وقت اون سے لعاب دہن کی التماس کی ہی شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیرینی تو سعدی کے حصہ کی ہو چکی نمکینی باقی ہے یہ فرمایا اور ایک کنکری نمک کی اپنے منہ میں ڈالکر پھر اوسے خسرو کے منہ میں ڈالدیا۔

جب شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے خسرو واپس تشریف لائے تو اسوقت اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا اور شیرینی سخن کے طالب ہوئے اُسوقت حضرت نظام المشایخ نے مصری کھلائی اور حلاوت سخن عطا فرمائی۔

صاحب سیر الاولیا مولنا سید محمد کرمانی المعروف بامیر خرد جو امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے معاصر ہیں اور شیخ المشایخ حضرت سلطان الاولیا کے مرید و خلیفہ بھی ہیں سیر الاولیا میں تحریر فرماتے ہیں کہ "روزے در مدح سلطان المشایخ پیش سلطان المشایخ شعرے گذرانید فرمان شد کہ چہ میخواہی چون ہوس سخن در نظم داشت شیرینی سخن خواست فرمان شد کہ آں طاس شکر کہ زیر کھٹ ست بیار و بسر خود نثار کن و قدرے ازاں بخور امیر خسرو ہم چناں کرد لاجرم شیرینی سخن او شرق و غرب عالم گرفت" سیر الاولیا کی روایت اختلاف اصل حقیقت میں سب روایتوں سے زیادہ

قابل وثوق ہے۔ اگرچہ بہت ممکن ہے کہ عطاے شیرینی کی دولت چند بار نصیب ہوئی ہو اور جس کو جو روایت پہونچی اوس نے اوسی کو نقل کیا۔

لیکن خود امیر خسرو علیہ الرحمہ مثنوی نہ سپہر میں ایک اشارہ کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامعیت اور زور کلام خود شیخ طریقت حضرت نظام المشایخ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بذل و نوال کا صدقہ ہی فرماتے ہیں۔

من از وے لعاب دہاں یافتم   کزاں گونہ آب دہاں یافتم

دو قطرہ ازاں در دوات افگنم   تظلم در آب حیات افگنم

اسمیں کوئی شک نہیں کہ خسرو علیہ الرحمہ نے جہاں اور برکات مخصوصہ اپنے شیخ سے حاصل کیں وہاں حلاوت سخن بھی شیخ کی دعاء مقبول کی بدولت حاصل کی۔ رہی یہ بحث کہ خاصان خدا کی دعا یا لعاب دہن میں یہ قوت و تاثیر ممکن بھی ہے یا نہیں اس مقام پر ایک امر زاید ہے اور موضوع سے بہت دور جاتا ہی جس سعید ازلی کو نفوس قدسیہ کی مقدس و مقبول دعائیں نصیب ہوئی ہیں وہی خوب جانتا ہے کہ "رب اغبر اشعث لو اقسم باللہ لابرہ" جو ایک زبردست بشارت صادق و مصدوق ہے وہ کیا کچھ قوت و تاثیر رکھتی ہے اور جو شخص اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہے وہ اگر انکار کرتا ہی تو اوس کی محرومی اوس کی عذر خواہ ہی ع

ہر کہ ایں کار ندانست در انکار بماند

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ الکریم وعلی الہ واصحٰبہ اجمعین ط

حررہ بعبد ہ بقلمہ
فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ
بہار شریف۔ محلہ میرداد۔ ضلع پٹنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے کشایندۂ خزانۂ[1] جود   نقش پیوند کارگاہِ وجود
کوکب آرائے آسمانِ بلند   ہم زمیں ساز و ہم فلک پیوند
بودنی را ہمیشہ بود از تو   بود نابود را وجود از تو
آفرینش رقم کشیدۂ تست   ہرچہ جز تست آفریدۂ تست
در نیائی بفکر[2] عالمیاں   در نگنجی بوہم آدمیاں
آدمی کیست خاک بے سروپائے   کو[3] بداند خدائے را چو خدائے
سخن آنجا کہ از خدادانی ست   لافِ دانش دلیل نادانی ست
آنکہ خود را شناخت نتواند   آفرینندہ را کجا داند
آنکہ در کارِ خویش گم باشد   دمِ عیب از وے اشتلم[4] باشد

---

(۱) حدم = خزائن   (۲) سنم = بفہم   (۳) رم = کہ   (۴) لفظ ترکی ست بمعنی ستم و ظلم را از حد گذرانیدن ۱۲ .

مور کافتد میانِ دریابار[۱] — کے رسد از شناوری بکنار

عقل گو[۲] صد ہزار رنگ آمیخت — از خجالت بپائے پس بگریخت

ہر چہ اندر جہاں نداند کس — ہمہ دانند کاں تو دانی و بس

کردنی ہر چہ در جہاں شاید — آنچناں‌ش کنی کہ می باید

حرفِ انگشت چوں ز تست بہشت — کس بحرفِ تو چوں نہد انگشت

ساختی از قضا جریدہ راز — بستی از حرف کاف و نونش طراز

لاے توحید اژدہاست بپاے — کہ خدایاں خورد بغیرِ خداے

اندراں لاے معرفت پیشہ — لام الف گشت پاے اندیشہ

ہمہ ہستی ز ملک تا ملکوت — یک رقم زاں جریدۂ جبروت

ہستِ بی‌نیست[۳] آشکار و نہفت — ہم[۴] تو لی جز ترا نشاید گفت

تو بُدی و نبود ایں ہمہ چیز — ہم تو مانی و کس نماند نیز

کے کسے چوں تو پایدار شود — بندہ کے آفریدگار شود

ہر چہ نتواں ز پادشاہی کرد — کردی و میکنی و خواہی کرد

تو توانی کہ بخشی از شاہی — ہر چہ خواہی و ہر کرا خواہی

---

۱ دریاے بزرگ ۱۲ لغ ۲ جب = گر ۳ وجودیکہ در آں عدم راہ نیابد و ہم آشکار و ہم پنہاں باشد آں وجود پاک تست ہم درین معنی مولانا عبدالعلیم آسی غازی پوری قدس سرہٗ شعرے فرمودہ و دُر سُفتہ: بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار + اُس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے ۱۲ لغ ۴ ر = آں

کارسازی و کارسازت نه — هیچکس کاردانِ رازت نه

گر بجان زندگی ست حیوان را — زندگانی تو میدهی جان را

جان که او را بها نداند کس — رایگان[1]ش دهی بمور و مگس

تو نگاری ز خاک صورتِ پاک — تو توانیش باز کردن خاک

خاک را آدمی توانی کرد — آدمی نیز خاک[2] دانی کرد

گل برآری ز گِل بجلوه گری — هم برآری و هم فرو دبری

سنبل آری ز خاکِ صحرائی — هم بیاری و هم بیارائی

گوهر اندر صدف به بند کنی — پس برآری و ارجمند کنی

شب فرستی و شب فروزی هم — روز دادی[3] فراخ روزی هم

دهی از لطف هر کرا خواهی — چشمه را آب و آب را ماهی

پشه[4] را بمهمانیِ جود — طعمه بخشی ز کاسهٔ نمرود

عاجزی را چو دل بزور کنی — شیر شرزه زبون مور کنی

از تو خاکی خوش آتشی ناچیز — بولهب[5] خوار و بوتراب[6] عزیز

هر کرا شکر گوی خویش کنی — نعمتش را بشکر بیش کنی

---

[1] مفت و بے عوض ۱۲ [2] آدمی را خاک کردن هم میدانی ۱۲ [3] شوکت [4] رس = آری [5] لهب بمعنی شعله و ابولهب کنیت عبدالعزیٰ ست که عم رسول الله صلی الله علیه وسلم بوده و در مذمت او سورت تبت یدا نازل گشته ۱۲ [6] تراب بمعنی خاک ابوتراب کنیت حضرت مولیٰ علی کرم الله وجهه است روزے حضرت مولیٰ بزمین مسجد استراحت میفرمود پیغمبر صلی الله علیه وسلم از غایت شفقت برای بیدار کردن قم یا اباتراب فرمودند و خاک را از جامه و جسم بدست مقدس خویش پاک فرمودند پس از آن روز کنیت حضرت علی ابوتراب گشت ۱۲

وانکہ باشکر نبودش خویشی گوشمالش دہی بدرویشی

اے بصد لطف کارساز ندہ ق بندہ را از کرم نوازندہ

بندگاں را بخواجگی شب و روز ۲ خواجگی بخش بندگی آموز

بکرم رخت خواجگیم بسوز بندہ ام خواں و بندگی آموز

آمدم بر در تو بے خود وار باخودم دار بے خودم مگذار

دور کن باد خسروی ز سرم پر کن از خاک بندگی بصرم

بے نیازم کن از در ہمہ کس جز در گاہِ بے نیازی و بس

آنچناں رہ بخویش کن بازم کز تو با دیگرے نہ پردازم

ہمہ جا لطفِ خویش یارم دار بر درِ خویش رستگارم دار

اندراں تلخئے کہ در انجام زاندہِ نزع تلخ گردد کام

اولم کن بشربتے سیراب کآخرم تلخئے نیارد خواب

در قیامت کہ حشر کار شود ق عاصی از کردہ شرمسار شود

چوں بصحرائے نہانِ ہمہ شرمسارم مکن میانِ ہمہ

از گنہ آنچہ در جہاں کردم رحمتم داد دل ازاں کردم

چوں ز رحمت شد ایں عمل یارم ہم برحمت حوالہ کن کارم

چوں رسد خواجہ نکوکاراں ق در شفاعتگہِ گنہ گاراں

---

(۱) ہیچ = زبندگی (۲) اضافہ بموجب بسر (۳) بس = تلخیم (۴) میدان محشر ۱۲ (۵) دل داد یعنی دلیر ساخت ۱۲

زاں[1] شفاعت رواجِ کارم بخش ... بشفیعِ بزرگوارم بخش

درود روان سوی روضۂ محمدی که هشت بهشت
راگلِ خلود از گلابِ عرقِ او شگفت اللّٰهم صلّ علیٰ محمد

سخن آں بہ کہ بعد حمد خدائے ... بود از نعت خواجۂ دوسرائے
احمد آں مرسل خلاصۂ کون ... پردہ پوشِ اُمم بدامن عون
میم احمد کہ در اَحَد غرق ست ... کمر خدمت از پئے فرق ست
احمد اندر اَحَد کمر بند ست ... یعنی این بندہ واں خداوند ست
عاصیاں را در آفتابِ[2] نشور ... ظلّ ممدود[3] داد از منشور
نورِ او آفتاب را مایہ ... سایۂ خلق و ابر بے سایہ
بہر تعظیمِ اوارادتِ پاک ... سایۂ او رہا نکردہ بخاک
پایۂ قدرش آسماں پیوند ... سایۂ نورش آفتابِ بلند
روشنائی دہِ چراغ یقیں ... نور پیشین و شمعِ باز پسیں
نور او کز سپہر صد چند ست ... مہ شگاف و سپہر پیوند ست
انبیا پیشِ آں خجستہ چراغ ... طفلِ گہوارہ در مقامِ بلاغ

---

[1] ج = از [1] ب = برسول [2] روز قیامت ۱۲ [3] ظل بمعنی سایہ و ممدود بمعنی دراز و منشور بمعنی فرمان شاہی و اینجا فرمان الٰہی ۱۲

کارپرداز کارنامهٔ[1] غیب — خازنِ گنج خانهٔ لاریب[2]
اُمّی و حرف سنج تختهٔ کُن — قلمش راست کار و راست سخن
کاف و نون یک رقم ز نامهٔ او — لوحِ محفوظ زیرِ خامهٔ او
بهترین نقطهٔ رسل بشمار — آسمان دائره است او پرکار
در سرشتِ خود از دقیقهٔ عون — ذاتِ پاکش خمیرمایهٔ کون
نه سپهر از وجود او شد چیز — بلکه هژده هزار عالم نیز
زبدهٔ هرچه بود و هرچه بود — دولتے زین بزرگ ترچه بود
دُرّة التاجِ کُن فکان نسبش — قرة العینِ انس و جان لقبش
هستی از وے علم برآورده — او تفاخر به نیستی کرده
گفت عیسیٰ خود از کتاب اَحَد — یاتی من بعدے اسمه احمد
ذات او خلق را کلید نجات — هم حیاتِ جهان هم آبِ حیات
عیسیٰ از کیمیائے جانست بپوست — بیگمان کیمیائے عیسیٰ اوست
خاتمِ چرخ زادهٔ زر انگشتش — پدر او چکید از پشتش
اوست جانے که قالبش به یقین — جان روح الله است و روحِ امین
ختمِ پیغمبران بارخدائے — گمرهان را بصدق راهنمائے
منکرِ شرع را ز اصل و ز فرع — سر زده هم بتازیانهٔ شرع

لاریب = کارخانهٔ ۲ مراد از قرآن پاک ست که در توصیفش عز اسمه ذالک الکتاب لاریب فیه فرموده ۱۲

بہدایت دلیلِ بے دیناں — بشفاعت پناہِ مسکیناں
چون بحجت ز بہرِ دعویٰ خاست — حجّتِ او درست و دعویٰ راست
در جہانگیری از زبر تا زیر — ہم زبانش درست و ہم شمشیر
بر سریرِ[1] فلک بحجّت میر — لاے لولاک دورباشِ[2] سریر
پنج منشور[3] از چہ ظلمات — سوے نہ بام نردبانِ نجات
کنگرِ شینِ شرع از ہمہ راہ — برشدن را فگندہ حبل اللہ
بردہ بر عرش خواجگی را تاج — عرشیانش بہ بندگی محتاج
اوج بر بلبلانِ ما زاغش — غلغلِ مرغِ سدرہ در باغش
آنکہ او سنگ زد بدندانش — یافت گوہر[4] ز لعلِ خندانش
عذرخواہِ امم بہ پردۂ راز — عذرِ او جرم سوز و مجرم ساز
وصفش از حدِّ عقل و جاں برتر — بارگاہش ز لامکاں برتر
آفریں باد بر چناں خاکے — کہ از او زادہ شد چنیں پاکے
نورِ او از زمیں بروں دادہ — آسماں و زمیں از و زادہ

---

۱ سریر تخت امیر ۲ دورباش بواو معروف نیزہ باشد کہ سنان آن را دو شاخہ سازند و چوب آن را بزر و جواہر مرصع ساختہ پیشاپیش سواری بادشاہاں برند تا خلق از دور مشاہدہ نمودہ یکسو شوند و نیز اگر عدوے کند بجانب بادشاہ انداز دبداں دفع کنند. پس لاے (لا) لولاک را دورباش گفتن عجب استعارۂ بلیغ است و للہ در قائلہ ۱۲ ۳ در حدیث آمدہ است بنی الاسلام علی خمس یعنی بنیاد اسلام بر پنج چیز نہادہ شدہ است کلمہ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج پس از پنج منشور ہمیں مراد باشد یا نماز پنجگانہ و از چہ ظلمات کفر و ضلالت ۱۲
۴ از گوہر مراد دعا در حق کفار ست ۱۲ شوکت

خاک و آبش بکار خانهٔ راز گشته نه بام را عمارت ساز

چار یارش بچار سوئے زمیں چار رکن و چار صفهٔ دیں

آں بزرگاں که همنشینِ ویند روشن از پرتو یقینِ ویند

اوّل آں اوّلیں خلیفهٔ کار ثانی اثنین اذ هما فی الغار

دویم آں کز شکوهِ پایهٔ او دیو بگریخته ز سایهٔ او

سوم آں جامعِ جریدهٔ پاک چاشنی گیرِ خوانِ ارسلناک

چارم آں قصرِ دیں را دهلیز درِ علم و کلیدِ خیبر نیز

دوستان دگر کزاں جمعند صبح را نور و شام را شمعند

آنکه پاکند پاک کیشانند رضی الله عنهم ایشانند

راهِ شاں را که نه فلک زِ پس ست توشه خوشنودی خدائے بس ست

هر یکے سرِّ سرمدی دارد زانکه نورِ محمّدی دارد

همه را داد دولتش همه چیز آفریں بروے و بر ایشاں نیز

ابد الدّهر بارضاے تمام از خدا بادشاں درود و سلام

گردِ آں انجمِ سپهر افروز پرتو نورِ مصطفیٰ شب و روز

هر که از مصطفیٰ ندارد نور سایه اش دور باد از ما دور

نامِ پاکش که مرده آنم زنده بادا بیاد[1] او جانم

۱؎ ج = زیاد

بندہ خسرو کہ در پناہش باد ‏ ‏ مردہ و زندہ خاکِ راہش باد

صفتِ معراج سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

گر شود مردم آسماں را تاج ‏ ‏ جز محمدؐ کراست ایں معراج
فرخ آں شب کہ آں چراغِ دو کون ‏ ‏ زد بقندیل عرش پرتوِ عون
شب چو بر سر نہادہ چترِ سیاہ ‏ ‏ چترِ اسریٰ کشید بر سرِ ماہ
دولتش زیں سرائے دامن گیر ‏ ‏ جلوہ گر شد بہ لاجورد سریر
شبِ[۱] او گشت زیورِ ماہش ‏ ‏ نورِ او گشت مشعلِ راہش
در دلِ شب ز پرتوِ آں نور ‏ ‏ حرفِ باریک غیب خواندہ ز دور
جبرئیل آوریدش از درگاہ ‏ ‏ راہوارے کہ وہم راز د راہ
بر نشست و عنانش داد فراز ‏ ‏ تا شتاباں شود براہِ دراز
اول آں دم کہ کوسِ اسریٰ زد ‏ ‏ خیمہ در بارگاہِ[۲] اقصیٰ زد
رفت زانجا ہمہ نوا بخشید ‏ ‏ خستۂ[۳] خویش را دوا بخشید
پس بہ پیشش عطارِد نامی ‏ ‏ برد شعرِ یمانی و شامی

---

۱ مراد از شب گیسوئے معنبر و از ماہ چہرہ انور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

۲ مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس ۱۲

۳ خستہ خویش باعتبار معجزہ شق القمر ماہ را قرار دادہ ۱۲

چون از آنجا جنیبه راند به پیش | زهره در رقص شد ز قبهٔ خویش
در رهش آفتاب روشن و پاک | پیش[1] ازاں رو نهاده بود بخاک
چون به پنجم سپهر کرد خرام | طرقوا[2] زد چو چاوشاں بهرام
چون بششم خانه شد قرارگهش | مشتری از عمامه رُفت رهش
زحل از سهمناکیِ کیشش | گشت غلطاں چو هندواں پیشش
چون ز اختر بنا ثبات گذشت | زین تحرک درآں ثبات گذشت
هم ثوابت خجسته ذات شدند | هم بدریوزهٔ[3] ثبات شدند
چون علم پیش برد زیں پرکار | ماند بر جا ز ماندگی رهوار
عرش برداز جنیبه بارش را | پاے گم شد جنیبه دارش را
روش افگند ز آفتابِ حضور | بر فنا دیلِ عرش پرتوِ نور
چون برخ عرش را منور کرد | زاں[4] مکاں سر بلامکاں برکرد
جلوه کرد از وراے کونینش | سر بدرگاهِ قاب قوسینش
برگرفت از میاں حجاب خیال | تا درآمد بجلوه گاهِ جمال[5]
شد بجاے که جاں نمی گنجد | خود هم اندر میاں نمی گنجد
دیده را نور لایزالی داد | سینه را سرِ ذوالجلالی داد

---

[1] ج = بهراد [2] معنی طرقوا (که صیغهٔ امر حاضر ست) یکسو شوید و راه دهید و معنی چاوشاں نقیباں ۱۲

[3] ح = بدریوزه [4] ب = از [5] جب = وصال

چوں زعالم بروں نہاد قدم | جلوہ گر شد بہ پیشگاہِ قدم
هستی دیدہ کش زوال نبود | نیستی را در و مجال نبود
یافت در خود متاع موزوں را | دید بے شک خدائے بیچوں را
نکتہ بر خواند بے وکالت ہوش | قصہ بشنید بے میانجی گوش
گوش کی ترغیب را سنجد | بحر اندر صدف کجا گنجد
باہزاراں ہزار نقد مراد | در شبستانِ دولت آمد شاد
بہرہ داد از رہِ جوانمردی | رہ رواں را ازاں رہ آوردی
کرد چوں بخشش خواجگاں ہمہ چیز | داد بخشش گناہ گاراں نیز
ہر یکے را نوید احساں داد | یادگارے زیادِ یزداں باد
تا شدیم از چناں متاعِ امید | ما گدایاں تونگرِ جاوید
بیں کہ چوں گنج خانہ داریم | کہ چو ایماں خزانہ داریم
چہ غم ار ہست نقب زن بقفا | حَسْبُنَا اللہ وَحدہٗ وَکَفیٰ

مدح قدوۃ الخافقین نظام الحق فی الدنیا والآخرۃ

رضوانِ ریاضِ ریاضت کہ گلہائے تازہ وجوہ یومئذ ناضرۃ وبرگہائے ترالی ربہا ناظرۃ در فردوس ارادتِ

---

(۱) ح = پیش و (۲) ح = پیشتر (۱) ج ب = لقائے (۳) ح س = خاصگان

او تواں یافت بلغه الله فی مقعد صدق عند ملیکٍ مقتدر

چوں من از خوانِ نعمتِ خواجہ خویش — نعمتے تازہ یافتم در پیش

زلہ کردم ازاں رقاقی چند — تا کنم توشۂ ابد پیوند

گندمے بود زلہ آدم را — خوانچہ نیز پور مریم را

زلہ ام کز رسول والا بود — نہ کم از آدم و مسیحا بود

کنم اکنوں ازاں نعیم جلال — خوانچۂ بہر شیخ مالا مال

غوثِ عالم نظامِ ملتِ دیں — قطبِ ہفت آسمان و ہفت زمیں

رہبرِ پیش بیں محمد نام — زدہ پے بر پئے محمد گام

صوفیِ در شعارِ صوفِ سلیم — چرخِ اطلس نہفتہ زیرِ گلیم

در قدم راہش از ملایک پیش — پاییش از بوسہ ملایک ریش

قدمش را کہ آسماں محل است — پایۂ خطوتین قد وصل است

از کرامت بر آسمانش جائے — وز ریاضت ہواش در تہ پائے

سعدی از سر نوشت خود مسعود — خطِ پیشانیش طراز سعود

مردم دیدہ ستارہ و ماہ — گفت چرخش علیک عین اللہ

لہ جب = منگ — ؎ زلہ بفتح راو تشدید لام انچہ از طعام بہر کسی نگاہ دارند و رقاق بضم اول نان تنک ۱۲

؎ توشہ موصوف ابد پیوند صفت ۱۲ — لہ ج = نہادہ — ؎ مسافت میان ہر دو قدم ۱۲

؎ ہوا یعنی خواہش نفس را در تہ پا آوردہ و پامال ساختہ ۱۲

پاک روحِ الٰہی بدینِ قوی — زندہ دارِ شریعتِ نبوی

شہپر ہمتش بہ بازوے دیں — نسختے[۱] از جناحِ روحِ امیں

شرفِ آدم از نکو خلقی — نائبِ مصطفےٰ بوحیِ خفی

ہُوَ مَعَکُم براتِ حاصلِ او — کُنتُ کَنزاً خزانۂ دلِ او

کاردانِ ممالکِ ملکوت — مشرفِ[۲] کارخانۂ جبروت

پادشاہاں بہ بندگی شرفش — خواجگانِ زمانہ در کنفش

بر زمیں جبرئیلِ نورانی — زادہ از بیضۂ مسلمانی

آفتابی ست ز آدمی زادہ — و آسمانی ست از زمے زادہ

نے ز ابرار دیدہ کس عملش — نے ز ابدال یافتہ بدلش

سفرش زیں نہ آشیانہ بروں — روزہ از ما سوا اللّٰہش بدروں

ہر شبش زاوجِ عالمِ اسرار — صبحِ دولت دمیدہ از شبِ تار

پاکبازے فگندہ بر سر گنج — ہفت[۳] و چارِ زمانہ در ششِ و پنج

آہِ او تیرِ چرخ گاہ کشاد — نفسش تیغ تیز ہمچوں باد

زدہ دہلیزِ قدر بر درِ دیں — میخش او تاد در رشتہ حبلِ متیں

---

(۱) س = نسخہ
(۲) جب = پادشاہے
(۲) نویسندہ کہ بالاے نویسندگاں متعین شود تا از خیانت ایشاں خبردار بودہ باشد ۱۲
(۳) از ہفت مراد ہفت آسمان و زمیں و از چار عناصر اربعہ کہ موالید ثلاثہ جماد و نبات و حیواں ازاں بوجود آمدہ یا ربع مسکوں و از شش و پنج متحیر و عاجز یعنی چنداں گنج عرفاں دارد کہ ہمہ عالم را متحیر ساختہ ۱۲

خاک نعلینش آسمان سلب ست — بوریای وی ارچه از قصب[۱] ست
در رواقش بهوش دیوار — خانه کرده فرشتگان بسیار
دیواز سیلیش بدست صفا — هم سیه روے و هم کبود قفا
سروران سلوک درکویش — مسح کرده ز آب پاشویش
وان سواکش[۲] که عمدهٔ دین ست — دُرج دُر را کلید چوبین ست
در دلِ عاشقان به پردهٔ راز — بانگِ نعلین[۳] ارغنونِ نیاز
نوربخش درونه عین عطاش — رهنمائے امید دال دعاش
چون ز وجد آمده دلش درسوز — شمع را کرده خاطرش پرسوز
چشم مهرش زپرتوِ جاوید — سنگ را کرده لعل چون خورشید
کیمیا سنج کورهٔ مقصود — کردحل جمله عقدهائے وجود
دلش از عشق خون و دیده پُرآب — اینست کبریتِ احمر آن سیماب
درد و درمانش در تهِ[۴] فرمان — گنجِ درد و خزینهٔ درمان
پیش اُستاد دل بکوششِ چیست — گشت سبقِ شکستگیش درست
وان مریدانِ رهروانِ یقین — هر یکے والیِ ولایتِ دین
همه شیطان کُش و فرشته خدم[۵] — در روش بر هوا نهاده قدم

---

۱ نے وہرچہ بافند نے باشد ۱۲ — ۲ سواک یعنی مسواک ۱۲ — ۳ جب نعلینش — ۴ جب = رہ
۵ جب = قدم

زنده دارِ شب از دمِ تسبیح ‌‌ ‌ ‌ غلغل افگنده در رواقِ[1] مسیح

بر سر از شینِ شرع ساخته تاج ‌ ‌ ‌ ‌ دلِ شاں عرش و سجده شاں معراج[2]

ملکِ وحدت بنامِ ایشان ست ‌ ‌ ‌ ‌ بنده خسرو غلامِ ایشان ست

نامِ من زاں ستوده کیشاں باد ‌ ‌ ‌ ‌ حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

مدح سلطان خلد بزم سدره علم طوبیٰ قلم علاء الدنیا والدّین اعلاه اللہ علیٰ اعلیٰ علّیّین

مشتری کوست کاردانِ[3] سپهر ‌ ‌ ‌ ‌ دوش سوئے من آمد از سر مهر

گفت کاے از ضمیر دریاکار ‌ ‌ ‌ ‌ گشته بازارگانِ دریا بار

زاتشِ طبع یافته جاوید ‌ ‌ ‌ ‌ روز بازارِ گرم چوں خورشید

آمدم تا ز دُرجِ دُرِّ ثمیں[4] ‌ ‌ ‌ ‌ سوئے گردوں برم متاعِ زمیں

گوهرے دِه که چرخ تابِ[5] بود ‌ ‌ ‌ ‌ درخورِ گوشِ آفتاب بود

کاں گهرہا که آسماں تاب ست ‌ ‌ ‌ ‌ کهنه و خورده و زرد و بی آب ست

گفتمش کاں گهر که کردی یاد ‌ ‌ ‌ ‌ دهمت گر بها توانی داد

گفت گر بنودم بها داری ‌ ‌ ‌ ‌ هست دیدار رایگاں باری

---

۱ رواق بالکسر و بالضم بمعنی خانه و پرده اینجا مراد فلک چهارم

۲ اشاره باین هر دو حدیث شریف است (۱) قلب المؤمنین عرش الله (۲) الصلوٰة معراج المؤمنین ۱۲

۳ دانندهٔ کار اے قاضی فلک ۱۲

۴ جب = را

۵ ترکیب مقلوب فاعلے اے تابندهٔ چرخ ۱۲

من چو گیرائی[1] نُش نظر کردم — حقهٔ[2] مُهر بسته بر کردم[3]

وانگهی ریختم برون ز نهان — گوهرِ بُرج[5] بادشاهِ جهان

جمِ ثانی علاءِ دنیا و دیں — آسماں تاج و آفتاب نگیں

بادشاهِ جهاں محمد شاه — سایبانِ جهاں ز چترِ سیاه

مهِ سپهرِ منورش خوانده — دیں علاء مصورش خوانده

شاهِ دیهیم بخش و تاج ستاں — از عرب تا عجم خراج ستاں

علمش سر بر آسماں سوده — سایه بر آفتاب بگشوده

دورباشش چو صفِ منصور — شمعِ خورشید را زبانهٔ نور

او چو گردوں مظفر از شمشیر — ابلقِ روزگارش اندر زیر

آفتابے طلوع کرده ز شرق — غرب را بستده به تیغ چو برق

ظلِ چترش پناهِ اهلِ زماں — بانگِ کوسش ندای امن و اماں

تیغش ار بر کهٔ سلیم[7] شده — کوه چوں آسیا دو نیم شده

زد بیک چاشنیِ تیغ چو آب — فتنه در خواب رفت مست و خراب

رمحش از آسماں ربوده کلاه — پرچمِ او شده[6] محاسنِ ماه

---

[1] گیرائی بمعنی رغبت و خواهش ۱۲ — [2] حُق = حقه را — [3] برکردم ای برداشتم ۱۲

[4] بُجر = خاتم — [5] برج = برده — [6] سحب = گسترده

[7] سلیم صفت کوه است دار بمعنی اگر ۱۲

تیغ دُرجش کہ خصم را سو وند　　ماءِ مسکوب[۱] و ظلِ ممدود اند

نوکِ پیکانش در مقامِ ہنر　　بردہ داغِ کلف ز روے قمر

فتح با تیغِ ملک گیرش باد　　جانِ دشمن شکارِ تیرش باد

دُرفشانیِ لبِ مادح بنطعِ انبساطِ زمین بوسِ جنابِ رفعت سلطانی

اے جہاں در پناہِ دولتِ تو　　آسماں بارگاہِ صولتِ تو

ہفت اختر کہ خاکِ راہِ تو اند　　سایہ پرورِ بارگاہِ تو اند

خاکِ پایت ز اوج کونینے　　یافتہ قربِ[۲] قدرہ اُلیعنے

بردرت خسروانِ غرب و شرق　　ہمہ اصلع[۳] شدہ ز سودنِ فرق

آستانت کز وست انورِ چشم　　گشتہ[۴] نور از سیاہیِ ہر چشم

بسکہ قصرت شدہ بگردوں تنگ　　آمدہ پاے[۵] آسماں بر سنگ[۶]

آفتاب از جبینت شد مستور[۷]　　گرچہ او گرد گرد چنداں نور

ابر با آں[۸] ہمہ زبردستی　　کردہ در پیشِ دستِ تو پستی

دادہ دریا کفِ تو دُر بہوس[۹]　　کفِ دریا چہ داد مُشتے خس

---

۱ ماءِ مسکوب آب جاری کردہ شدہ و ظل ممدود سایہ کشیدہ اشارہ است بمضمون آیۃ کہ در صفت جنت بسورۂ واقعہ نازل شدہ پس تیغ ممدوح باعتبار آبداری از ماءِ مسکوب و جوہرش را از ظلِ ممدود استعارہ آوردہ ۱۲　ن۲ عجب = شغل

۳ اصلع گنجہ، شوکت ۱۲　ن۴ رہ = بست　۵ پاے برسنگ آمدن عاجز شدن۔ شوکت ۱۲　ن۶ عجب = در

ن۷ عجب = رخت شدہ ۱۲　ن۸ یک = ایں　۹ یعنی بکف تو کہ دریاست اہل ہوس را در حسب ہوس شاں بخشیدہ ۱۲

آب باری توزاں کفِ چو سحاب   ابر بارد و لے سوارک[۵۱] آب
سایۂ مہرِ تو شکستہ[۵۲] پناہ   ذیلِ عفو تو پردہ پوشِ گناہ
مہد[۵۳] گردوں کہ ذوالامانت خواند   مہدیٔ آخر الزمانت خواند
عدل سرمایہ تاج و تختِ ترا   چرخ بازیچہ طفلِ بختِ ترا
شحنۂ عدلت از رعایت خویش   گرگ را دادہ آشتی با میش
رزم و بزمِ تو بسکہ در کار ست   دولتت مست[۵۴] و بخت بیدار ست
چوں خدایت سریرِ شاہی داد   ملکت از ماہ تا بماہی داد
کوش کآسودہ داری از شاہی   عالمے را ز ماہ تا ماہی
بر ستمکش ز عدل کم نہ کُنی   بر ستمگار جز ستم نہ کُنی
خار بُن را برافگنی ز گذر   خار کَن را کُنی نہال ز سر
چوں بہ پیلاں علف دہی حالی   از غمِ مور دل مکن خالی
عالم آسودہ کن ز نعمت وجود   تا تو خوش باشی و خدا[۵۵] خوشنود
چوں بخاصاں دہی نوالہ و جام   ق   کامِ شاں خوش کُنی بنعمت و کام
یاد کُن زاں گدائے بے توشہ   کہ شب اُفتد گرسنہ در گوشہ

---

۵۱ معنی سواران آب ست کہ حباب د موجۂ آب باشد ۱۲   ۵۲ شکستہ پناہ اضافت مقلوب یعنی پناہ شکستگاں ۱۲   ۵۳ ح = مہر   ۵۴ دولت تو مست اُفتادہ است پس از غایۂ مستی یارائے رفتن جائے دیگر ندارد و بخت تو ہشیار ست پس پاسبانی او می کند ۱۲
۵۵ ح = جہاں ۱۲

کت چو فردا شمارِ کار کنند — اول از مفلساں شمار کنند

بیغمی بایدت بعالمِ ملک — غمِ عالم خورو مخور غمِ ملک

تا چو عزمی بود لواے ترا — عالمے غم خورد براے ترا

شه جهانگیری از سوار[1] کند — شیر[2] بدست و پا چه کار کند

مردم از بهرِ آں شود زسراں — که کند کار سازیِ دگراں

خدمت از بهرِ بخشش و کرم ست — ورنه یک تن ز دیگرے[3] چه کم ست

تا توانی بدین ودادگراے — که بود ملک زیں دو پایه بپاے

بنده در خوں کند چو دامن جست — ویت از پادشاه باید جست

پیل چوں مور راته[4] پا سود — پرسش از پیلبانش خواهد بود

گرچه در سدِ آهنی معصوم — مشو ایمن زناوکِ مظلوم

گرچه بینی بگردِ خود صد دوست — زاں یکے دشمنت بود در پوست

ورچه کس نیست دشمنِ تنِ تو — غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو

آں چناں دار پاسِ جانِ عزیز — که تو خوش خسپی و ولایت نیز

ورچه صد پاسباں بوند ز پس — پاسِ تو به ز تو ندارد کس

بر چنیں پایه کاستواریِ تست — پاسبانِ تو هوشیاریِ تست

---

[1] سوار مقابل پیاده وایںجا بمعنی لشکر آمده

[2] رس حجب = سرِ بے دست و پا

[3] جب = دیگراں

[4] جب = به پاے بسود

پاسبانی کہ بہرِ مزد بود — پاسباں نے کہ سیم دزد بود

چوں در آئی بصفِ تیغ زناں — از تزلزل کشیدہ دار عناں

لشکرے کز عدو فرار کند — چوں بسلطاں رسد قرار کند

لیکن ار شہ نعوذ باللہ تافت — کی فراہم شود صفے کہ شگافت

شاہ کوہے بود بسنگِ وقار — جنبشِ کہ قیامت آرد بار

گرچہ برنا برزم کارگرست — کوششِ کاردیدگاں دگرست

در صفِ رزم باجواناں پوے — لیک تدبیرِ آں زپیراں جوے

من کیم تا زنم زپند نفس — دولت و بخت پندگوی تو بس

ہست بیدار کردنِ بیدار — ہمچو باراں بروے دریابار

نرزد چرب کردنِ بادام — نے حلاوت بشیرہ دادنِ وام

لیکن آرد بحضرتِ شاہی — ہر کسے قدرِ خود ہوا خواہی

گر پذیری مرا خود احسان ست — ور گذاری خود از در آسان ست

نرزد ایں تحفہ عرض پیشِ سریر — تو کریمی کرم کن و بپذیر

باش تا ہست چرخ زنگاری — در جہانگیری و جہانداری

ز آرزو صد نوید در گوشت — و آرزوہا ہمہ در آغوشت

لہ رس = او — ٹہ برنا بمعنی جوان ۱۲ — ۵۳ تجربہ داں ۱۲ — لہ حجب = کت زنم

دہ جب = سزاے من آں ست — ۵۶ نرزد مخفف نیارزد ۱۲

دولت راز کامرانی نور — گردِ ناکامی از جنابِ تو دور
بختِ نیکو همیشه یارِ تو باد — ایزد از بدنگاه دارِ تو باد

در سببِ بنیاد نهادنِ هشت بهشت اصحابِ یمیں

و روی نسیم مدام نوشیں و سقاهم ربهم شراباً طهوراً

شبے از روزِ بے غمی خوشتر — وقتے از نوبهار دلکش تر
هفت[1] و نه کرده ماهِ چارده رو — ماهتابی شده جهاں افروز
برکشاده هوای نورانی — آسماں را گره ز پیشانی
زحمت[2] از باغ برده بادِ خزاں — بادِ نوروز نرم نرم وزاں
گل ز شبنم پُر از نسیم شده — پرده دارِ دُرِ یتیم شده
جنبشِ بادهاے مشک سرشت — باز کرده دریچهاے بهشت
من در احرامِ کعبۂ دلِ خویش — نخل[3] بر دست چاهِ زمزم پیش
نخلِ من چوں مسیح در گفتار — حاملِ بادگشته مریم وار
گشته کلکم کلیدِ سینۂ من — داد بیروں همه خزینۂ من
در گریباں فرو درفته سرم — پُر گهر گشته دامنِ هنرم

---

[1] هفت و نه کردن یعنی آرایش تمام کردن ست که هندیاں آنرا سوله سنگار گویند ۱۲

[2] یعنی موسم بهار بود ۱۲

[3] یعنی قلم در دست داشتم و دوات در پیش ۱۲

فکر تم در گرفته پنهانے　　گنج پاشے و گوہر افشانے

خاطر من بگوہر افشاندن　　وا آفرینش بآفرین خواندن

اوج پر گشته بلبلان ضمیر　　کردمستم ز ار غنون صریر[1]

ہر نوردی که می کشادم باز　　می کشیدم ہزار نکتهٔ راز

گشته زان نکتهاے نور آگیں[2]　　روی کاغذ نگارخانهٔ چیں

نفس روح پرور نغزم　　باد نخوت دمید در مغزم

خامه می گفت کز سواد ہنر　　بعطارد فرو نیارم سر

دل متاع گزیده می فشاند　　مشتری راز آسماں می خواند

من بدیناں بطبع گوہر زائے　　بسخن نکته بند و عقده کشائے

کامد آں ہمنشین جانی من　　ناقد سکهٔ معانی من

ہم علی نام و ہم به بینائی　　چوں علی در کشای دانائی

جبهه از اختر خرد پر نور　　طرفه روئے[3] که چشم بد زو دور

سینه ز اندیشه چوں خزینه پر　　نکته بر نکته چوں علاقهٔ دُر

آدمی صورت و فرشته خوے　　صورت مردمیش روبارے

چوں مرا باز یافت[4] پیشانی　　در گہر سنجی[5] و زر افشانی

ل۱ ر = صفیر　　ل۲ دج = مشک　　ل۳ ربجب = نورے

ل۴ سجب = یار یافت پنهانی　　ل۵ ح = سخن

گفت کای جادوی طلسم انگیز   موشگاف از زبانِ خامۂ تیز
چوں شود خامۂ تو در تحریر   جاں برقص آید از نوای صریر
گاہِ فکرت چو خوی کند رویت   صد عطارد چکد ز ہر مُویت
از ہنرہاے بیش ز اندازہ   در فگندی بعالم آوازہ
بردی اندیشہ را علم جاے   کہ نگنجد بوہمِ داناے
زاں معانی کہ رہ درجاں یافت   بیش زاں یافتے کہ بتواں یافت
ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشر   دوختی دامنش[1] بدامنِ حشر
ہر جریدہ کہ ساز کردہ ئیست   درّے از لطف باز کردہ ئیست
سکّۂ معنی از چہار[2] سواد   کردی آراستہ چو سبع[3] شداد
چوں بعنوان پنجم آمد حرف   تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف
دادی اوّل بگنبد دوّار   روشنائی ز مطلع الانوار
کردی آں گاہ با نشاطِ تمام   شہد خسرو و شیریں اندر جام
باز در عالم خردمندی   شورِ مجنون و لیلیٰ افگندی
پس وہاں پُر درِ درّے کردی   شرحِ رازِ سکندری کردی
ویں زماں کز جواہرِ انجم   می نگاری صحیفۂ پنجم

---

[1] جیب = جیب او   [2] یعنی چہار کتاب ۱۲
[3] ہفت آسمان محکم ۱۲

کوش کیں خطِ چناں نگاری چیست | کہ فزوں آید از چہار نخست
کاوّلیں نکتہ گرچہ چیست بود | آخریں بہتر از نخست بود
مرد ہر پیشہ را کہ بیش کند | زاں نکوتر بود کہ پیش کند
حرفِ طفلاں زیرک از کہ و مہ | پنجشنبہ بہ آید از شنبہ
کرسیِ کُشِش درود گر سازد | ہر چہ پستر لطیف تر سازد
من کز و کردم ایں فسانہ بگوش | آمد از عیبِ تمم درونہ بجوش
دل نہادم بہمّتِ والا | کارم از سینہ لولوی لالا
بر کشادم خزینہ خانہ راز | گشتم از نوکِ خامہ گنج انداز
پارہ از شبِ خاطرِ چو چراغ | کردم اندر دلِ عطارد داغ
از سمنہائے چوں دُرِ ناسفت | آں قدر گفتہ شد کہ نتواں گفت
پس ازیں با دلِ ہنر پیشہ | من و پیغولۂ و اندیشہ
ایں ورق را چناں کنم تحریر | کہ نیابیش در زمانہ نظیر
و ز طریقِ سخن سرائے کہن | ہر چہ دیدم دقیقہ ہائی سخن
کنم اوّل بحرف ہائے غریب | نکتہ ہائے کتاب را ترتیب
دلِ پاکِ منش بمستورے | ساخت دستورِ من بمستورے

لہ وجب = را　لہ ر = اوّلین　لہ س = نسخہ　لہ ج = غیر تم

ھ بروزن قیلولہ گوشہ و خلوت ۱۲　ھ مراد از نظامی ۱۲　لہ ج = دادم　لہ ج = طرزہائے

ھ ضمیر شین راجع بسوئے مثنوی ہفت پیکر ۱۲

حقه بگشادم و شکر دیدم — چاشنی[1] را نمونه برچیدم
جرعهٔ را که عقل چید ازوے — همه ریزم درین قرابهٔ مے
آں نمودارِ هفت پیکرِ او — ویں برآئینِ هفت زیورِ او
داں بهر گنبدے به مجلس و جام — عیشِ خوبان و عشرتِ بهرام
یک بیک را نمونه بر سازم — نزدِ نو بر بساطِ نو بازم
نمطِ رنگ هائے گنبد نیز[2] — ساز[3] دیگر برآرم از تمییز[4]
رنگئے آرم که بوی هم باشد — و انچناں رنگ و بوی کم باشد
هر متاعے بعنبر افشانے — صندلے و بنفش و ریحانے
وانکه زرد ست و زعفرانی فام — کنمش رنگِ زعفرانی نام
آنکه باشد سیاه رنگیں نیز — خوانمش عنبریں و مشکیں نیز
وانکه سرخ و سپید پنداری — اینست کافوری آنست گلناری
گویم افسانهائے طبع افزائے — از لبِ لعبتِ فسانه سرائے
هر فسانه صراحئ زشراب — دورِ مستی و بلکه دارو خواب
هر یکے را بهشت نام کنم — حور و کوثر درو تمام کنم
هفت باشد بهشت و گوهر هفت — هشتم آں کاندرو بود هر هفت
پس بنو نیسم ز کلکِ مشک سرشت — نام ایں هشت خانه هشت بهشت

۱؎ یعنی چاشنی کلامِ نظامی را نمونهٔ خود کردم ۱۲   ۲؎ ن: نور   ۳؎ ن: شانِ   ۴؎ ن: تنبور

تا کسے کاندرو گذر یابد — بے قیامت بہشت دریابد
خود بر آں دل کہ خازنِ ہنرست — ہر بہشتے قیامتِ دگرست
گر بود ناقدِ خزانۂ راز — داند اندیشۂ مرا پرواز
ورنہ دانش نباشدش پیوند — ہم بافسانہ شود خرسند
چوں من از خاطرِ سخن پرداز — کردم آغازِ ایں صحیفۂ راز
زیورش کز من آید آں پرداخت — سازمش آنچناں کہ باید ساخت
واں دگر زیورے کہ نتواں داد — آں خدائی بود خداش دہاد

نصیحت فرزند بہشتی ثمرۃ الفواد عفیفہ ام عفافہا

اے ز عفت فگندہ برقعِ نور — ہم عفیفہ بنام و ہم مستور
سالت از ہفت بر نرفتہ ہنوز — روشنی ہمچو ماہِ چاردہ روز
کاش ماہِ تو ہم بچہ بودی — در رحم طفلِ ہشت مہ بودی
لیک چوں دادۂ خدائی راست — با خدا دادگاں ستیزہ خطاست
من پذیرفتم آنچہ یزداں داد — کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم ہر آنچہ از درِ اوست — کاں دہد بندہ را کہ درخورِ اوست

ل۱ جب = ہفت — ل۲ ح = کراست — ۵۳ باز نتواں داد یعنی رد نتواں کرد ۱۲
ل۴ دجب = ہر چہ — ل۵ دس جب = خدائے

ہر چہ او داد بس پسندیدہ است　　ہم در اوّل صلاحِ آں دیدہ است

پدرم ہم ز مادر است آخر　　مادرم نیز دختر است آخر

گر نہ بر دُرِّ صدف نقاب شدی　　قطرۂ آب باز آب شدی

دانہ بے کِشت کے ببار آید　　آسماں بے زمیں چہ کار آید

بے پدر ممکن ست شد معلوم　　چوں مسیحا ز مریمِ معصوم

لیک بے مادرِ خجستہ وجود　　ولدے را نگفت کس مولود

اے تنت را بجانِ من پیوند　　کہ ہم[ن۱] مادرے و ہم فرزند

تو بدیں پایہ کز قضا داری　　گر نہی پا بدیدہ جا داری

سر برآر از مبارک اخترِ خویش　　کہ مبارک تری ز جوہرِ خویش

انچہ نفسِ تو با صلاحِ تن ست　　چوں تو خونِ منی صلاحِ من ست

گرچہ خُردی کنوں و بے[ف۲] تمیز　　روزی آخر بزرگ گردی نیز

تا بود در بزرگیت دستور　　خوردہ[ف۳] چند[ن۲] گویمت مستور

از عروسی شوی چو در خورِ تخت　　عصمت خواہم[ن۳] اوّل آنکہ بخت

از منت آنکہ اوّلیں پند ست　　جہد بر طاعتِ خداوند ست

تا توانی خدا پرستی کن　　وز نیاز خدائے مستی کن

ن۱ ر = توہم　　ف۲ نافہم ۱۲

ف۳ نکتۂ باریک ۱۲　　ن۲ جب = نکتۂ　　ن۳ جب = بیش خواہم

بایدت ہمچو دیدہ عزت و تاب — باش چون چشم[1] خویش در محراب

نیکنامی طلب کنی در پوست — پارسا باش پارسائی دوست

گیرمت سلک گوہری نہ بود — بہ ز تسبیح زیورے نہ بود

پاک تن باش ہمچو آبِ سپہر — بلکہ پاکیزہ تر ز چشمۂ مہر

تا شوی[2] ہمچو مہر در ہر سوے — از پس چار پردہ روشن روے

کوش کز گشتنِ جوانیِ خویش — مردہ باشی بزندگانیِ خویش

تا من از زندگانیِ تو بہ راز — از پسِ[3] مرگ زندہ گردم باز

زن[4] چنان بہ کہ مرد روے بود — تا زنان را بہ پردہ شوے بود

زن اگر مرد مرد تدبیر ست — سوزن و دوک[5] نیزہ و تیر ست

گر چہ[6] زر باشدش فراخ نہ تنگ — تا نداری ز دوک و سوزن ننگ

دوک و سوزن گذاشتن نہ فن ست — کآلتِ پردہ پوشیِ بدن ست

یا بدامانِ عافیت در کن — رو بدیوار و پشت بر در کن

---

[1] یعنی چنانکہ چشم بمحراب ابروست تو خود را بمحراب عبادت بدار ۱۲

[2] حجب = بوے

[3] اے نام من بسبب اوصاف حمیدۂ تو دوبارہ زندہ گردد ۱۲

[4] اے آن زن بہترین زنان ست کہ در جوہر انسانیت ہر نوع کامل بود تا دیگر زنان را کہ از وے فرو تر باشند معلم اندرون خانہ باشد چنانکہ زوج از وے تیز و ہنرمندی معلم زوجہ باشد ۱۲

[5] دوک آہنِ دراز کہ آں را ہندی تکلہ نامند ۱۲ — [6] حجب = گرچہ زر باشدت فراخ بچنگ

راهِ در کم کن از درونِ سرای — در میشں خضر در زند مگشای

تا سرت از شرف بماه شود — مقنعت افسر[ا] و کلاه شود

زن که از شرم خو کند بسرا — ستر[۵۲] های ستارها قمرا

گوشه گیران ستوده نام بوند — کوچه گردان فراخ گام بوند

زن که در کوچه ها تبگ باشد — زن نباشد که ماده سگ باشد

کم دو د ماده شیرِ خون آشام — گربه باشد جهنده بام ببام

کبکِ پنهان خرام را بوطن — حجره باید چو بیضه بے روزن

زن که در رفتنش شتاب بود — برفتد گرچه آفتاب بود

روزن ار خود چو چشمِ سوزن تست — وان که راهِ بروں شدِ تن[۵۳] تست

در تماشای روزنت هوس ست — روزنت چشمِ سوزنِ تو بس ست

پُر گهر بایدت خزانهٔ خویش — باش بانگِ[۵۴] خود بخانهٔ خویش

گرچه گوهر ز سنگ نیک ترست — سنگِ مردم نکوتر از گهرست

نفسِ مردم چو یاوه گرد بود — نیک زن به ز نیک مرد بود

مرد کردارِ خوب را سبب ست — خوب کرداری از زنان عجب ست

لا نسخہ = بر سرت کلاه شود ۵۲ یعنی در پرده پوشیده شدنِ او همچو ماه پسندیده است ۱۲

۵۳ شدِ تن تست اے شدن تن تست و معنی بیت اینکه روزن خانه اگرچه مانند روزن سوزن باشد تاهم آن روزن را کمتر قیاس مکن آنقدر هم راه بروں شدن تنِ تست اے رسوا شدن ترا بس است ۱۲

۵۴ بانگ خود شدن با وقار خود ماندن ۱۲ لہ نسخہ = رَوِشش

تلخ گویند ارچه نوش لبان — تا نگیری ترنّم[1] جلبان[1]
بادپیچ[2] و دنے[3] که لعب زن ست — بروے این چنبر ست آن رسن ست
دفِ شان بی هراس دشمن دوست — فتنه را بانگ می کند در پوست
آنکه اوّل سرود ساده بود — در نهایت صلاے باده بود
ذاتِ بی جفت بایدت بنهفت — با همه طاق باش جز با جفت
بوفا با حلال یاری کن — نعمتش را حلال خواری کن
از عروسان خزینه داری به — راست گوئی در استکاری به
خازنے کو بدزدی آرد روے — دزد گویش خزینه دار مگوے
مرد اگر یک قراضنه[4] کار کند — زن بکد بانوی هزار کند
چون ز شو خرجِ زن فزون باشد — حالِ سامانِ خانه چون باشد
هر زنے کز سخاوتش فردی ست — نا جوان مردیش جوان مردی ست
دل نگهبانِ رخت باید داشت — گرهِ خویش سخت باید داشت
در زن آرد دو فتنه رسوائی — سیم پاشی و پیکر آرائی
گرهِ نقد را چو داری سست — دست از آبرو بباید شست
بس عروسان که فتنه جوی شدند — از سفیده[5] سیاه روے شدند

---

[1] ترنّم بمعنی سرائیدن سرود معنی جلبان زن بدکار ۱۲
[2] جھولا ۱۲
[3] س = دارسیج و دنے که گرد.
[4] قراضنه بمعنی ریزهٔ زر و سیم مستعمل ۱۲
[5] غازه یعنی پوڈر ۱۲

سرخیِ بد ز زر و باید شست · سُرخیِ روت سرخروئی تست
چوں شدی بهر هفت و نه در رنج · نقد عصمت فتاد در شش و پنج
خال شبرنگ کز فسادکشی ست · همچو خالِ سفید بر حبشی ست
خال چوں نقطۂ گیاه شود · هم بیک نقطه روسیاه شود
خالِ بد بر رخ ست داغِ هلاک · خال بر جبهه نه ز سجدۂ پاک
اگر آئینه بایدت در پیش · پیش نه آئینه ز زانوے خویش
وگرت شانه باید اندر مشت · شانه امشت کن ز شانۂ پشت
ایں همه فتنها که هست وبال · با رضاے حلال هست حلال
ور حلالِ تو هست بے پرهیز · در حرم خانۂ خداے گریز
در همه کار و بار در همه جاے · مشرفِ حالِ خود شناس خداے
گر خدایت کند بعصمت شاد · بدعاے کنی ز خسرو یاد
آنچه من دیدمت صلاح در آں · کردمت پرده پوشیِ پدراں
وانچه موقوفِ جهد کردنِ تست · تو کن آنرا که آں بگردن تست
یارب ت ره سوے رهائی باد · بارها نندہ آشنائی باد

---

۱ جب = سرخ روئیت · ۵۲ مراد از آرایش تمام باشد که آنرا بهندی سوله سنگار نامند ۱۲

۲ ب = نهاده · ۳ جب = کار

۴ جب = هم

صفتِ دلارام که سررشتهٔ گیسوی مشکینِ او تعلق به چپّیدن داشت
دوستبازی بهرام با آن کمندِ صیدگیر در شکار و نخچیر کردنِ
گوران و گرما گرم داغ برانِ ایشان نهادن

گنج پیمای این خزانهٔ پُر	از خزانه چنین گشاید دُر
کآفتابِ جمالِ بهرامی	چون شد از نور در جهان نامی
پدرش رختِ زندگانی بست	او بجای پدر بتخت نشست
خسروی را نشانِ کار گرفت	کارِ عالم بدو قرار گرفت
سرکشان را ز تیغ مالش داد	سرِ شان را بخاک بالش داد
مخلصان را ز مهربانیِ خویش	کرد سرمستِ دوستگانیِ خویش
شرق و غربِ جهان نماند کسے	کز خلافِ رضاش زد نفسے
وانکه رُو در خلافِ رایش کرد	سرِ خود را نثار پایش کرد
بر رعیت فگنده سایهٔ جود	کز جهان کس نماند ناخشنود
زان نمودارِ عدل در همه چیز	شهری آسوده روستائی نیز
آنچنان ضبط شد ممالکِ خاک	کز ستم گشت روی گیتی پاک

۵۱ نجیب = برو۔ ۵۲ ح = بتیغ ۵۳ پیاله نوبت خویش که از راه محبت و اخلاص بدیگرے دہند و در سراج اللغات نوشته پیاله پُر از شراب که دوستان بدوستان دہند که بیاد فلان نوش ۱۲
۵۴ س = در۔

گشت زانگونہ کارِ عدل بزرگ | کایمنی یافت گوسپند از گرگ
سرِ موی کجی ز دہر نخاست | چون سری کو بشانہ گردد راست
چون بدین گونہ ضبط گشت جہان | رفت در خاک بادِ کج کلہاں
شہ طلب کرد استواران را | نیک رایان و راستکاران را
ہر کرا دید در خرد بیشی | داد با شغلِ دولتش خویشی
کارِ دلے[۱] نشد بروے زمین | جز خردمند راستکار و امین
عہدۂ ملک چون بدینساں[۲] بست | خود بفارغ دلی بباده نشست
عیش میکرد و کامِ دل میراند | باده می خورد و گنج می افشاند
چون بباده صلای عام زدے | خلق بر زرِ بختہ گام زدے
مجلس آراستی ز ناموران | صف زدندی زہر کرانہ سران[۳]
گہ بقولِ ندیم دادی ہوش | گاہ پندِ حکیم کردی گوش
جستی از مطربانِ چابک دست | آنچہ بی می تواں شد از وی مست[۴]
چون دل اندر ترانہ دادے | بسرودے خزانہ دادے
روز تا شب دریں خجستہ شمار | جز زر افشانیش نبودے کار
در بخلوت نشاط فرمودے | خرّم[۵] آنکس کہ محرمش بودے

---

۱ جب = کار دانش ن = کاردارش ۲ جن = برایشاں ۳ یعنی سرداران ۱۲
۴ مراد از نغمۂ ترکہ بوجد آرد ۱۲ ۵ ن سحد = فرخ

حاضرِ خدمتش غلامے چند — گشتہ ہمتاش[1] در کمان و کمند

در خورِ[2] مجلس و مصاف ہمہ — ناوک انداز و موشگاف ہمہ

کس نیارست در گہہ و بیگاہ — دُور بودن دمے ز خدمتِ شاہ

خاصہ تر زاں ہمہ کنیزے بود — آفتے در تہِ[3] سپہرِ کبود

اصلش از چین و رخ چو صورتِ[4] چیں — گیسوش چوں سوادِ چیں مشکیں

بسکہ کردے بہرِ دلے آرام — بدلارامیش بر آمد نام

دیدنش کز صلاحِ دوری داد — سینہ را داغِ ناصبوری داد

رنگ و بویش بکار طنازی — ایں بدل دزدی واں بغمّازی

قامتے در خوشی چو عمرِ دراز — ہوس انگیز تر ز عشقِ مجاز

بر چو نارنجِ نو بشاخِ درخت — سخت رستہ ز صحبتِ دلِ سخت

روی گلرنگ دادہ گل را رنگ — دہنش تنگ با شکر ہم تنگ

سر در آوردہ ابروانش بکار — چوں مقامر[5] بکعبتین قمار

ہر طرف کابروی بہ خم کردے — آرزو بیش و ہوش کم کردے

چوں بدنبالِ چشم کردہ نگاہ — بردہ صدرہ روندہ را از راہ

طرّہ را سر زدی بخوں خواری — چشمہاے دژم ز بیمارے

---

[1] ہمسر ۱۲ [2] خور بمعنی لائق ۱۲ [3] سرن = آفتابے بزیر چرخ

[4] صورت بمعنی تصویر ۱۲ [5] مقامر قمار باز و کعبتین پانسہ ۱۲

نرگسش دورباش و غمزه خدنگ | لعل در آشتی و عشوه بجنگ

نیم دزدیده خنده زیرِ لبش | کرده تعلیمِ دزدیِ عجبش

سخنِ تلخ در لبش چو نبات | مرگ را داده چاشنی ز حیات

لعلِ او کرده بر شکر میرے | شهد را داده چاشنی گیرے

خالِ او گو هزار پرده درید | عالمے را بگنجدے بخرید

گیسوے پیچ پیچش از سرِ ناز | داد بر دستِ فتنه رشته دراز

تنے از نازکی درونه فریب | پاے تا سر همه لطافت و زیب

رگ نموده برون ز لطفِ بدن | همچو رشته درونِ دُرِّ عدن

خونش در پوست از تنک[1] سلبی[2] | همچو مے در زجاجهٔ حلبی

در تماشاش روز و شب بهرام | همچو جمشید در نظارهٔ جام

ره سوی صیدگاه و بیگاهش | آهوے شیرگیر همراهش

داشت میلے تمام در نخچیر | گورِ صد شیر کنده بود به تیر

بود در کارِ تیر پُر هنرے | که نبود از هنروران دگرے

آهنِ تیر چون محک کردے | خطِ گوران ز پشت حک کردے

ور ز آهو بُدے نشانهٔ او | موے بشگافتے ز شانهٔ او

ور شدے بر نشانه سخت انداز | رخنه در کوهِ[3] قاف کردی باز

---

۱) جب = سبک　　۲) لباس ۱۲　　۳) حجب = نافِ کوه

زانش باران تیر محکم بود ‌ ‌ ‌ که کمانش کمانِ رستم بود

بیشتر در شکار خوردے مے ‌ ‌ ‌ خانۂ زین نشاط خانۂ وے

بادہ جز با کبابِ شور نخورد ‌ ‌ ‌ ہیچ خوردے چوران گور نخورد

رغبتش جز بصیدِ گور نبود ‌ ‌ ‌ با دگر وحشیانش شور نبود

گور چنداں فگندے از سرِ شور ‌ ‌ ‌ کہ شدی پشتہا چو گنبد گور

گرچہ بودؔ از براقِ کوہ گذار ‌ ‌ ‌ ۵۲ صد طویلہ بہر طویلہ ھزار

لیک بود اشقرے۵۳ گزیدۂ شاہ ‌ ‌ ‌ چہرہ تر ز ابلق۵۴ سپید و سیاہ

بادپایے کہ چوں بگام شدے ‌ ‌ ‌ تگ زدن بر صبا حرام شدے

در برآہنگِ تگ بروں جستے ‌ ‌ ‌ وہم را دست و پاے بر بستے

مرغ بود ار چہ پر نبود درد ‌ ‌ ‌ ماندگی را گذر نبود درو

شاہ خوش کردہ در تہِ رانش ‌ ‌ ‌ دادہ سیاحیؔ بیابانش

چوں بصحراش گرم کردی پشت ‌ ‌ ‌ گوشِ گوراں گرفتے اندر مشت

بسکہ بُد اعتماد بر خویشش ‌ ‌ ‌ کہ نشد ہیچ وحشی از پیشش

گور گو چند بود نیرومند ‌ ‌ ‌ یا بدستش گرفتے یا بکمند

لہ عجب = بودش ۵۲ معنی بیت آنکہ از چناں اسپاں سریع السیر کہ کوہ را ہمچو برق گذار میداشتند صد طویلہ مہیا بود و در ہر طویلہ ہزار ہزار اسپ ۱۲

۵۳ ہر شئے سرخ کہ رنگش بزردی و سیاہی زند و اسپ سرخ رنگ را نیز گویند و گاہے بمعنی مطلق اسپ ہم می آید ۱۲

۵۴ ابلق سپید و سیاہ شب و روز یعنی از ابلق ایام ہم غالب و تیز تر بود ۱۲ لہ با = شاجی د = مشاحی

چون ز گشتن ستوه شد رایش ق دل جنان گشت کار فرمایش
که ازان پس به بیشهٔ هامون زان دهان بستگان نریزد خون
گلهٔ گور کآیدش بنظر نه نهد ناوکش خراشِ جگر
زنده گیرد بزور بازوی خویش کندش وزن در ترازوی خویش
بخشد آنگاه زیور نامی ران او راز داغِ بهرامی
چون به توقیعِ خویش کردش خاص دهدش از کمند خویش(ن۱) خلاص
دل ز آزار بے زبانان شست وین نیت کرد در درونه درست
بعد ازان چون برون شدے بشکار کم رسیدے رمیده را آزار
بیشتر گورِ خورد سال و جوان ق که رواتر بُدی زبان(ن۲) در روان
در کمندش بحکم بربستے بازگشتی و شاد بنشستے
گرم بر رانش داغ فرمودے خطِ آزادیش همان بودے
گور بر جستے و براه شدے بندهٔ داغدارِ شاه شدے
چرخ زان گور گیری بهرام گورخانِ زمانه کردش نام
از پے گورکان نشانے یافت(ن۳) عالمے داغِ گورخانی یافت(ن۴)
تا درین کهنه گور خانه بیست گورخان هم ز داغ گور نرست

(ن۱) جب = فتنه (ن۲) ج = غصه (ن۳) جب = آب

(ن۴) جب = داشت

کمیت راندنِ بهرامِ شیر گیر با دل آرام در پے نخچیر و هنر نمودن بهرامِ بر آهو به تیر و جهاں گرفتن بهرامِ و غزاله خود را آهو گرفتن و در بیاباں گذاشتن

بامداداں کہ ایں غزالهٔ نور[۵۱] مشکِ شب را نهفت در کافور
شاهِ بهرام هم بعادت خویش توسنانِ شکار جست بہ پیش
اشقرے خاص زیرِ راں آورد لرزه در بادِ مهرگاں آورد
نازنیں را بهم رکیبی خویش کرد همرهِ زنا شکیبی خویش
شاهِ بهرام ترکِ بهرامی کرد صیدش بصد دلآرامی
هر دو پویه زناں براه شدند صید جویاں بصید گاه شدند
تگ زناں میشدند گشت بگشت آهواں میزدند دشت بدشت
شاه برزه نهاد تیر بوزن[۵۲] می کشانید شیر را زگوزن
زیں میاں ناگه از کرانهٔ دشت آهوے چند پیشِ شاه گذشت
گفت باشه غزال شیر انداز کاهو آمد بسوے شیر فراز
هر یکے راز تو چناں جویم کانچناں افگنے که من گویم
گرچه تیرت بحکم پُر هنر ست آنکه حکمی ست حکمِ آں دگر ست

---

۵۱ مراد از آفتاب ۱۲
۵۲ تیر بوزن نهادن نشانه سنجیدن ۱۲

این هنر قدرتِ خداوندی — جادوے بود نی هنرمندی
کلکِ تیرت براستی آن کرد — که باندیشه راست نتوان کرد
لیک آنجا که راست اندیشی ست — دستها را ز دستها بیشی ست
بین که تا نغزگی ز بینش بیش — بینشِ خویش را ز بینشِ خویش
کانچه زین کردهات نغز نمود — نیز زان نغزتر تواند بود
شاه را تیره کرد گفتارش — زعفران گشت رنگِ گلنارش
جوشِ صفراش تلخ[1] کرد درون — ریخت تلخی بزهر خند برون
سر که ابرواش زبس تُندی — داد دندانِ لطف را کندی
گفت کای در خورِ جفا و بدی — این چه گستاخی ست و بیخردی
شیرگیری ببین[2] که در[3] نخچیر — گشتی از شیرِ شرزه آهوگیر
منکه کارم همه نمونه بود — دیگرے به ز من چگونه بود
ور به نزدت به از من ست کسے — نزدِ او رو که چون من ست بسے
این سخن گفت و پے بکین افشرد — او فگندش ز زین و مرکب برد
شه شد و نازنین برنج بماند — اژدها برگذشت و گنج بماند
با شهان هرچه بر خلافِ رضاست — نتوان گفت گرچه باشد راست
هرکه شد راست گو بداورِ خویش — زد به تیغِ زبانِ خود سرِ خویش

---

۱. ن: تیره — ۲. رجب: نگر — ۳. س: کمن

ماند بے خویشتن صنم تا دیر   تشنہ و غرقِ آب و از جاں سیر
پس بصد خستگی ز جا برخاست   راہِ صحرا گرفت و میشد راست
بسکہ منزل بدشت دیوان[۵۱] داشت   سایۂ خویش دیو می پنداشت
بسکہ رہبر سنانِ تیزش بود   موزہ غربالِ[۵۲] خاک بیزش[۵۳] بود
از کفِ پای خارہاے چو تیر   میگذشتش چو سوزنے ز حریر
پاکہ از برگِ گل فگار بود   چوں شود چوں بروی خار شود
کس نہ ہمراہ و رہناش مگر   سایہ در زیر و آفتاب زبر
می نمود اندر آں پریشانی   گفتہ و کردہ را پشیمانی
زآں بساطِ دداں[۵۴] آہو خای   کردہ بیمِ دد انشش آہو پای
بیم بودش کہ پا شود بطواف   چوں سُمِ آہو از میانہ شگاف
قدرے چوں بریں نمط بشتافت   گذر اندر سوادِ دیہے یافت
خانۂ چند و کشت زارے دید   تازہ شد کانچناں بہارے دید
آں دہے بود بر کرانۂ دشت   کادمی ہیچ زاں طرف نگذشت
مردمانِ چو وحشِ صحرائی   خو گرفتہ در و بہ تنہائی
بے خبر از فسانہاے سپہر   بے گماں از بہانۂ مہ و مہر

---

۵۱ رجب = غولاں   ۵۲ حجب = غربیل   ۵۳ از بسکہ راہ دل آرام بر سر خارہ و خار بود موزۂ پاے اوش غربال سوراخ سوراخ گشتہ خاک بیزی میکرد ۱۲
۵۴ دداں یعنی درندگاں ۱۲

آمد آن مه در آن خرابه شتاب | همچو[1] مهتاب کوفته بخراب
در شد اندر کریچِ[2] دهقانے | در سفالِ شکسته ریحانے
بود دهقان جوانِ آزاده | هم هنرمند و هم ملک زاده
کرده علمِ سه[3] گانه را تعلیم | تا یگانه شده بهفت اقلیم
سبقِ حکمت بروم کرده درست | کز سپهر و زمیں چه زاده چه رست
فیلسوفِ الٰهی از تمییز | در طبیعی و در ریاضی نیز
طرفه بربط زنی گزیده سرود | دستِ او شد چو ابر برق برود
باز دانسته پرده[4] ها را راز | مضحک و مبکی و منوّم ساز
گوشه گیرِ جهان فرشته سرشت | مرغ قانع شده بدانهٔ کشت
واقعاتِ زمانه دیده بسے | گرم و سردِ فلک چشیده بسے
بسیاحت بسے زمیں دیده | دامن از کارِ دهر برچیده
یک بیک زیر دستِ خود کرده | چار ساز و دوازده پرده
بربطش چون نوا بر آوردی | جان ز تن بردی و در آوردی
چون نگه کرد سروِ سیمیں را | ق | روے گلرنگ و زلف مشکیں را

---

[1] اینجا مراد ضیاء مه یعنی چاندنی باشد ۱۲
ن س = به کنج
[2] کریچ یعنی خانه که دهقانان از کاه و نے سازند بهندی جھونپڑا ۱۲
[3] الٰهی ریاضی طبیعی هر سه اقسام حکمت نظریه ۱۲
ن عجب دست چون ابر و برق بر سر رود
[4] پرده هاے موسیقی دوازده اند هر که در آنها کمال دارد سامعین را می تواند که خنداند و گریاند و خسپاند ۱۲

ماند[۱] حیراں که این چه جانورست | واندرین دشتش از کجا گذرست

این پری از کجا پدید این جا | ور پری نیست چوں رسید این جا

خاست از جای همچو بادِ رواں | رفت در پیشِ سروِ آزاد[۲] جواں

گفت کای چشمِ بد ز روی تو دور | کیستی تو بدین لطافت و نور

ملکے یا پری و یا مردم | خبرے ده که با خبر گردم

صنمِ تنگ دل ز تنگدلی | داد بیروں دمے بصد خجلی

گفت یک یک ز جانِ بی آرام | قصهٔ خویش و غصهٔ بهرام

چوں خردمند یافت آگاهی | کاں دُرست از خزانهٔ شاهی

گفت آنجا که کارنامهٔ تست | شرفِ من ز بار نامهٔ تست

چوں تو شائستهٔ خداوندی | من پذیرفتمت بفرزندی

گر قناعت کنی بخشک و ترے | حاضرِ خدمتم بماحضرے

ور دولت راست جانبِ پرواز | دل دلِ تست من ندانم[۳] باز

صنمش گفت چند گه بارے | خواهم افگند بر درت بارے

چوں بفرزندیت شوم پیوند | پرورش واجب ست بر فرزند

گرچه مهمانِ تو گراں جان ست | نتواں راندنش که مهماں ست

من هم از حق شناسیِ که مراست | عذر حق هائے تو توانم خواست

---

۱ جب = گشت ۲ از سرو آزاد مراد دلآرام باشد ۱۲ ۳ جب = ندارم

چوں بسے دُر ز درج نوش کشاد — شب چراغِ دگر ز گوش کشاد

داد بر دستِ مردِ گوہر سنج — گوہرے قیمتش فراواں[51] گنج

خواجہ زاں اخترِ فلک پایہ — بر زمیں درفتاد[52] چوں سایہ

گرچہ بود از شکوہ محترمے — گشت شرمندۂ چنیں کرمے

غرفہ[53] داشت ساختِ منزلِ وے — کرد ترتیبِ نقل و میوہ و مے

چوں مزاجش بزیرکی دریافت — در سرش ریخت ہرچہ در سر یافت

ہر[54] ہنرہا کہ بود حاصلِ او — از دلِ خویش ریخت در دلِ او

کردش اُستادِ کار در ہمہ کار — خاصہ در پردۂ بریشم تار

چند گہ جادوی شد اندر ساز — کہ بکشتے و زندہ کردی باز

چوں نمود آزمونِ کردۂ خویش — خواست[55] بیروں[56] فتد ز پردۂ خویش

حجت از سوی شاہ سست کند — دعویِ خویش را درست کند

چوں شدی بادِ صبح نافہ کشای — بر نشستی بر خشِ آہو پای

بر گلِ تر نقاب بر بستی — سایہ بر آفتاب بر بستی

لالہ را در قبا کشیدی تنگ — سرو را خانہ ساختی ز خدنگ

تیرِ ترکی ز[57] کیشِ تاتاری — راست کردی ز بہر خونخواری

---

[51] جب = ہزاراں [52] حر = بوسہ داد [53] بمعنی بالاخانہ ۱۲ [54] ح = وز

[55] جب = تاکہ [56] بعد آموختن ہنرہا دلارام خواست کہ خود را ظاہر گرداند و مشہور اطراف و اکناف عالم گردد ۱۲ [57] ب = ز

در همه جای گاه و بیگاهش | بربطِ عاشقانه همراهش
کُشتے آہوی دشت را بہ ستیز | گہ بہ پیکان و گہ بزخمۂ تیز
ہا[ل]نچو پیکانش[۵۲] زخمه[۵۳] درخون بوُد | چوبِ او از پلارک افزوں بوُد
زاں دہاں[۵۴] بستگاں بفرمانش | دل ربودی زبانِ پیکانش
ورازانجاے برگرفتی گام | بنوازش گریش کردی رام
برکشیدی نخست نالۂ زار | تا ربودی ز وحشِ دشت قرار
همه در پای بوسِ سرِ جواں | آمدندی بپای خویش رواں
سو بسو صف زدندی از کم و بیش | غائب از خویش و حاضر اندر پیش
همه را چوں بہم درآوردی | زخمه بر بربط تر آوردی
پس منوّم[۵۵] خیاں زدی بصواب | که شدی چشمِ آہواں درخواب
چوں شدندی ز خواب خوش بیہش | بازشاں زخمۂ[ل] زدی درگوش
که ازاں جسته باز جستندے | رشته[۵۶][ل] بر رشته باز بستندے
ایں خبر شہرہ گشت درآفاق | کز جہاں جادوی برآمد طاق
کآہو از دشت سوی خود خواند | کُشد و باز زنده گرداند

ل ب = همه   ۵۲ یعنی پیکان و زخمه دلارام ہردو در خون ریختن برابر بودند ۱۲
۵۳ زخمه ہر چیزے که بآں سازہا نوازند و پلارک بفتح اوّل و چہارم شمشیر و جوہر تیغ و نوعی از فولاد ۱۲
۵۴ مراد از وحشیان صحرائی ۱۲   ۵۵ یعنی نغمۂ خواب آور ۱۲   ل ح = جسته
۵۶ یعنی قطار بر قطار ۱۲   ل ح = رسته تا رسته باز بستندے

دخترے سربمُهرِ دهقان ست | خاتمش در خورِ سلیمان ست
گفتگوی بهرکران اُفتاد | غلغلے در همه جهان اُفتاد
این عجب کاین بگوشِ گیهان[1] ماند | هرکه در گوش کرد حیران ماند
از پژوهندگانِ[2] درگاهے | یافت دارای[3] دولت آگاهے
زاں هوسها که بود در بهرام | زین خبر در دلش نماند آرام
بامداداں عناں بصحرا داد | سرو[4] را باد و باد را پا داد
چوں تمنای آں تماشا داشت | رفت جای که آں تمنا داشت
پیش ازاں رفته بود جادوی مست | چشمِ آهو بجادوی می بست
گفت بهرام کآرزو دارم | که هنرهات پیشِ چشم آرم
هر متاعے که هست در بارت | عرض کن چوں منم خریدارت
نازنیں را که ایں همه دد و دام | بود بهرِ شکنجهٔ بهرام
زاں تمنای شه که درخور یافت | جای جولانِ خویشتن دریافت
گشت همراهِ شیرگیری شاه | تا زند راهِ آهواں زاں راه
چوں زد آهو بسے وگور انداخت | لحن آهو نواز را بنواخت
آهوانِ رمیده با دلِ[5] خویش | پای کوباں درآمدند به پیش

---

[1] یعنی دنیا ۱۲ [2] یعنی جاسوسان ۱۲
[3] مراد از بهرام گور ۱۲ [4] سرو مراد از قد و باد عبارت از اسپ تیزرو اسے بر اسپ سوار شد و باد را پا داد اسے جولان کرد ۱۲ [5] ح - با دل ریش

چون سوی خویش خواند شان بسر[۱] — پردهٔ خواب ساز کرد برود

در زمان کان نفس فرو بردند — همه خفتند گوییا مردند

چون دمی دیده‌ها فرو[۲] بستند — ساخت آن زخمه[۳] که بر جستند[۴]

زان نمونه که شرح نتوان داد — زنده را کشت و کشته را جان داد

دید چون[۶] شاه سحر مندیِ او — بست چشمی[۵] ز زخم[۷] بندیِ او

لیکن آورده‌اند طرّاران — بر گهر طعنهٔ خریداران

کاین چنین‌ها بسیست اندر دهر — هر کسی دارد از طلسمی بهر

کاردانی بکشوری نبود — که ازو کاردان‌تری نبود

در شکر خنده شد بتِ شیرین — گفت آری از آنِ ما همه این

زیرکان در هنر بوند تمام — لیک بهتر ز ما نه از بهرام

شاه کز ماده زر تواند کرد — به ازان هیچکس نداند کرد

وانکه از مرده زنده گرداند — آنچنان هر که هست نتواند[۷]

عدل و انصاف ده اگر دین است[۸] — هم خود انصاف ده که عدل این است

جوهری[۹] کو گهر فراوان سفت — راست گفت[۱۰] آنکه[۱۱] راست نتوان[۱۲] گفت

---

۱ جب = بهم ؛ ۲ جب = پرده ؛ ۳ در = جسته ؛ ۴ حر = شه نیز

۵ اے بدل پسندید ۱۲ ؛ ۶ بر = بچشم ؛ ۷ جب = بتواند ؛ ۸ جب = اگر ره

۹ مراد از جوهری حکمای باکمال و از گهر سفتن کلمات حکیمانه گفتن ۱۲ ؛ ۱۰ ج = است

۱۱ از جمله کلمات حکیمانه یکی این است که راست نتوان گفت چرا که الحقُّ مرٌّ و لو کان مُرّا ۱۲

۱۲ ح = بتوان

شاہ آواز آشنا بشناخت — ناوکش را نشانہ از جاں ساخت

دست زد برقع از رخش بربود — رُفت گرد از مَہِ غبار آلود

داد منزل بجانِ مشتاقش — در بر آورد چوں بغلطاق[۵۲] قش

زد ز عذرِ گناہِ خود نفسے — عذرہاے گذشتہ خواست بسے

پس بصد شادی و دلآرامے — باز بردش بتختِ بہرامے

دل کز آں پیشِ مہرباں بودش — بیش ازاں شد کہ بیش ازاں بودش

زاں ہنر کز دو سوی پیدا گشت — ہر کہ در گوش کرد شیدا گشت

زاں عجائب کہ داستانے بود — داستانے بہر زبانے بود

شاہ فرمود کاں دو صورت[۵۳] حال — آید اندر نمونۂ تمثال

نقشبنداں بخامۂ تصویر — در خورنق[۵۴] نگاشتند و سریر

گفتار در آراستہ شدنِ حور و قصورِ ایں فردوسِ پُر حورِ بے قصور و بہشتی گشتنِ بہرام در آں

نقش پردازِ ایں کہن پرکار — نقشہا را چنیں کند برکار

ن جب = رخ   ۵۲ غلطاق قبا یا پیراہن و بغل بند ۱۲   ۵۳ یعنی سرگذشت بہرام و دلآرام ۱۲

۵۴ خَورنق بروزن شکرلب نام ایوان بہرام گور و حاصل بیت آنکہ از حکم بہرام نقاشان تصویر بہرام و دلآرام و شکارگاہ و صورت اظہار ہنرمندی ہر دو در محل و تخت نقش کردند ۱۲

ن ح = گہر   ن س = بہ نگار

که چو بهرامِ گور در پیِ گور | پے بہ پے داد گوربا[1] را زور
آن هوس شاه را بسر می بود | روز تا روز بیشتر می بود
تا بر آن گونه شد که خسروِ عصر | هفته بر هفته نامدی سوی قصر
مهترانی که در گه و بیگاه | خاصه بودند بهرِ خدمتِ شاه
زان دویدن بدشت و بیشه و کوه | مانده گشتند و آمدند ستوه
هیچکس را نبود زهرهٔ[2] شیر | که دمے برکشد ز سینه دلیر
کارداران شهر و لشکر نیز | آگهی شان[3] ز عهدهٔ همه چیز
از برائے حضورِ منعم خویش | مانده بودند سر فگنده به پیش
هر یکے را تأملے بضمیر | ق | کز طریقِ کفایت و تدبیر
چه بود چاره کز نشیب و فراز | اژدها سوی گنج گردد باز
زین نمط گفت و گوی میکردند | چاره را جستجوے میکردند
پورِ منذر که بود نعمان نام | در سبق هم جریدهٔ بهرام
پیشِ منذر رموزِ غیب نمای | خوانده بودند هر دو در یکجای
رای نعمان ز کوششِ شب و روز | گشته بود اخترِ سپهر افروز
دیده از بینشِ اولو الابصار | در همه کارها نهایتِ کار

---

[1] گوربا ـ مراد از اسپ شکاری بهرام ۱۲
[2] یعنی جرأت نبود ۱۲
[3] حسب = آن که شان بود

حل کنِ مشکلاتِ دانایان | کسب ہمچون عطاش[۱] بی پایان
صنعت و حرفتِ ہنرمندان | زانکہ نتوان شمرد صد چندان
شہ زبس دانش و معانیِ او | ق | وز بزرگی و کاردانیِ او
در ہمہ ملک اشارتش دادہ | دستگاہِ وزارتش دادہ
زان اشارت بچار ارکانش | ہفت کشور مطیعِ فرمانش
پادشاہانِ شرق و غربِ جہان | بندۂ حکمش آشکار و نہان
ہر کہ زابروش یک اشارت دید | پیشِ چوگانِ او چو گوی دوید
ورکسی درکشید زو سرِ خویش | سرِ او پیش از و دوید بہ پیش
چون ز صحرا نوردیِ بہرام | مصلحت را گسستہ دید زمام
با خود اندیشۂ نمود شگرف[۲] | خواند لوحِ صواب حرف بحرف
وانگہی گفت با سرانِ سریر | کہ شما بگذرید زین تدبیر
چند گاہی درین کفایت و فن | مصلحت را رہا کنید بمن
تا بہر دانشی کہ من دانم | عزمِ شہ را عنان بگردانم
ہمہ گفتند گفت گفتۂ تست | قیمتی گوہری کہ سفتۂ تست
چون پذیرفت مردِ کار اندیش | سرِ اندیشہ را نہاد[۳] بہ پیش
تا چہ سازد کہ آورد از راہ | ماہِ گردندہ را سوی خرگاہ

---

۱ یعنی علوم اکتسابیۂ او ہمچون سخاوتش بے پایان بود ۱۲ ۲ نادر ۱۲ ۳ جب = فگند

کرد اندیشه یک شبے بتمام — ہفتہ بر ہفتہ عشرتِ بہرام
بامداداں کہ شد جہاں پرنور — کامراں گشت ہمّتِ دستور[1]
جست دانای کارمردی چند — تجربہ یافتہ ز چرخِ بلند
بود در پیش خسرواں بسیار — ہم سخن گوے وہم پیام گذار
داد شاں یادگارہا[2]ی گراں — درخورِ پیشگاہِ تاجوراں
چوں متاعے کہ بود شد تسلیم — کرد شاں نامزد بہفت اقلیم
کآورند از برای جلوۂ بخت — ہفت دختر ز ہفت صاحبِ تخت
شاں[3] بروں آمدند از[4] ہمہ ساز — ہر یکے بر شہے شدند فراز
پیش بردند تحفۂ نامی — باز جستند کامِ بہرامی
بادشاہاں بجاں رضا دادند — دختراں را بپادشا دادند
رہ رواں بعد ہفت ماہ خرام — آوریدند ہفت ماہ تمام
بانواں را بپردہا بردند — بوکیلانِ پردہ بسپردند
چوں قوی شد بنای پردۂ راز — کرد نعماں بنای دیگر ساز
برلبِ جوے مرغزاری جست — کز بہشتش نمونہ بود درست
جاے[5،6] از خرّمی نشاط افزای — دلکش و جاں نواز[7] و دیدہ کشای

---

۱ وزیر و مشیر ۱۲ ۲ یعنی تحفہا ۱۲ ۳ جب = تا ۴ جب = با

۵ د جب = خاکی ۶ رج = خاکش ۷ جب = فزاے

جائگاہے کز اعتدالِ ہوا — یافت رنجورِ چند سالہ دوا

پیرِ فرتوت را جوانی داد — مردہ را آبِ زندگانی داد

چوں بر آں گونہ روضۂ دریافت — تازہ کرد آں نیت کہ در سر یافت

ہر چہ سرمایۂ عمارت بود — ہمہ ترتیب کرد زود از زود

پس طلب کرد روزی از درِ کار[۵۱] — فرخ از دورِ اختراں بشمار

خواند معمارِ کارواں را پیش — باز گفتش خیالِ خاطرِ خویش

کانچناں بایدم کز اُستادی — کار سنجے بسخت بنیادی

زیں اساسی نہی فراخ نہ تنگ — زر زنی در عمارتِ گل و سنگ

از زمیں تا فرازِ گنبدِ مہر — ہفت گنبد بر آوری چو سپہر

آں عمارت کنی کہ در ہمہ ساز — چرخ زو خویش را[۵۲] نداند باز

بانی[۵۳] بود کارواں مردے — کز زمیں آسماں بنا کردے

شیدہ نامی کہ ہر چہ پیدا کرد — خلق را زاں نمونہ شیدا کرد

منظر از خاک تا قمر بستی — فرشِ سنگیں بر آب بر بستی

شد بفرمانِ وفرِ نعمانی — مردِ دانندہ در عمل رانی

بردہ بنیادِ ہر نمونہ[۵۴] بر آب — تا نگردد دگر ز آب خراب

---

۵۱ جب = سرکار

۵۲ اے آن گنبد ہا راچناں فراخ و بلند بنا کنی کہ فلک درمیان خود و گنبد ہا فرق نداند کہ من کدام ہستم و گنبد بہرام کدام ۱۲

۵۳ جب = بود بنّاے

۵۴ بیان عمق و استحکام بنیا دست ۱۲

واَنکه از هفت گونه سنگِ لطیف — کرد ترتیبِ هفت اساسِ شریف

تابرآراست ازپسِ سالے — بر زمیں از سپهر تمثالے

هفت گنبد چو خرگهِ زربفت — کرده چوں هفت آسماں هر هفت

صفهٔ[1] خشت و گل چو کرد تمام — نوبت آمد بزیب[2] جامه و جام

داده نعمانِ آسمان[3] فرهنگ — زیوری هر یکے بدیگر رنگ

آنکه نو شد زشنبه آئینش — چوں زحل نسبت رنگ مشکینش

وانکه یک شنبهش رساند نوید — زعفرانیش کرد چوں خورشید

وانکه بود اندرون دوشنبه راه — کرد[4] ریحانیش بگونهٔ ماه

وانکه نوگشتش از سه شنبه نام — کرد گلنارگونش چوں بهرام

وانکه نسبت بچار شنبه داشت — رنگِ تیرش[4] برنگ[5] تیرنگاشت

وانکه از بهرِ پنجشنبه بود — کرد چوں مشتریش صندل سود

وانکه زآدینه داشت معموری — رنگ داد[6]ش چو زهرهٔ کافوری

هفت گنبد چو رنگ و بوی گرفت — جادو هفت ماه روی گرفت

هر یکے هم برنگ مسکنِ خویش — جامه را رنگ داده بر تنِ خویش

چوں شد اسبابِ هفت خانه تمام — بازگفتند قصه با بهرام

---

[1] در حب = صنعت [2] یعنی نوبت آرایش و تزئین مکانها آمد ۱۲ [3] رجب = ساخت
[4] تیر اول یعنی چوب راست سقف که آنرا بهندی شهتیر و کڑی نامند و تیر ثانی یعنی عطارد که رنگش مائل به سیاهی ست ۱۲ [5] جب = نقش تیره [6] بلند عقل ۱۲

انچه نعمان کاروان آراست — ز آدمی زادگان نیاید راست

آفریده[1] درو چه کار کند — در کند آفریدگار کند

از صد ا هفت گنبد تازه — هفت گنبد کند پرآوازه

هفت[2] هر یک چو چرخ نور سرشت — نسخهٔ[3] روشن از سواد بهشت

گشت هر هفت قبهٔ جمشید — مطلع ماه و منزل خورشید

هر بتی در نگارخانهٔ ناز[4] — گه غزل گوی و گه سرود نواز

دم که در عاشق خراب دمند — بفسانه فسون خواب دمند

بسخن در دو دیده خواب آرند — خواب نیز از دو دیده بردارند

ساقیانی بصد دلارامی — درخور بزمگاه بهرامی

خانه پر ز آهوان شیر شکار — شاه را با شکار دشت چه کار

گر یکی زان شکار یابد شاه — بشکار دگر بجوید راه

شاه کین مژده نشاط شنود — میل طبعش عنان ز دست ربود

ترک پوئیدن شکار گرفت — بر سکونت دلش قرار گرفت

تافت از دشت سوی خانه عنان — در صنم خانه رفت گشت کنان

چون رسید اندر آن خجسته سواد — گشت بر لاله کرد و بر شمشاد

بوی گلهاش مغز پرور گشت — مغزش از بوی گل معطر گشت

---

[1] بمعنی بشر ۱۲ — [2] دجب = هست — [3] س = نسخهٔ — [4] جب = راز

بیشتر شد بہ بوستانِ فراخ — میوہ بر میوہ دید شاخ بشاخ
چوں درآمد بکار خانۂ نو — دیدہ ہر سو نگار خانۂ نو
جنتے پُر ز حورِ زیبا دید — جاں ز نظارہ ناشکیبا دید
نیکواں[1] آمدند با صد ناز — خاک روباں بگیسوانِ دراز
ہر یک آشوبِ عالمے ز جمال — صد جگر داغ کردہ از یک خال
پست کردند بر زمیں رُخِ خوب — چوں مہ و آفتاب گاہِ غروب
جبہہ را چوں ز خاک بر کردند — جبہہ شاہ را نظر کردند
در فشاندند[2] بر زمیں چنداں — کہ زمیں شد چو آسماں خنداں
ملک آمد ز بادپائے بہ زیر — شد بمہمانیِ گوزناں شیر
ہر یکے را بپوزشِ تازہ — پرسشے کرد بیش ز اندازہ
رفت و بنشست بر سریرِ بلند — ہم نشینش ہماں عروسے چند
مجلسے یافت پُر ز نعمت و کام — با حریفانِ نو نشست بجام
آنچناں شد بروی خوباں شاد — کش ز عیشِ گذشتہ نامد یاد
خواند نعمانِ کارداں را پیش — بخششے کرد از نہایت بیش
آفریں کرد بر چناں رائے — کہ بر آراست آنچناں جائے
وانگہ از اختبارِ[3] طالع و روز — شد بہر گنبدے نشاط اندوز[4]

---

[1] مراد از ہماں نازنیناں و نیکو صورتاں ۱۲
[2] مراد از دعاہا و کلمات استقبالیہ با ادبِ شاہانہ ۱۲
[3] یعنی خبر گرفتن ۱۲
[4] جب = افروز

نافه کشادنِ خلق بهرام روز شنبه در بهشت دوم در گنبدِ مشکیں با غزالهٔ هندی وطلبِ افسانه کردن

روز شنبه که باد مشک انگیز
شد بدامانِ صبح غالیه بیز

شه بگنبد سرائے مشکیں شد
خانه زو هم چو نافه چیں شد

جامه راهم برنگ کیوانے
داد ترتیبِ عنبر افشانے

ماهِ هندی نژاد رومی چهر
خاست از خوابگاهِ ناز بمهر

خدمتِ خاص رامیاں بربست
کمرِ بندگی بجاں در بست

گرد چوں ساقیاں برعنائی
نقل ریزی و مجلس آرائی

نازنیں گشت همنشیں با شاه
تازه کرده قرانِ زهره و ماه

زاوّلِ بامداد تا گهِ شام
عشرت و عیش بود باده و جام

شب چو بر رسم شد بعالم نور
گردِ عنبر فشاند بر کافور

شه ز مستی نمود رغبتِ خواب
هم ز گل مست بود و هم ز گلاب

جانش از ذوقِ بوسه مفتوں بود
مستیِ نقلش از مے افزوں بود

زاں پری پیکرِ بهشتی وش
خواست کافسانه سراید خوش

خاک بوسیده ماهِ سیمیں ساق
ق گفت کای بادشاهِ رودم و عراق

تا جهاں ست شهریاری کن
تخت گیری و تاجداری کن

آسماں مفرشِ سرائے تو باد — هر چه جز تست خاکپای تو باد

من کیم هندوی شکسته زباں — تا کیں دلیری کنم چو بے ادباں

لیک فرمانِ شہ چو بر جان ست — گویم از جاں هر انچه فرمان ست

ایں سخن گفت و لب کشاد ز بند — و انگبیں ریخت از دهن چوں قند

افسانه گفتنِ آہوی مشک دم و مشک بی پوست باز کرده از بطانه بیروں دادن

گفت وقتے بروزگار نخست — بود شاہے بشہر یاری چست

در سر اندیپ[1] پایۂ تختش — قدمِ آدم افسرِ بختش

عُبرہ[2] تا غزنیش مہیا بود — عبرهٔ دیگرش ز دریا بود

ہوسے بودش از دل افروزی — در چه در کارِ دانش آموزی

داشت پیوسته چوں نکورایاں — میل بر زیرکاں و دانایاں

در دلِ ہر کہ دید دانش بیش — خاص کردش ہمنشینی خویش

سه پسر داشت ہوشمند و جواں — ہم توانگر بعلم و ہم بتواں

بعلم گشتہ با عطارد جفت — کارِ شمشیر خود چه باید گفت

---

[1] مزار مقدس حضرت آدم و حوا علیہما السلام ہمیں جا گویند ۱۲ [2] عبره بالکسر محصولات که از کشتی نشیناں و جہاز نشیناں گیرند و مجازاً بمعنی خراج ملک ہم آید پس عبرهٔ اول بمعنی مجاز ست و عبرهٔ ثانی در مصرعه ثانیه بمعنی حقیقی یعنی سلطان بحر و بر بوده ۱۲

هر هنر کاندر رو گمان نرسد ق ور رسد در گمان[51] بآن نرسد

کرده بود اوستادِ شان تعلیم هر یکے گشته فیلسوف و حکیم

عقده زیشان چنان کشاد براز که ملک را بکس نماند نیاز

خواند روزے نہانی از اغیار هر یکے را جدا بپرسشِ کار

کازمونش کند بکارِ سریر کین تصوّر کرا بود بہ ضمیر

گفت اوّل باوّلیں فرزند که مرا شد بنفشه[52] سر دربند

بعد ازیں نیست کارِ مشتی خاک جز نیایش گری بحضرت پاک

قرعه برتست بادشاهی را رونقِ ماه تا بماهی را

آں بنا نو کنی بداد و بجود که جہاں خوش بود خدا خوشنود

ناتواں را برفق پیش آئی با توانا کنے توانائی

بشبانے رمه[53] نگہداری گوسپنداں بگرگ نگذاری

پورِ دانا بخاک سود کلاه گفت جاوید باد دولت شاه

کے روا باشد از هوا[54] خواهی که زنم پیشِ شه دم شاهی

تا تویی ملک بر کسے نہ سزاست بے تو خود زیستن برای چراست

تخت ماوائے چوں منی نبود جاے تو جاے چوں منی نبود

مور با آنکه بر سریر بود کے سلیمان و تخت گیر بود

---

[51] بن = کمال آں [52] از پیری خمیده شدم ۱۲ [53] گله گوسپند ۱۲ [54] ح = نکو

شه در آن آزمایش کارش　　چون پسندیده دید گفتارش

در دلش صد هزار تحسین خواند　　وآشکارش بخشم بیرون راند

خواند فرزند دیمی را پیش　　خاص کردش بآزمایش خویش

بافسون گر سخن[۱] بافسون خواند　　باجرای گذشته بیرون راند[۲]

پسر زیرک از خردمندی　　کرد پرسنده را زبان[۳] بندی

گفت ما را بجان و بینائی　　ق　　کردنی شد هر آنچه فرمائی

لیک پیشت حدیث تاج و سریر　　عیب باشد ز بنده عیب گیر

وین زبان تو که تا توئی برجای　　دیگری کی نهد بمسند پای

وان زمان کین زمانه گذران　　باتو نیز آن کند که با دگران

گر بود در سرت که افسر خویش　　خود مزین کنی بگوهر خویش

مهتری هست آخر از من خورد　　بار سر جز بدوش نتوان برد

بر بزرگان رواست این معراج　　لولوی خرد نیست درخور تاج

شاه زد هم گره برابرو کرد　　وز حضور خودش بیکسو کرد

روی در خورد کاردان آورد　　خورده را باز در میان آورد

داد پاسخ جوان کارشناس　　که ز خوردان نکو نیاید پاس

شاه چون دید کآن سه گوهر پاک　　می شناسند گوهر از خاشاک

۱؎ در مجب = زبان بافسون داد　　۲؎ مجب = داد　　۳؎ اے جواب کافی و شافی داد ۱۲

شادمان شد ز بخت فرخ خویش · سود بر خاک بندگی رخ خویش
بهر ملک دو روز بی سر و بن · ایمن اند از فریب چرخ کهن
لیکن از پیش بینی بی کوز[۵۱][۵۲][۵۳] · با جگر گوشگان شد اندر سوز[۵۴]
داد فرمان که هر سه بدر منیر · پیش گیرند ره ز پیش سریر
تا حد ملک شهر یار بود · هر که ماند گناه گار بود
زین سخن هر سه تن ز جای شدند · توشه بستند و ره گرای شدند
گه در آباد بوم و گه بخراب · شهر بر شهر می شدند شتاب
ره نوشتند بی شکیب و سکون · تا شدند از دیار شاه برون
در رسیدند تا باقلیمی · که از آن بود ملک شان نیمی[۵۵]
در بیابان و راه و منزل و جای · نهادند بی تجارب پای
روزی از گردش ستاره و ماه · ق · می نوشتند سوی شهری راه
ناگه از پیش زنگی چون قیر[۵۶] · تگ زنان سوی شان گذشته چو تیر
گفت کای رهروان ز یار دی · شتری دید کس روان زین سوی
زان سه برنا یکی زبان بگشاد · نقش نادیده را نشانی داد

---

۵۱ ن حجب = کور   ۵۲ ن س = غور و گور   ۵۳ کوز بواو معروف در فارسی بمعنی پیچیده و خمیده یعنی چنان پیش بینی راست که در و کجی و پیچیدگی نبوده ۱۲   ۵۴ ن حجب = شور   ۵۵ یعنی متقابل وسعت آن اقلیم ملک پدر ایشان نصف بود ۱۲   ۵۶ قیر بالکسر بروزن پیر روغن سیاه که بر کشتی ها و درزهای کشتی مالند بهندی تارکول ۱۲

گفت کاں گم شدہ کہ رفت ز دست | یک طرف کور ہست گفتا ہست

دومی گفت چوں خردمنداں | کز دہانش کم ست یک دنداں

سومیں ہوشمند با تمیز | گفت یک پاے لنگ دارد نیز

زاں نشانہا کہ بود روشن و راست | شبہہ از پیشِ ساربان برخاست

گفت چوں راست شد نشانی داد | بایدم رہ بہم عنانے داد

باز گفتند ہر یکیش جواب | کہ ہمیں راہ گیر و رو بشتاب

مردِ پوئیدہ راہ پیش گرفت | رفت و دنبالِ کارِ خویش گرفت

آں جواناں براہ گام بگام | می نمودند نرم نرم خرام

ق
تا زمانے کہ گرم گشت سپہر | ۱ موجِ آتش فشاند چشمۂ مہر

زیرِ عالی درختے انبہ[۵۱] شاخ | ۲ کش دو پرتاب بود سایہ فراخ

در رسیدند رنج دیدۂ راہ | میل کردند سوی آب و گیاہ

چشمہ دیدند و دست و پا شستند | بر گل و سبزہ خوابگہ جستند

چوں ز بادِ خوش و درونہ نواز | نرگسِ مستِ شاں شد اندر ناز

ساربان باز در رسید چو باد | بازبانے چو خنجرِ فولاد

گفت زیں سوی تا بیک فرسنگ | پایم از تاختن نداشت درنگ

در نوشتم بسے گریوہ[۵۲] و کوہ | و ز تگ و پویہ آمدم بستوہ

---

۵۱ انبہ مخفف انبوہ اسے زیر درختے بزرگ کہ شاخہاے انبوہ بود ۱۲ — ۵۲ میدان ۱۲

دیده گردی ازاں رمیده ندید   گرد چه؟ بلکه آں رمیده ندید

گفت زایشاں یکے که بشنو گفت   هرچه دیدیم چوں توانش نهفت

هست بارش سبو درو[۱] باروے   روغن ایں سوی و انگبین زاں سوے

دو یمیں کرد روے کار برو   هست گفتا زنے سوار برو

سو یمیں گفت زن گراں[۲] بارست   وز گرانیش کار دشوارست

سارباں زاں همه نشانِ درست   گردِ تنگ راز روی خاطر شست

آگهی چوں نداشت از فنِ شاں   چنگ در زد سبک بدامنِ شاں

نعره برداشت کیں سه طرّارند   که بتاراجِ خلق درکارند

هر زماں سو بسو زمیں بزمیں   بهر کالا همی کنند کمیں

تا کجا باشد اشتری و خری   ق   یا متاعے زنقره و ز زری

بفریب و فسون و چاره گرے   ببرند از مقیم و ره گذرے

زاں نفیر و فغاں که زو برخاست   گرد گشتند خلق از چپ و راست

گرد شاں شد ز مردم انجمنے   هر یکے گفت بیش و کم سخنے

تا نهایت برآں قرار افتاد   که بباید شدن چو کار افتاد

ملکِ عهد را خبر کردند   راهِ انصاف را نظر کردند

کار[۳] کآں بسته گشت نکشاید   کار فرما تمام فرماید

۱؎ مقابل ۱۲   ۲؎ یعنی حامله ۱۲   ۳؎ جب = کار چوں بسته گشت بکشاید

هم بر آں اتفاق جمله بهم — حکم جویاں شدند سوی حکم

ساربان ماجراے حال که بود — ق — واں همه پاسخ و سوال که بود

گفت باشه یگاں یگاں بدرست — شاه زاں هر سه نیز پاسخ جست

آنکه زانشاں کیاست افزوں داشت — ق — در هر افسانهٔ صد افسوں داشت

گفت اوّل دعای دولتِ شاه — که بماں تا بود سفید و سیاه

چشمها را ز خاکپاے تو نور — دیدهٔ بد ز آستانِ تو دور

ما سه برنا مسافریم و غریب — در تگ و پویه ز آب و خورد نصیب[۵۱]

سالها شد که گردِ عالمِ خاک — می نوردیم دشت و کوه و مغاک

نیست زیں تاختن بهر جاے — بهرهٔ ما بجز تماشاے

در دیارے که راه بنوشتیم — چوں بدیدیم جمله بگذشتیم[۵۲]

زیں دویدن بزیرِ چرخِ کبود — روزے ایں سوی نیز راه نمود

می بریدیم ره ز گردشِ دهر — تا رسیدیم بر درِ ایں شهر

اوّل ایں زنگیِ سیاه وجود — ق — که دواں سوی ما رسید چو دود

اشترے جست و ما بلابه[۵۳] و لاغ — تازه کردیم نقشِ او را داغ

ما گنهگار ایں قدر هستیم — که دروغے بروے او بستیم

۵۱ از آب و دانهٔ مقسوم در سیر و سیاحت می باشیم ۱۲ — ۵۲ جب = برگشتیم

۵۳ لابه بمعنی تملق و عجز و بمعنی اخلاص مجاز است و لاغ بمعنی ظرافت و خوش طبعی ۱۲

شد ملک گرم زین حکایت و گفت — کانچہ پیداست چون توانش نهفت

بس دروغے کہ گوئیمش[۱۱] بیجواست — اتفاقاً مقابل افتد راست

چون خود از دل برون فگندی راز — تیر کز شست رفت ناید باز

ز اتفاق از[۱۲] دروغِ نافرجام — راست از دہ یکے بود نہ تمام

بردہ را باز دہ بہ سانہ مکن — خویشتن را بدن[۱۳] نشانہ مکن

این سخن گفت چون ستمگاران — بندِ شان کرد چون[۱۴] گنہگاران

چون بشام آفتابِ نورانی — گشت در زیرِ خاک زندانی — ق

آن جوانانِ نغز با فرہنگ — سوی زندان شدند با دلِ تنگ

ہمہ شب رفت شان بجز و نی — در صفِ دزد و رہزن و خونی

شب چو بر ناقہ بست محملِ خویش — مہ بخورشید داد منزلِ خویش — ق

شترِ یاوہ[۱۵] گشت با ہمہ ساز — بر درِ ساربان رسید فراز

مردے آمد کہ در فلان کہسار — بر درختیش ماندہ بود مہار

من بدان سو شدم بکار کشی — دیدم و کردمش مہار کشی

زن کہ بالاش بود داد نشان — تا من آوردمش مہار کشان

ساربان دادش آنچہ واجب بود — پس بسوی ملک روان شد زود

گفت باشہ کہ من بدولتِ شاہ — یافتم ہرچہ یاوہ گشت براہ

---

[۱۱] جب = بے کاست [۱۲] ح = ار [۱۳] د = فسانہ [۱۴] جب = با [۱۵] آوارہ شدہ و راہ گم کردہ

شتر و ہر چہ بود بار برد | وآں عروسے کہ بُد سوار برد
شہ نظر سوے عدل فرماید | بندیاں را ز بند بکشاید
شہ ز آزارِ بے گناہے چند | از جگر بر کشید آہے چند
خواند شاں با ہزار خجلت و شرم | نرم دل کرد شاں بپوزشِ گرم
وانگہے داد شاں ز بند خلاص | خلعتے داد ہر یکے را خاص
پس بپرسید شاں کہ قصہ خویش | باز باید نمود از کم و بیش
کانچہ مردم ندید پیکرِ او | چوں نشانے دہد ز جوہرِ او
ماجرا گر درست باشد و راست | خواستہ[1] بیکراں دہم بیخواست
ور کم و بیش در میاں آید | سر ز شمشیر در زیاں آید
رمز داناں بشرطِ خدمتِ خاص | تازہ کردند سجدۂ اخلاص
پس یکے زاں سہ تن زباں بکشاد | گفت باشی ہمیشہ خرّم و شاد
من کہ کوریش را نشاں گفتم | بینشتم[2] وا[3] نمود زاں گفتم
ہمہ یکسوے دیدم اندر راہ | خوردنش از درخت و خار و گیاہ
نقش بستم کہ یکطرف کورست | کش بیک سوی در چرا زورست
دومی گفت کز رہِ فرہنگ | من بیک پاے زانش گفتم لنگ
کانچناں دیدمش براہ نشاں | کہ ز یک پاے رفتہ بود کشاں

---

[1] خواستہ بمعنی مال اے مال بیکراں بے طلب بشما دہم ١٢ — [2] اے عقل من ١٢ — [3] رجب = رہ

سومیں گفت چوں خردمنداں ق منکہ کم گفتمش یکے دنداں

برگ و شاخے کہ خوردہ کردہ او — دیدم افتادہ نیم خوردہ او

ہر چہ ناخوردہ میشمود درو — برگ یک یک درست بود درد

روشنم شد ز عقل چندانے — کز دہانش کم ست دندانے

شاہ گفتا کہ آں سہ چیز نخست — ہر چہ گفتید راست بود درست

واں سہ دیگر بدانشش و تمیز — روشن و راست گفت باید نیز

باز یک تن زبانِ راز کشاد — وآنچہ در پردہ بود باز کشاد

گفت کاوّل دمے کہ از من رفت — ماجرا ز انگبین و روغن رفت

آنچناں شد کہ در خس و خاشاک — دیدم آلایشے چکیدہ بخاک

مگس افگندہ بود یک سو شور — سوی دیگر قطارِ لشکرِ مور

ہر چہ در روے دوید مور بجہد ق حکم کردم کہ روغن ست نہ شہد

وانکہ سویش مگس نمود ہجوم — بفراست شد انگبیں معلوم

شخص دوئمیں زباں کشاد کہ من — آنکہ بروے سوار گفتم زن

آنچناں دیدہ شد کہ گشت یقیں — اثر زانوے شتر بزمیں

گشت پیدا ز پہلوئے زانو — نقش نعلین ہائے کد بانو

ترئی نیز دیدم از یکسو — برگرفتم ز خاکِ آنجا بوی

---

 ۵۲ یاے قلت اے اندک تری ۱۲

نفس زاں بوے در گداز آمد　　جوشِ شهوت در اهتزاز[١] آمد

کردم اندیشه راز خاطرِ فرد　　که سوار شتر زن ست نه مرد

گفت سیوم که رای من بنهفت　　زاں سبب حامل و گرانش گفت

کاندراں جای کاں جمازه[٢] نشین　　بر جمازه سوار شد ز زمیں

دیدم آنجا که نقشِ پاش نشست　　گشت پیدا انجا ک نقشِ دو دست

گفتم ایں حامل و گراں بار ست　　کز زمیں خاستنش دشوار ست

آنکه در خاک دست سای شده است　　از پیِ خاست چار پای شده است

شاه کز هر سه تن شنید جواب　　بنده شد زاں فراستِ بصواب

هر یکے را بصد نوا بنواخت　　ساخت برگی چنانکه باید ساخت

زاں نمودارِ دوربینیِ شاں　　کرد رغبت بهمنشینیِ شاں

منزلے داد شاں درونِ سرایے　　تا بود نزدِ شاں بخلوت جاے

دل چو فارغ شدیش از همه کار　　تازه کردی نشاط را بازار

با حریفانِ نوبه تنهائی　　باده خوردی بمجلس آرائی

گوش کردی دمے نهانیِ شاں　　بهره جستی بکاردانیِ[٣] شاں

مغزِ معنی که دیدی اندر پوست　　نقش کردی بجانِ[٤] معنی دوست

---

١ بمعنی جنبش ١٢

٢ جمازه صیغه مبالغه به تشدید میم ست ولیکن در فارسی بتخفیف هم مستعمل میباشد بمعنی شتر تیز رفتار ١٢

٣ رجب = زکاردانی

٤ جان موصوف معنی دوست صفت اے جانیکه معنی را دوست میداشت ١٢

شه فرستاد نزدِ شاں یک روز　　بره[1] و بادهٔ درونه فروز

همه باهم نشاط پیوستند　　شاد و خنداں بباده بنشستند

چوں دمے چند کرد هر یک نوش　　و آمد از مے درونها در جوش

باز میگرد[2] هر یک از کم و بیش　　داستانے بقدرِ دانشِ خویش

آنکه مه بود چابک اندیشه　　ق　　باز گفت از دل خرد پیشه

کیں مئی کآدمی گم ست درو　　گوئیا خونِ مردم ست درو

دومیں کاردانِ رازشناس　　ق　　گفت ز اندیشهٔ درست قیاس

کیں بره گوئیا نه پاک رگ ست　　پرورش یافته ز شیرِ سگ ست

سیومیں نقش بند عقده کشای　　ق　　باز گفت انچه روی داد ز رای

کیں ملک نے ز شاهِ آزاد ست　　دانم از پشت مطبخی زاد ست

ملک اندر کمینِ دیوارے　　گوش میداشت سوی گفتارے

تا هر آں خورده[3] کآید از سه حکیم　　کشدش در جریدهٔ تعلیم

زاں سه نکته که گوش گیر شدش　　دلِ نازک گماں پذیر شدش

بسکه جوشِش درونش ابتر کرد　　سر بخلوت سرائے شاں در کرد

هر سه تن تیر وار بر جستند　　با ملک چوں نشست بنشستند

شاه فرمود کیں زباں نهفت　　هرچه گفتید باز باید گفت

---

[1] بره یعنی حلوان ۱۲　　[2] سرج = می گفت　　[3] نکته ۱۲

گشت تحقیق در بطانۂ[1] شاں کہ شنیدست شہ فسانۂ شاں

گرچہ آں گفتہ دلپذیر نبود باز گفتند چوں گزیر نبود

شاہ یک یک شنید و گشت خموش بادہ می خورد با دلِ پُرجوش

کردہ بود آزموں کز ایشاں کس نزند ہرگز از گزاف نفس

صبح چوں رازِ چرخ روشن کرد صحنِ گردوں چو سبزِ گلشن کرد

شاہ در ماجرائے بادۂ دوش باز جست آگہی ز بادہ فروش

مردِ خمار گفت کیں انگور بردہ ام از رزِ[2] فلاں دستور

اوّل آں باغ بود گورستاں گور افگندہ ساختش بستاں

چوں یکے باز خواند روشن و راست از دو دیگر تفاوتش برخاست

از شباں باز جست رازِ برہ ز دشباں قلب چوں نبود سرہ

گفت کیں برّہ بود پہلویش شیر پروردِ مہرِ مادرِ خویش

بانگ برزد برو بہ تندی شاہ کیں زمانت سر افگنم چو گیاہ

زیں سیاست نباید آساں رست جز با قرارِ راست نتواں رست

کرد روشن شبانِ برّہ فروش کاو فتاد از گناہِ او سرِ ہوش

دل ز تیمارِ جان و تن برداشت پردہ از رازِ خویشتن برداشت

گفت کیں برّہ بود در رمہ خرد کز رمہ گرگ مادرش را برد

---

[1] دل ۱۲ [2] درخت یا ثمر انگور ۱۲

مادہ سگ داشتم دوندہ چو تیر | بچۂ چند بودش اندر شیر
رام کردم چنان بدستانش | کہ برہ سخت شد بہ پستانش
چون چنان شد ز شیر مستی نغز | استخوانش بپوست شد ہمہ مغز
آوریدم بسوے مطبخِ خاص | زین گنہ خواہ تیغ خواہ خلاص
شہ چو رمزِ دو خردہ دید درست | گشت پاس از خیالِ سویم سست
چار و ناچار سوے مادر راند | رازِ دل را نہفتہ بروے خواند
در گریبانش چنگ در زد سخت | ق گفت خواہم ز تو جہان پرخت
ورنہ برگو براستی خبرم | تا کہ بودست در جہان پدرم
از کہ آوردۂ چو من پسرے | پدرم شاہ بود یا دگرے
مادر از خشم در خروش آمد | خونش اندر جگر بجوش آمد
گفت کاندیشہ نیستت ز وبال | کہ نہی تہمتم بہ پیران سال
کہ تواند جز آفتابِ بلند | کافگند بر سر پیادہ پرند
غیرِ دارا کرا بود یارا | کہ در آید بپردۂ دارا
باز بر فرقِ شاہ بر شد دود | رو بمادر نہاد خشم آلود
گفت گر صد بہانہ پیش آری | نرہی جز براست گفتاری
بزہ[۵ل] را کہ کردۂ بشمار | تا نگردم بہ کشتنت بزہ کار

۵ل بزہ بمعنی گناہ ۱۲

مادرش کز درونش دود[1] نداشت — عذرها گفت هیچ سود نداشت

آگهی داشت کاں غبار انگیز[2] — هست گاهِ قصاص بے پرهیز

از رهِ راستی[3] بلرزه و بیم — کرد خود را بدستِ خوں تسلیم

گفت رازے که داشتم بنهفت — بشنو اکنوں اگرچه نتواں گفت

روزے از روزهاے فصلِ بهار — شه بروں رفته بود سوی شکار

من جواں بودم و زخوبانِ طاق — خفته تنها در اندرونِ رواق

خواب[4] چوں رختِ خود گراں[5] آورد — مطبخی در رسید و خواں آورد

من ازآنجا که هست میلِ زناں — آرزو دیم ز دست برد عناں

در روی آویختیم چو مردمِ مست — جوشِ دل مهرِ عصمتم بشکست

هرچه در سرنوشت بود مرا — نفسِ بد عاقبت نمود مرا

نم[6] چو در شاخِ نوبهار آمد — میوهٔ چوں تو ام ببار آمد

شه چو بشنید راز مادرِ خویش — سر فگند از خجالت اندر پیش

رفت در خود فرو و حیراں گشت — از چناں پرسشے پشیماں گشت

رفت[7] بیروں ز کاخ شرمنده — وز تحیّر نه مرده نے زنده

شد بخلوت سراے مهماناں — بی زباں گشته زاں زباں داناں

---

[1] دود داشتن یعنی زهره و دلیری داشتن ۱۲ [2] از غبار انگیز مراد پسر یعنی شاه ۱۲
[3] رجب = سر [4] اے خواب رفت و بیدار شدم ۱۲ [5] رجب = برگراں
[6] مراد از نم نطفه و از شاخ نوبهار رحم زن ۱۲ [7] رجب = جست

چون[1] گذشت از شراب دورے چند — راز را بر گرفت مُهر[2] ز بند

گفت کانچہ از شما شنیدم راز — ہمچناں یافتم چو جستم باز

روشن و راست بود چون ہر چیز — روشن و راست گفت باید نیز

کیں ہمہ کارہا[3] کہ پنہاں بود — از چہ[4] دانستہ شد کہ زینساں بود

گفت یک تن کہ من چو خوردم مے — دیدم افزایشِ غم اندر وے

از مے افزایشِ طرب باشد — چون غم افزون کند عجب باشد

باز جستم ز دیگراں احوال — بود ہم زیں نمط جواب و سوال

روشنم گشت کاں شراب چو نوش — دارد از خونِ خاکیاں[5] سر جوش

گفت دومیں کہ من بہ برّہ دست — چون بر آہنگِ خورد بردم دست

دل بیک لقمہ شد بسوزش و تاب — وز دہانم روانہ گشت لعاب

بوی خونِ سپشت[6] در رگ داشت — پہلوی ہمچو پہلوی سگ داشت

گفتم ایں برّہ بگیست چو گرگ — یا خود از شیرِ سگ شدست بزرگ

سیومیں گفت من حقیقتِ کار — گویم ار باشدم بجاں زنہار

بر زباں راندش بسے سوگند — کہ نباشد بجانش ہیچ گزند

---

۱ جب = تا ۲ رجب = مستی بند ۳ جب = رازہا ۴ رس = بچہ

۵ مراد از خاکیاں مردگان و معنی سرجوش شوربا و مثل آں کہ در اول جوش از سر دیگ بردارند یا شراب و گلاب و مثل آں کہ باول جوش بگیرند ۱۲

۶ سپش و سپشت کرمہاے کہ بر پشت سگ و شتر وغیرہ پیدا میشود و نیز در جامہا و سر مردماں ہم از کثافت پیدا میشود بہندی چچڑی یا جوں بگویند ۱۲

پس جواں باز گفت قصہ کہ من | تا رسیدم بہ پیشِ شاہِ زمن
ہر چہ دیدم ز تو بدانائی | میزدم بر محکِ بینائی
طلبِ رازِ شاہ میکردم | بنجابت[۱] نگاہ میکردم
از نشانہاے تاجِ تاجوراں | ق کآدمی[۲] را تواں شناخت دراں
باز جستم یکے از آنت نبود | جز دمِ شور و باؤ نانت نبود
نا مدت ہیچ رہ سخن بزباں | کہ نبود اندراں حکایتِ ناں
ایں نشانہا کہ عکسِ شاہی داشت[۳] | بر نمودارِ بدگواہی[۳] داشت[۴]
کردروشن فراستم بہ ضمیر | کہ ترا[۵] نیست نسبتے بسریر
شہ فرو شد زحیرت اندر خویش | سخن از وے بروں نیامد بیش
گفت[۶] کز داد نیست شاہاں را | ق ریختن خونِ بے گناہاں را
غضبم تا عناں نبردہ ز دست | رختِ مہماں بناقہ باید بست
انگہے گفت جملہ راخنداں | کآفریں بر شما خرد منداں
از شما دوستانِ با تمیز | یافتم بہرہ مندی از ہمہ چیز
با شما عیش موجبِ ہنرست | ہر چہ بیش ست سود بیشترست
لیک گردندہ[۷] جہاں پیماے | نتواں بند کرد... یک جاے

۱ۓ رس = بتجارب　۲ۓ س = کہ شہاں　۳ۓ حجب = بود　۴ۓ ح = شہ
۵ۓ رحجب = کہ خمیرے ست نسبتت نہ سریر　۶ۓ بادشاہ بدل خود گفت ۱۲
۷ۓ گردندہ موصوف جہاں پیماے صفت یعنی مسافر و سیاح ۱۲

زیں نمط خواست عذرہا بسیار ‌ پس بہر یک سپرد صد دینار

ہر یک[۱] از بخت شادمانۂ خویش ‌ رہ گرفتند سوے خانۂ خویش

سوی ملک پدر فراز شدند ‌ ق چوں[۲] بدربار سرفراز شدند

پدر پیر شادمانی یافت ‌ بار دیگر ز سر جوانی یافت

بسکہ از خوشدلی تمکیں گشت ‌ موی کافورگونش مشکیں گشت

کرد روشن بہتریں پسراں ‌ بالش مشک فامِ تاجوراں

چتر مشکینش داد با ہمہ چیز ‌ دیگراں را لواے مشکیں نیز

رنگ مشکیں شعار عباسی ست ‌ زیور آراے چرخ شماسی[۳] ست

ظلمت شب کہ مشک فام بود ‌ بہر آرایش تمام بود

خون تر در میان نافۂ خشک ‌ تا نگردد سیہ نگردد مشک

خط و خالے کہ دلستاں دارد ‌ مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

شاہ کز نازنین مشکیں موے ‌ ایں فسانہ شنید روی بروے

خفت در خوابگاہ حور العین ‌ گل در آغوش و مشک در[۴] بالین

---

(۱) حجب = ہر سہ (۲) س = باپدر باز

(۳) بالفتح و تشدید میم شخصیت کہ بر دین شماس باشد و شماس نام شخصے ست کہ دین آتش پرست ایجاد کردہ اوست و چرخ ازانجا کہ حرارت آفتاب ہردم با خود دارد بشماسی موصوف گشت ۱۲

(۴) سرج = بر

کوثر کشیدنِ بهرام روزِ یکشنبه در بهشتِ سوم و بگنبدِ زعفرانی شکر خندهٔ طرب نمودن و بآفتابِ نیمروزی خانه گرم کردن

روزِ یک شنبه آن ستاره[1] روز | شد در ایوانِ زرد بزم افروز
چون زر افشاند آفتاب بدشت | دامنِ کوهسار پر زر گشت
رغبتِ برجِ زعفرانی کرد | خانه را خلدِ جاودانی کرد
جامه را نیز کرد خندان[2] خند | زعفرانی چو آفتابِ بلند
گفت خورشیدِ نیمروزی را | رخ گشاید جهان فروزی را
هر کرشمه که او نمود بدوست | تا وے بود در درونهٔ دوست
شه به نظّارهٔ چنان مستور[3] | ماند حیران چو هندوان ز نور
باده بر روی سرخ گل می خورد | تا فرو رفت ز آسمان گلِ زرد
شب چو نو کرد پرده داریِ خویش | گوهر[4] آمود در عماریِ خویش
سر بہ بالینِ خوابگاه نهاد | باز آن سر بران ماه نهاد
داد فرمان که ماهِ شکرخائے | گوید افسانهٔ نشاط افزائے

---

[1] مراد از بهرام ۱۲
[2] الف برائے اتصال ست چون زنگارنگ ۱۲
[3] رحجب = منظور
[4] سرحجب = باز اندر سرانِ ماه نهاد

نازنین بر زمین نهاد جبیں ق گفت کای شہریار روی زمیں
بختِ ہموار ہم عنانِ تو باد سرِ بدخواہ بر سنانِ تو باد
ہر مرادی کہ بشمری ز انگشت یک بیک جملہ باد ت اندر مشت
شرم دارم کہ پیش درِ درّی[۱] گہر بار اکشم بجلوہ گرے
لیک چوں شہ اشارتم فرمود ہر چہ دارم برون فشانم زود
ریخت چوں ایں نمط لآلی چند گفت زیں پیشتر بسالی چند

افسانہ گفتن زعفرانی پوش نیمروزی

زرگرے بود در خراساں طاق شہرہ در شہرہائے روم و عراق
حَسَنَش نام و بر ہنرمنداں بود چوں نامِ خویشتن خنداں
ہر چہ بتواں ز سیم و زر پرداخت ساختی آنچناں کہ باید ساخت
روزے[۲] از دستکاری دلجوی ساخت پیلے گران ز صد من روی[۳]
تا روانی بود بہر جایش چار گردش[۴] نہاد در پایش
چوں بپرداختش بنقش و نگار ق از نکوئی چو صورتِ دیوار
پیشِ فرمانروائے شہرش برد بوکیلانِ درگہش بسپرد

۱ بالضم و تشدید راء مکسور لفظ عربی است بمعنی ستارہ روشن کہ بزرگ باشد اینجا بضرورت شعر تشدید را حذف کردند ۱۲
۲ رجب = وقتے
۳ یعنی کانس ۱۲
۴ یعنی پہیہ ۱۲

پیش بردند شاہ کرد نظر | ماند حیران در آں کمالِ ہنر
پس اشارت نمود ہم بشتاب | تا دہندش ہزار من زرِ ناب
گفت خواہم ز چوں تو اُستادی | کہ نہی زیں نمونہ بنیادی
پیل کز روی کردہ پرداخت | سازی از زر چنانکہ باید ساخت
زر بروں برد مردِ چابک دست | رفت و در کارگاہِ خویش نشست
نقد را سکۂ در عیار آورد | دمہ[ل] و کورہ را بکار آورد
روز و شب کوششِ ہنر میکرد | و ز ہنر کارِ خود چو زر میکرد
تا بر آراست از پسِ ماہے | ژندہ پیلے فراخورِ شاہے
چوں شد آں پیکرِ شگرف تمام | در زماں کرد پیش شاہ خرام
کارِ خود کز ہنر نداشت قیاس | برد در پیشِ شاہِ کار شناس
شہ چو دید آں نمونۂ کارش | متحیر شد از نمودارش
کرمش کرد و چار من زر داد | مزدِ دستش چہار دیگر داد
پس بہ پشتش بر آمد از پے گشت | طرفے گشت و جانبے بگذشت
زاں تماشا کہ بود طرفۂ دہر | گفت و گوئے در او فتاد بشہر
ہر کجا زیرکی و دانائی | ق | نقشبندے و پیکر آرائی
چوں بدید اندر آں ہنرمندی | خیرہ شد زاں ہنر خردمندی

[ل] دمہ ہندی دہوکنی و کورہ بھٹی ۱۲

حاسداں را حسد بکار آمد — دلِ ہر یک بخار خار آمد

کاردانے دگر زغیرتِ کار — گرد آں سکہ شد بوزنِ عیار

گرد روشن کہ آں خیالِ شگرف — انچہ شد داد کمترست بصرف

مایۂ[1] زر اگر ہزار من ست — نہ بجای ست درکمی[2] سخن ست

شد برآں تا چہ[3] بازد از ہر دست — کہ درآرد بہ پیل[4] بند شکست

گفت اگر پیشِ شہ کشایم راز — پیل را شہ نیفگند بگداز

در شوم سکہ را بوزن دلیل — در ترازو چگونہ گنجد پیل

در زباں از سخن کنم کوتاہ — قلب کاری برد خزانۂ شاہ

چارہ آں شد کہ ہم زخانۂ او — آگہی جویم از فسانۂ او

پس باندیشہ گشت چارہ سگال — تا بروں آورد زپردہ خیال

جست رائی بکوششِ وفنِ خویش — کآشنا کرد بازنش زنِ خویش

ہر دم از تحفہ ہاے رنگ آمیز — کرد بازارِ دوستی را تیز

آنچناں گرم شد میانِ دو جفت — کہ بتقریر باز نتواں گفت

شرطِ اخلاص را بہانہ نماند — راز را پردہ درمیانہ نماند

مردِ شیریں زبان و خوش[5] آشام — زہر در جیب و انگبیں درجام[6]

---

[1] رس = مایۂ کارگر [2] رس = یکے [3] اے کدام حیلہ انگیزد ۱۲

[4] از پیل بند مراد زرگر ست و در بازی شطرنج چوں پیل را بہ پیادہ قوت دہند پیل بند می نامند ۱۲

[5] جیب = دُرد [6] رس = کام

دید چوں پختہ کارسازی خویش   ریخت بیروں ز پردہ بازی خویش

گفت با زن کہ چوں بہ پنہانی   سوے کدبانوی حسن رانی

فرصتے[۱] بینی و مزاجش نغز   گرم در پوست در رویش چو مغز

آری از ہر درے بگفتارش   گوئی آں گاہ بے غرض وارش

کانچہ جفتِ تو نقشِ پیل کشید   ناقداں[۲] را بدیدہ میل کشید

مثلِ آں زیرِ سقفِ مینائی   در نیاید بہیچ بینائی

ایں شگفت ارچہ سر بسر ہنر ست   لیک وزنش ازاں شگفت تر ست

گر کسے خواہدش کہ بر سنجد   در ترازو درست چوں گنجد

زو بپرس ار بداند ایں ہنجار   نیست ہمتای او بہیچ دیار

راز زنیانش آشکار و نہفت   باز گوئی چنانکہ دانی گفت

زنِ زیرک مزاج دور اندیش   زیرکانہ نہاد پائے بہ پیش

تحفۂ برگرفت و رہ برداشت   رفت جائی کہ کار در سر داشت

تحفہ را برد پیش کدبانو   چوں دگر باز گشت ہم زانو

گہہ بافسانہ و گہے بفسوں   از دلش خوردہ می کشید بروں

تا وے از کاردانِ خود بدلیل   پرسد آئینِ برکشیدنِ پیل

ہر نمط وصف کرد کالا را   پیل و آں گنج پیل بالا را

حجب = فرصتے   ۲ ر = حاسداں

زیرو بالا نمود چندانش[1] | کز سخن موم کرد سندانش
کرد این[2] سکّه در مزاج درست | کز حسن وزنِ سکّه باید جست
شب چو شد پیل بندِ جوزا راست | چرخ ز انجم بساطِ سبز آراست
حسن از کارِ گهہ بخانہ رسید | مرغِ زیرک در آشیانہ رسید
چوں دل از کار خوردنی پرداخت | از پئے خواب سوی بسترِ تاخت
صنمِ خانہ شد بخدمت[3] شوے | در کنارش خزید روبارو ے
خواجہ را دل در اہتزاز آمد | نازنیں در نشاطِ ناز آمد
ہر دو بر نسبت زنا[4] شوئی | تازہ کردند رسمِ دلجوئی
خواجہ میگفت در نہاں باجفت | انچہ با او بپردہ باید گفت
سیمبر نیز پیشِ محرمِ خویش | باز می گفت شادی و غمِ خویش
چوں ز ہر گفتگوی واپرداخت | سخن از پیل و وزنِ پیل انداخت
گفت کاے در ہمہ[5] ہنرہا طاق | ق فیلسوفے بزیر سبز رواق
از ہنرہائے بیکرانہ تو | رفت گردِ جہاں فسانۂ تو
من ز تو ہرچہ قصہ پیش کنم | ناز بر ہمسرانِ خویش کنم
پیلِ زریں کہ ساز کردۂ تست | درے از سحر باز کردۂ تست

---

[1] صفت گونا گوں کردن ۱۲ [2] رس = گردش [3] س = بخلوت
[4] الف در زنا شوئی بجاے واو عطف آمدہ چنانکہ در لفظ سراپا ۱۲
[5] رنجب = در ہنر بعالم طاق

هر چه از پای دیدمش تا سر — هست جایش زجای زیبا تر
لیک یک مشکل آیدم بخیال — پرسم ار پاسخم دهی بسوال
مرد گفتا که آنچه میدانم — از همه پوشم از تو نتوانم
باز پرس آنچه گرددت بضمیر — تا کنیمت یگان یگان تقریر
زن بدو گفت کاں خیال شگرف — که درو زر هزار من شد صرف
صنعتش گرچه از حد افزون ست — صنعتِ وزن کردنش چون ست
گر ترا باشدت تصوّرِ چیست — ق — که تواں بر کشیدنش بدرست
آگهی ده که با خبر گردم — شادیم هست شاد تر گردم
مرد گفتا که هست در مشتم — صد هنر بلکه در هر انگشتم
لیک در[۱] خود نهفته دارم راز — کز کس انصافِ خود نیابم باز
گر نمایم هنر بهشیاراں — نبرم جاں زدستِ همکاراں
نغز گفت آں حکیمِ دور اندیش — که هنر هر چه بیش دشمن بیش
زن بدو گفت کانچه از دلِ خویش — ق — باز پوشی زخلق حاصل خویش
جای آں باشدت که اندر پوست — ۲ — نیست خالی کسی[۲] ز دشمن و دوست
لیک احوالِ خود بخاموشی — ۳ — با که گوئی اگر زمن پوشی
خواجه گفتا که راست است و درست — ق — که مرا محرمی دگر نه چو تست

۱؎ جب = با   ۲؎ رجب = جهاں

لیک آخر زنی بود ہیچ زنے / نتواں داشت محرمِ سخنے

زن کہ در عقل بے کمال بود / رازپوشیدنش محال بود

زن بدو گفت کای ز دانش دور / زن بود شوی خویش را دستور

ہرچہ باشد ز مرد ماں بہفت / جز بجفتِ عزیز نتواں گفت

من کہ بودم ہمیشہ محرمِ تو / باکہ گفتم ز شادی و غمِ تو

تا چنیں مُہر بر زباں داری / از من اسرارِ خود نہاں داری

مرد گفت ایں سزای گفتن نیست / قصہ جز از تو در نہفتن نیست

گر برون ریزم از دل ایں فنِ خویش / خونِ خود خود کنم بگردنِ خویش

زن کہ بر مرد کامگاری[1] داشت / ق / دل بکارِ ستیزہ کاری داشت

کوشش و جہد در میاں آورد / عصمتِ شوی در زیاں آورد

خواجہ کو را زبونِ[2] فرماں بود / رازپوشیدنش نہ شایاں[3] بود

گفت گر بایدت کہ بے کم و کاست / ہرچہ پرسی زمن بگویم راست

عہد و سوگند درمیاں آید[4] / کیں خزینہ ز بند نکشاید

زن وثیقت نمود و پیماں بست / کہ نیاید[5] بہ قفل بند شکست

آنگہے خواجہ برکشاد زباں / ق / گفت با آفتابِ نوش لباں

کانچہ پرسیدہ شد ز من بدلیل / شکل و ہنجارِ برکشیدنِ پیل

---

[1] اے غالب و مسلط بود ۱۲ [2] اے مطیع او بود ۱۲ [3] ر بجج = نہ ساماں [4] س = باید
[5] ر بجب = کہ نیارد بقفل راز شکست

آنچناں باشدش طریقِ صواب — کہ در آرند کشتی اندر آب
درمیانش نہند پیلِ سترگ — درمقامے کہ رود باشد ژرف[۱]
پس ببینند درمیانہ رود — چہ قدر میرود سفینہ فرود
چوں حدِ آب را کنند نشاں — پیل بیروں کشند پیل کشاں
از گل و سنگ ہم بداں مقدار — تختہ تختہ[۲،۳] کنند کشتی بار
تا خطِ آب بر قرار رسد — واں تری بر نشانِ کار رسد
آنقدر من کہ تا نشاں باشد — وزنِ مقدار او ہماں باشد
وانکہ وزنش کم ست نامفہوم — بیش و کم اندراں شود معلوم
زن ازاں گونہ حکمتے کہ شنید — درعجب ماند و پشتِ دست گزید
آفریں کرد[۴] بر ہنرمندیش — شد بجاں بندۂ خداوندیش
ہر دو باہم بعیشِ جاں افروز — خواب کردند شاد و خوش تا روز
زرگرِ صبح چوں ز کورۂ خاک — موجِ آتش دمید بر افلاک
خواجہ زرگر بسوی دکاں تاخت — بانوی خانہ برگِ مہماں ساخت
آمد آں خواہرِ زنِ بازی باز — بزبانِ فریب ناک دراز
چاپلوسی ز حد فزوں می کرد — در ہر افسانہ صد فسوں می کرد
تا چناں کردش از فریب و غرور — کز دلش گشت بدگمانی دور

---

۱ اے عمیق ۱۲ ۲ ر ج ـ سختہ سختہ ۳ سختہ سختہ یا تختہ تختہ یعنی سنجیدہ سنجیدہ وزن کردہ ۱۲
۴ ر ج ـ گفت

خانه را اعتماد بر وے داشت   وز عزیزانِ صحبتش بنداشت

همه پنهانِ خود کشاد برو   مُهرِ[ل] خویشانِ خود نهاد برو

پیشِ او ریخت هرچه در جاں داشت   جز همان نکته را که پنهاں داشت

هر دو باهم در آمدند بکار   میزباں ساده میهماں طرّار

هر دم آں میهمانِ رنگ آمیز   شکلِ دیگر شدی طلسم انگیز

تا پس از مدتے بزرق و فسوں   آں سخن نیز زو کشید بروں

چوں کلیدِ خزانه کرد بچنگ   قفل برداشت از درِ نیرنگ

رفت در پیشِ جفتِ فتنه سگال   آگهی دادش از مجاریِ حال

مردِ پر غیرت و مخالف رائے   یافت انگیزشِ بلا را جائے

پیشِ شه رفت و حال روشن کرد   دوستی را بکامِ دشمن کرد

گفت کاں پیلِ زر که دانا ساخت   زانچه دادی کم است در پرداخت

من چناں سنجمش درست که شاه   از کم و بیشِ او شود آگاه

شاه گفتا که آں هنر پیوند   نه به تنها اساسِ کار فگند

هیچ دانی که گاهِ وزن و عیار   مشرفاں چند بوده اند بکار

با تو زینساں زغیرتے که فتاد   کینِ او را بقلبِ کاری یاد

مرد گفتا که گاهِ سنجیدن   هم تو دانی فزون و کم دیدن

ل یعنی مُهر اقربا و خویشان با وے محبت کردن گرفت ۱۲

گر کم آید ز دزد بستاں مال — ورنه باداست خونِ بنده حلال

گفت شه کایں چنیں نگارشِ نغز — چوں دهم از شکستنش پا لغز[۱]

در درستش بریں نمط مانیم — وزنِ او نا شکسته چوں دانیم

مردِ حیلت پژوه گفت که من — سنجمش نا شکسته هم بزمن[۲]

پس بهنجار وزن و کشتی وجوی — ق — کز زنِ کارداں رسید بشوی[۳][۴]

همه یک یک بشرح بازنمود — باورش داشت هرکسی که شنود

شه چو در گوش کرد گفتارش — سهل بشمرد سکهٔ کارش

داد فرماں که بار جیست کنید — صدقِ آں ماجرا درست کنید

کارداناں رواں شدند شتاب — پیل بردند بر کرانهٔ آب

پیل سازنده را طلب کردند — روز در چشم او چو شب کردند

بر طریقے که گفت چاره سگال — یافت منزل بکشتی آں تمثال

تختهٔ کشتی از چناں بارے — رفت در زیرِ آب مقدارے

تا بجاے که شد نشانِ تری — نقش بستند در دلِ هنری[۵]

وانگهے پیل در بروں بردند — سنگ در جای او دروں کردند

سنگ سنجیده در ترازوی کار — می فگندند من بمن مقدار[۶]

---

۱ نقصان ۱۲ ۲ اے همیں زماں ۱۲ ۳ ب = بروے ۴ ج = بدوے

۵ هنرے بیای نسبت مراد حسن زرگر اے حسن را معائنه کنانیدند وگفتند که ایں نشان تری را ببیں و یاد دار ۱۲

۶ ب ج = بشمار

چوں آں نہ صدمنش شمار رسید | تری آب بر قرار رسید
زاں ہزارش[۵۱] کہ سکۂ داشت اساس | صدمنی بود کم بوزن و قیاس
مرد صناع را بعقلابی[۵۲] | دست بستند بہر بے[۵۳] آبی
ہمچناں بستہ پیش بردندش | با میانانِ شہ سپردندش
شہ ازو باز جست قصۂ حال | او نیامد کم از جواب[۵۴] و سوال
گفت کاری نہ از رہِ دزدی ست | لیکن از ننگ و نام کم مردی ست
صدمنے بردم از ہزار منت | گر ببخشی زکوٰۃِ جان و تنت
ورنہ اینک نہادہ ام بر جائے | بہر ایں روز در درونِ سرائے
تا ببینم کہ ایں نگارش چیست | کس تواند کہ برکشد بدرست
ہر کہ داند بوزنِ او ہنجار | من بشاگردیش کنم اقرار
وانکہ نتواندش کہ برسنجد | سازِ آں در دلش کجا گنجد
داشتم چشم انتظار بسے | وزنِ آں سکہ در نیافت کسے
تا من آں دخل صدمنے کم و بیش | مزد آں دانش آرمش در پیش
ایں نفس ہم زمن بروں افتاد | تا مخالف بآزموں افتاد
من چو زیں پردہ برکشادم راز | پردہ پوشی چرا کند غماز
من چو از گفتِ خود گنہ گارم | ہرچہ بر من رود سزاوارم

---

۵۱ رس = ہزار یکہ ۵۲ بسبب دغابازی ۱۲ ۵۳ بے آبروئی ۱۲
۵۴ یعنی او ہم بدلیری جواب داد ۱۲

شاہ فرمود تا خزانۂ او | در خزانہ رود خزانۂ او

کارداراں شتافتند چو باد | باز کردند خانہ را بنیاد

آں زر و گنجِ دیگر از کم و بیش | ہمہ بردند شاہ را در پیش

شہ فرستاد در خزانۂ خاص | پس طلب کرد خواجہ را بقصاص

بود میلے[1] ز شہر یک فرسنگ | از فرودش[2] فراخ و بالا تنگ

صد گز از خاک بر کشید بلند | ہر سرش آہنیں زردبان و کمند

شہ بر آنکس کہ خشمناک شدے | بردی آنجاش تا ہلاک شدے

نرسیدیش چوں خور و آشام | چند روزے شدیش کار تمام

بر حسن چوں بخشم شد رایش | ہم در آں میل ساخت ماوایش

داد فرماں کہ ہم بریں زبرش | برکشند و زنند قفلِ درش

بستہ شد روزنے کہ ہر جا بود | جز ہماں روزنے کہ بالا بود

او بروزن نشستہ با دلِ ریش | چشمِ حیرت کشاد در پس و پیش

زیر و بالا نظارہ میکرد | با خود اندوہ و حسرتے میخورد

دید شخصے کہ میرسد از دور | ہمچو پروانہ در زیارتِ نور

آمد آہستہ بے رفیق و دلیل | گام برگام تا بپائۂ میل

چوں نگہ کرد خواجہ یارش بود | زنِ نادانِ خام کارش بود

---

[1] میل یعنی منارۂ بلند ۱۲ [2] یعنی از پائیں پہنا ور و از بالا تنگ ۱۲

آمد و ناله بر کشید بلند — گریه میکرد و روے و مومیکند

خواجه گفتا که رفت چوں تقدیر — سود کے دارد ت فغان و نفیر

شاندنا دانیت[۱] بدیں روزم — تا کشد روزِ بد بدیں سوزم

چوں بجاں اوفتاده کارم خاص — کوشم اکنوں بجاں براے خلاص

آنکه هست ایں شکنجه محکم ازو — هست امیدِ رہائیم ہم ازو

رنجه کن سوے شهر گامے چند — سیرے ابریشم آر و سیرے قند

زن چو دانست کاں بلند مقام — نکند جست و جوے نافرجام

رفت آں هر دو را هم اندر پے — بستد و باز شد بجانبِ وے

چوں نگه کرد خواجه از بالا — که زنش در رسید با کالا

دادش آواز و گفت بر سرِ تار — پارهٔ قند کن بزودی بار

ده بمورے که میرود بر میل — تا ببالاش می برد بتعجیل

رشته را زو دزودی کن باز — کز نشیبش کشد بسوے فراز

همچناں کرد زن که او فرمود — داد رشته بمور - مور ربود

راند بالاے میل تار کشاں — رسنِ فتنه بر حصار کشاں

چوں بنزدیکِ رخنه برد بزور — ریسماں[۲] را کشید خواجه ز مور

گفت هاں زود کن بیار شتاب — قدرِ صد گز طنابِ محکم تاب

---

۱ اے بنشاندند ۱۲ ۲ جب = رشته را در ربود

زنِ کار اوفتادہ باز بتفت[1] — زاں خرابہ بخانہ خود رفت
رشتہ را زاں نمط کہ دانا بود — خود بخانہ درش مہیا بود
بستد از گنج خانہ پنہانے — راہ برداشت سوی ویرانے
چوں بشتاباں بمیل باز رسید — سازِ[2] چارہ بچارہ ساز رسید
خواجہ تارے بریشم از بالا — ہشت چوں سلکِ لولوی لالا
گفت پیوستہ کن سرش بطناب — خم و پیچش کشادہ دار ز تاب
زن سرِ رشتہ زد گرہ بر تار — او کشیدش بحیلہ و ہنجار
چوں سرِ رشتہ بر دبر سرِ میل — گشت مستورہ را بچارہ دلیل
گفت بربند خویش را برسن — تا برآئی بسک[3] ببامِ حسن
گفت زن چوں تو نائی اندر زیر — ق — گشتی از جان و زندگانی سیر
منکہ ایں رنجم از برائے تراست — بر زبر بردنم ز بہرِ چراست
خواجہ گفتا کہ تا شود معلوم — کہ حسابم دریں خرابہ شوم
زن برآں گفتہ استواری کرد — گریہ با فغان و زاری کرد
در کمر گاہ چست کرد رسن — تا کشد خویش را ببامِ[4] حسن
او ز بالا طلسمِ دیگر داشت — با عروس انتقام در سرِ داشت
حلقہ بود آہنی در سنگ — محکم و سخت نے فراخ و نہ تنگ

---

[1] اے برگشت ۱۲ [2] ساز بمعنی اسباب و چارہ بمعنی علاج و از چارہ ساز مراد خواجہ حسن زرگر ۱۲
[3] عجب = وسے [4] حس = بسلک

سر رشتہ در وکشید نخست | ہم در آں رشتہ کرد خود را چست

لنگرے[۵۱] نیز کرد با خود بار | وانگہے شد معلق از دیوار

بار چوں سوئے او گرانی یافت | رسن از سوے زن روانی یافت

میہماں شد صنم بمیلِ بلند | رفت در زیر میزباں بکمند

زاں طلسمی کہ کرد مردِ دلیر | مہ زبر شد عطارد[۵۲] آمد زیر

زن بر آورد ز آسماں فریاد | گفت کز چیست بر من ایں بیداد

درِ زندانِ فتنہ بشکستی | خود ز زنداں شدی مرا بستی

گر بدانم کہ من گنہگارم | گر کنی زیں بتر سزاوارم

ایں چہ بدمہری و ستمگاری ست | جورِ یاراں نہ از رہِ یاری ست

چہ خلاف از مزاجِ من دیدی | کیں ستم بر سرم پسندیدی

باز گو آمد از زمن کارے | تا شکایت ز خود کنم بارے

خواجہ گفتا کہ ہر چہ پیش آید | آدمی را ز فعلِ خویش آید

گر ندانی تو رنجِ پنہانم | منکہ خوں خوردم از تو میدانم

گر تو بیگانہ را بسنجشِ پیل | رہ نمونی نکردۂ بدلیل

وانچہ من زآہی زدم نفسے | آشکارا نکردہ ام بکسے

من چرا در چنیں جنازۂ شوم | کردمے نالہاے زار چو بوم

---

۵۱ یعنی حسن اندکے بار ہم ہمراہ خود بآں رشتہ بست ۱۲ ۵۲ یعنی زوجہ حسن بالا رفت و حسن فرود آمد ۱۲

زن چو کرد آں فسانہ را در گوش — گنہ از خویش دید و گشت خموش

دل بہ تسلیمِ کردگار سپرد — ماند بیخود فتادہ گوئی مرد

واں رسن تاب بوالعجب پیشہ — باز رست از طنابِ اندیشہ

رفت و بنہفت رخ بگوشۂ شہر — تا چہ پیدا شود ز گردشِ دہر

واں پری شب درآں نشیمنِ دیو — ہمچو دیوانہ می نمود غریو

روزِ دیگر ز بہرِ ہیزم و کاہ — مردماں را فتاد زاں سو راہ

کرد ناگاہ زاری و فریاد — ہر کسے سوئے او دوید چو باد

زہرہ دیدند برج گیر شدہ — اخترے در وبال اسیر شدہ

ماند یوسف رخے بزندانے — نازنینے بچنستانے

باز جستند زو حکایتِ حال — او شد از راہِ خود فسانہ سگال

قصۂ حالِ خویش و حیلۂ شوئے — و آنچہ آمد ز روزگار بروئے

واں بدشمن کشادہ کردن راز — در فگندن رفیق را بگداز

واں رسن بازئے کہ کرد رفیق — حبسِ او در خلاصِ خود بطریق

ہر کہ بشنید دست بر سر ماند — و ز طریقِ خلاصِ او در ماند

کس نیارست کز رواق بلند — بندیٔ شاہ را کشاید بند

ہر کسے چوں بشہر رفت ز راہ — زاں حکایت خبر رسید بشاہ

کاں ہنرور بہ بہتریں رائے — کرد زاں گونہ زیر و بالائے

این نمودار زر کہ بنمودم | کیمیاے بس براندودم
تا چو بیننده زرگرم داند | کیمیا کاریم نہاں ماند
واں خیانت کہ کردم اندر مال | نہ مرادم ذخیرہ بد نہ منال
بود مقصودِ من بعقل و دلیل | آزمونِ کساں بسنجشِ پیل
چند گاہے نگاہ می کردم ق | چشمِ فکرت براہ می کردم
کہ کسے دارد آں قدر فرہنگ | تا شود سرکشاے این نیرنگ
چارۂ آں زکس نگشت پدید | تا ہم از من بروں فتاد کلید
شاہ زانجا کہ رسمِ داد نمود | بہ ہلاکم سپرد و برحق بود
ہر کجا قلب کار دزد بود | گر سیاست کنند مزد بود
واں کہ من از طریقۂ رنداں | زندہ خود را کشیدم از زنداں
واں زنِ بد کہ قفلِ راز شکست | خویشتن را کشادم او را بست
غرض آں بود کیں طلسمِ شگرف ق | چوں رسید پیشِ شاہ حرف بحرف
بازپرسد زمن نہانیِ من | گردد آگہ زکاردانیِ من
گر شہم برگنہ قصاص کند | مملکت را بعدل خاص کند
ور گناہم ببخشد و جاں نیز | کرم و عفو بہتر از ہمہ چیز
داشت شہ نیز مہربانیِ او | [1] از چہ زافسون و کاردانیِ او

---

[1] از چہ بطریقِ سوال واقع شدہ واز افسوں و کاردانی او جواب یعنی از کدام سبب بادشاہ خیالِ مہربانی نمیداشت بسبب دیدنِ افسوں و کاردانیِ خواجہ حسن زرگر ۱۲

گفت بارے ببخشمش این بارش — تا ببینم نهایتِ کارش

آنکه کردارِ بد روا بیند — خود ز کردارِ خود سزا بیند

در بود در هنر ستوده اثر — برخورد هم ز مال و هم ز هنر

شه ز اندیشهٔ چنیں خورسند — بعد ازانش خلاص داد ز بند

در صفِ خدمت اختصاصش داد — شغلے از شغلهاے خاصش داد

چند گه از کفایت و تدبیر — پایهٔ والاش گشت پیشِ سریر

از خرد کارش آں روائی یافت — کز ملک شغلِ کدخدائی یافت

تا بدانی که هر کرا خرد ست — آرزوهاش در کنارِ خود ست

وانکه زر سنجی از پے دگراں — از زرِ خود نهاد گنجِ گراں

چوں بزر داشت نسبت از عامه — رنگِ زر تازه کرد بر جامه

روز و شب با خود آں نشانی داشت — جامه را رنگِ زعفرانی داشت

زر که اکسیرِ کامرانی یافت — عزت از رنگِ زعفرانی یافت

زعفرانی عجب تریں رنگ ست — گونهٔ عاشقانِ بے ننگ ست

بنگر آں زر که زعفرانی نیست — در عیار آنچناں که دانی نیست

آفتابے که آسماں دارد — زینت از رنگِ زعفراں دارد

در مزعفر فزائشِ طرب ست — خندهٔ زعفراں ازاں سبب ست

شاه را چوں نگارِ شکر خاے — ق — زعفراں وار شد نشاط افزاے

در برآورد شاہ زرد قباش زعفراں سائے گشت برحلواش

مجلس آرستنِ بہرام روزِ دوشنبہ در بہشتِ چہارم بہ گنبدِ ریحانی باماہِ سبز رنگِ سقلابی[سہ] ولباسِ خضر پوشیدن وسلسبیلِ حیات نوشیدن

در دوشنبہ کہ چرخِ ریحاں پوش داد گل رانشاط مرزنگوش[لہ]

کرد خسرو چو سبز پوشی رائے گشت رخشاں چو ماہِ سبز قبائے

راند باہمنشینِ روحانی سوئے گنبد سرائے ریحانی

باز برگِ نشاط ساختہ شد بربطِ خوش دلی[عہ] نواختہ شد

غمزہ زن گشت ماہِ سقلابی فتنہ را داد شغلِ بےخوابی

مجلسِ عیش وکامرانی بود تا بشب دورِ دوستگانی بود

چوں شبِ تیرہ گشت گوہر سنج در زمیں در شد آفتاب چو گنج

شاہ مست وحریف ہم سرمست رفت بیروں عنانِ ہردو زدست

گفت فرماندہ سریر بلند کہ شکرلب زپستہ ریزد قند

گوید افسانۂ کزاں گفتن در شبِ تیرہ خوش تواں خفتن

لہ مرزنگوش نوعے از ریحاں ست کہ خوشبو باشد ۱۲ عہ س = خوش نوا

سہ سقلاب بالفتح ولایتے ست از ترکستان بمنتہاے روم کہ مردمان آنجا بحسن صورت مشہور اند ۱۲

لعبتِ سیم با ہزار نشاط — سو رخ را بپائگاہِ بساط

گفت شاہا جہاں بکامِ تو باد — وز[1] جہاں ہر چہ ہست رامِ تو باد

ہر کہ بد بیندت چو بد بیناں — دوزخی باد ہمچو بے دیناں

تحفۂ من کہ خاکِ راہ بود — کے سزاوارِ بزمِ شاہ بود

لیک زانساں کہ خسرواں دانند — بندگاں را بزرگ گردانند

من ہم آنچہ از فنون و کم دانم — چوں ملک مُکرِمست برخوانم

چوں بپوزش تمام کرد سخن — ق — گفت وقتے بروزگار کہن

افسانہ گفتنِ سبزپوشِ سقلابی

بود فرماں دہے بہندوستاں — شہر و کشور ز عدلِ او بستاں

ہر چہ در خسروی بکار بود — ق — کہ بداں ملک بر[2] قرار بود

داشت از مردی و جہانداری — خاصہ آئینِ میہمانداری

ساختہ میہماں سرائے خوب — یک بیک[3] سازِ او ہمہ مرغوب

ہر غریبے[4] کہ آمدے از راہ — در فرودیش ناز و نعمت و جاہ

باز جستے از و عجائبِ دہر — وز ہنرہائے او گرفتے بہر

تا رسید از قضاش مہمانے — خوش جہاندیدۂ و ہنر دانے

---

[1] جب = در [2] رجب = را [3] یعنی تمام ۱۲ [4] اجنبی مسافر ۱۲

جادوی گر دمِ فسوں پرداز — مرده را جاں به تن کشیدی باز
شاهِ مهماں نواز خواندش پیش — دلنوازی نمودش از حد بیش
چوں بپرداخت[۵۱] زارجمندیِ او — جُست بهره ز بهره مندیِ او
مردِ دانا ز شرمساریِ جود — داد بیروں هر آنچه در دے بود
زانچه میکرد شاه را آگاه — بیش ازاں گشته بود حاصلِ شاه
تادم از نکته‌ها[۵۲] ے جانی رفت — سخن از مرگ و زندگانی رفت
شاه گفت آنچه در جهاں هنرست ق — کآدمی زاده را براں گذرست
از هنر پروراں بخشش و برگ — کسب کردم مگر که چارهٔ مرگ
چوں نبود ایں کلید بر مردم — بسته ایں در بچار ها کردم
زیں سخن ره روِ بیابانی — زیرِ لب خنده کرد پنهانی
شاه گفت اے خرد بجانِ تو جفت — سببِ خنده باز باید گفت
شد مسافر بحیله عذر اندیش — که شود پرده پوشِ خندهٔ خویش
غنچه[۵۳] گه باز کرد و گه پیوست — آنچه بشگفته بود باز نه[۵۴] بست
چوں دمِ عذر دلپذیر نبود — گفت چیزے کزاں گزیر نبود

---

۵۱ یعنی شاه چوں از تعظیم عزت دادن مهمان فارغ شد ۱۲ ۵۲ اے شده شده سخن در ذکرِ جاں افتاد ۱۲

۵۳ مراد از غنچه دهن باشد یعنی لبهاے خویش را از خنده باز کرد و بار دیگر فرو بست لیکن خنده بر حالیکه دلالت کرده بود آں را نهفتن نتوانست ۱۲

۵۴ حرس = باز بست

که مرا چوں بجست و جوے هنر ق شرق تا غرب گشته[1] همه یکسر

هر کجا در زمانه نیرنگی ست که پژوهنده را در و رنگی ست

اندک اندک بهر ده و شهرے برگرفتم ز هر یکے بهرے

تا رسیدم باوستادے چست که دم از نقلِ روح زد بدرست

بفسوں جانِ خود[2] بروں کردے در دگر کالبد دروں کردے

عمرے از خلق روے پیچیدم خدمتش را بجاں بسنجیدم

تا چناں شد ز شرمسارئ من کایں فسوں داد یادگارئ من

هر چه من زو گرفته ام تعلیم گر تو جوئی ترا کنم تسلیم

شاه گفتا[3] که بارے اوّلِ کار آزموئی ببایدم ناچار

مگسے را بکشت خواجه بتفت[4] از خود آمد بروں و دروے رفت

قالبِ مرده بر زمیں افتاد در زماں آں پرید و ایں افتاد

قدرے کرد سو بسو پرواز باز در قالبِ خود آمد باز

خفته برخاست از زمیں خنداں ماند بیننده دست در دنداں

گفت اگر آگهی[5] دهی زیں حرف یادگاریم باشد از تو شگرف

و آنچه من دارم از جواهر و گنج همه[6] را پیشت آورم بے رنج[7]

---

[1] ج ب ر س = گشته شد یکسر [2] س = زتن [3] ح = گفتش

[4] تفت بمعنی گرم و اینجا بمعنی شتاب و جلد ۱۲ [5] ر ج ب = آگهم کنی [6] ر ج ب = نیمهٔ

[7] یعنی بیدریغ ۱۲

گفت دانا که زر کدام خس ست   هنرِ من مرا خزینه بس ست
آنکه[۱] او کیمیائے جاں دارد   زر چه باشد که دل بدان[۲] دارد
عهد کردم که بے توقعِ خواست[۳]   در تو آموزم ایں هنر که مراست
کارِ نزما چو عهد محکم کرد   کاردانش[۴] بکار محرم کرد
در وے آموخت آں فسوں سازی   تاش بازی نمود و جاں بازی
پس زدانش بآزموں آمد   جیفهٔ جست و در فسوں آمد
بفسوں جانِ خویش دروی بست   ایں زپا او فتاد و او بنشست
سخنے گفت و جا بنے برگشت   کآزمونش بصدق باور گشت
پس دُر خود بدُرج[۵] باز نهاد   دیده[۵] بر پائے سحر ساز نهاد
راه رو رفت و شاهِ دولتمند   داشت پوشیده رازِ خود یک چند
پس باندیشه گفت با دلِ خویش   که چه حاصل مرا ز حاصلِ خویش
چوں زمن بهرهٔ بکس نرسد   نفسے سوئے هم نفس نرسد
شمع باشد هنر که چوں افروخت   زاں یکے صد چراغ بتواں سوخت
حیف باشد که اینچنیں هنرم   کس نیاموزد و بخاک برم
تا بوقتے که دل نماند صبور   راز بیروں فگند با دستور[۶]
چند گهه ایں خیال می سنجید   ویں هنر در دلش نمی گنجید

---

۱ ر = هر که   ۲ حرص = برآں   ۳ مراد از خواست مال باشد ۱۲   ۴ ضمیر شین راجع بسوے شاه ۱۲   ۵ یعنی باز جان خود در جسد خود آورد ۱۲   ۶ وزیر ۱۲

دروے آموخت رمزِ جانی خویش | خاص کردش برمزِ دانی خویش

روزی از قلب[1] گاہ در نخچیر | دور ماندند بادشاہ و وزیر

شاہ صیدے بہ تیر کرد ہلاک | خواست بندد بگوشۂ فتراک

گفت دستورِ خارج اندیشہ | ق | کاے ہنر پرور و خرد پیشہ

صید مردہ است و صید گہ خالی | سیمیائی ہنا بمن حالی

شہ ندانستہ بود کآں بد عہد | در نہاں برخلاف دارد جہد

او[2] شد از قالبِ گرامی دور | گرم در شد بقالبش دستور

بر فرس جست و راہ پیش گرفت | دامنِ اختیارِ خویش گرفت

لشکر از ہر طرف فراز آمد | شاد و خنداں بخانہ باز آمد

در حرم رفت و کامرانی کرد | با بتے چند ہرچہ دانی کرد

ہر صنم کاندراں شبستاں بود | خدمتش را چو زیر دستاں بود

جز یکے نازنینِ کار آگاہ | کآگہی داشت از حکایتِ شاہ

ساز کردی چو شہ عزیمتِ خویش | آں صنم[3] حاضر آمدی در پیش

رفت چوں سوی آں حرم دستور | ق | تا خورد آبِ کوثر از لبِ حور

بنشاطِ تمام بانو | بر سرِ تخت گشت ہم زانو

بے ادب وار بر دسویش دست | صنم از جاے خویشتن برجست

---

[1] س = صیدگاہ   [2] س = شہ   [3] رنجب = پری

هم بهنجارِ کارِ او دریافت — کآں خزانه متاعِ دیگر یافت

خواجه چندانکه بیش زاری کرد — دل بانو کم استواری کرد

گفت گر خوں فشانی از تنِ من — نرسد دستِ تو بدامنِ من

لیک چندے صبور باید بود — تا چه پیدا کند سپهرِ کبود

گر بدانم که تو هماں شاهی — با تو باشم چنانکه می خواهی

ور تو افسونِ او برو بستی — دستِ خود باز کش ز همدستی

گر بنظّاره می شوی خرسند — بس بود سایهٔ ز سروِ بلند

ور بر آهو زنی طپانچهٔ شیر — جفتِ من آتش ست یا شمشیر

چوں نگه کرد خواجه کآں مه روے — هست صادق بحق گزاریِ شوے

آفریں صد هزار بر وے خواند — هم بچشمے زد و رفت الغ ماند

واں طرف آهوے بیاباں[له] گرد — راند با آهوانِ دشت نورد

جست میزد بهرِ چراخواری — در جگر سوز و در دل آزاری

گردِ هر کوه و دشت و ویرانی — هیچ خوردش نه جز پشیمانی

روزے اندر سوادِ صحرائے — پویه میزد چو بے سر و پائے

دید افتاده طوطئے بگذر — سبز تر در میانِ سبزهٔ تر

گرم زآهو نهاد بیروں پائے — ساخت اندر نهادِ طوطی جائے

له اے پادشاه که در کالبد آهو بود ۱۲

جانِ شیریں بداں شکر خا داد　　خضرے را دمِ مسیحا داد
در ہوا رفت و گشت در پرواز　　تا شود سوے شہرِ خویش فراز
فوجے از طوطیانِ دشت گراے　　گرد گشتند بر وے از ہر جاے
چوں بدانش بزرگ دیدندش　　بر سرِ خویش برگزیدندش[1]
صید سازے بروضہ چو بہشت　　دامے افگندہ بود بر سرِ کشت
فوجِ طوطی بسبزہ شد ز ہوا　　سبزہ بر[2] سبزہ برکشید نوا
آگہی شاں نبود تا صیّاد　　رشتۂ دام را شکنجہ نہاد
بود صیّاد تشنہ در تف[3] و تاب　　آب جویاں بجوے رفت چو آب
داد مرغِ مہیں بیاراں پند　　کہ نمی بینم ایمنے زیں بند
زیں گزندی کہ راہ در جاں یافت　　جز بمردن خلاص نتواں یافت
صید[4] گر تا بخونِ صید نتاخت　　خویش را زو دمردہ باید ساخت
پیش ازاں باید اینچنیں مردن　　بو کہ زیں فتنہ جاں تواں بردن
ہمہ گفتند کانچہ فرمائی　　کردنی شد بجان و بینائی
گفتِ تو حرزِ جانِ خویش کنیم　　گر نمیریم چشم[5] پیش کنیم
ہمہ خفتند و مرغِ کارگزار　　ماند برپا بکارِ خود بیدار
مردِ صیّاد چوں رسید فراز　ق　تا سرِ دام را کشاید باز

---

[1] یعنی افسرِ بادشاہ خود کردند ۱۲　[2] حرس = در　[3] حس = تب　[4] صیّاد ۱۲
[5] یعنی ہمچو مردگان چشم بند کنیم تا اثرِ حیات پیدا نگردد ۱۲

دید کز صد خضر کہ پنہاں داشت ۔۔۔ یک خضر بود کآبِ[۱] حیواں داشت

ماند حیراں کہ ایں چہ شاید بود ۔۔۔ مگر از خود ہر ایں شاں بر بود

دام را باز کرد و ریخت بروں ۔۔۔ طوطیاں را بجاکِ طوطی گوں

بر پریدند مردگاں بہوا ۔۔۔ زندہ[۲] از دام بر کشید نوا

گفت صیاد را کہ دل خوش دار ۔۔۔ زیں زیاں سینہ نامشوش دار

ہر چہ حاصل شدی از ایشانت ۔۔۔ من بہ تنہا دہم دو چندانت

طوطیِ داں مرا بد[۳] انائی ۔۔۔ کہ کنم[۴] در سخن شکر خائی

طوطیاں گر شکر خورند و نبات ۔۔۔ خضرم من کہ ریزم آبحیات

مرد چوں گوش کرد گفتارش ۔۔۔ خیرہ ماند از شگرفیِ کارش

دام بر دوش کرد و راند بشہر ۔۔۔ تا ز بختِ خودش چہ باشد بہر

شد خراماں میانِ بازاری ۔۔۔ تا کند تحفہ را خریداری

دید کآمد میانۂ بازار ۔۔۔ شاہدے ہمچو صد ہزار نگار

زلفِ مرغول[۵] عنبر آلودہ ۔۔۔ ہندو[۶] آسا بگل در آمودہ

نرگسش از کرشمہ شور انگیز ۔۔۔ کشتہ عشاق را بغمزۂ تیز

ناگہاں در رسید تیز آہنگ ۔۔۔ پس بصراف زادہ زد بجنگ

---

[۱] آب حیواں داشتن زندہ ماندن ۱۲

[۲] اے بادشاہ کہ در قالب طوطی بود ۱۲

[۳] رجب = بگویائی

[۴] درس = کند

[۵] مرغول بروزن مقبول بمعنی پیچ و تاب موے پیچیدہ ۱۲

[۶] جب = ہمچو ہندو

گفت دیدم[1] من امشب اندر خواب — با تو خوش بوده ام بنقل و شراب
بامن اندر نشاطِ جاں افروز — ہمہ شب کام راندہ تا روز
باچنیں نیکوئی کہ من دارم — مزدِ شب شد ہزار دینارم
گر بلطفم دہی کرم دانم — ورنہ من[2] خود بعنف بستانم
چوں[3] ازیناں بسے فسوں آورد — پورِ صراف راز بوں[4] آورد
درز داں شوخ چنگ در دامن — خلق گرد آمدہ بہ پیرامن
باز میگفت ہر یک از کم و بیش — سخنے بر قیاس و دانشِ خویش
حجتے کس چناں نداشت درست — کہ شود دعویِ مخالف سُست
ماندزاں گونہ در عجب صیّاد — کہ ز صید خودش نیامد یاد
تیز[5] شد طوطی ہنر پرداز — داد صیادِ خویش راآواز
گفت کاں ہر دو را بسوی من آر — تا بآسانی آید ایں دشوار
مردِ صیاد کاں حدیث شنود — ہر دو را خواند پیشِ طوطی زود
در دویدند ہر دو مشغلہ ساز — باز گفتند پیشِ طوطی راز
گفت کز ہر دو سوی باشد عہد — کہ ز انصاف نگذ زند بجہد
ماجرا را چناں شوم دستور[6] — کیں غبار از میانہ گردد دور

---

[1] رجب = گوئی [2] س = از تو بزور [3] جب = زن کز ینساں [4] اے عاجزو لاجواب کرد ۱۲ [5] رجب = طرہ [6] دستور بمعنی ضابطہ و آئین یعنی انصاف ایں مقدمہ چناں بآئین کنم ۱۲

در سه‌شنبه که صبحِ لعل و سپید ق رنگِ گلنار بست بر خورشید

شاهِ بهرامِ گور چون بهرام[1] گشت گلنار گون بجامه و جام

عزمِ گنبد سرای گلگون کرد وز دل اندوهِ دهر بیرون کرد

لعبتِ تنگ چشمِ تاتاری آمد از غمزه در جگر خواری

بر میان چست کرد گیسوی تر موی[2] را هم زموی ساخت کمر

خدمتِ شه بآرزو میکرد شاه میدید و آرزو می‌خورد

همه روز آن طرب مهیا بود کشتیِ باده همچو دریا بود

شب چو پروین نمای گشت سپهر ماه بر خویش بست زیورِ مهر

داد فرمان خدایگانِ سریر کاید آن ماه روی در تقریر

بفسون دُر[3] فسانه چو نبات مغزِ شه تر کند بآبِ حیات

سجدهٔ بندگی نمود عروس کرد طوطیِ لب چو خونِ[4] خروس

گفت جاوید زی بدولت و بخت زیرِ پایت همیشه پایهٔ تخت

سر که گرد از دوستیِ تو پاک باد در پای دوستانِ تو خاک

چه بضاعت مرا بود در بار که کشم پیشِ شاهِ گیتی دار

لیک چون شاه داد دستوری وا کشایم دمی بمعذوری

له بهرام یعنی مریخ که سرخ بر فلک پنجم تابد ۱۲

که مراد، زموی اوّل کمر و از ثانی موی زلف

واز کمر کمر بند که بهندی آزا پٹکا نامند ۱۲

ته حجب = و ته ن = چشم

شرط و پیماں درست شد ز دو سوے — کہ کس از گفتِ او نتابد روے

طوطی آورد روے در صرّاف — گفت ہاں بدرۂ درم بشگاف

بر شمار آں قدر کہ می گوید — تا چنانش دہم کہ می جوید

چار و ناچار مردِ سیم گذار — بدرہ را باز کرد بہرِ شمار

او درم ریخت از پئے تسلیم — سیمبر خواست تا رُباید سیم

گفت طوطی کہ ایں سخن نہ سزاست — باید آئینۂ کہ گوید راست

کانچہ من دارم اندریں سینہ — نیست اُستادِ من جز آئینہ

داشت آں رشکِ خانۂ جمشید[2] — با خود آئینۂ بہ از خورشید

در زماں بہرِ آں معائنہ را — پیشِ طوطی نہاد آئینہ را

مرغ گفت آنچہ سیمبر درخواست — بر شمارید پیشِ آئینہ راست

چوں درم جملہ در شمار آمد — عکس در آئینہ بکار آمد

کرد اشارت بماہِ شکّروش — کہ زر اینک در آئینہ است بکش

کاں عمل کز خیال گشت درست — مزد نیز از خیال باید جست

زیں تحکم کہ کرد طوطی ساز — ماند حیراں نگارِ شعبدہ باز

در تماشاش خلق پشت بہ پشت[3] — لب گزیدند گاہ گاہ انگشت

گشت نظّارگی چناں بسیار — کز خریدار تنگ شد بازار

---

۱ حرس = قبلہ ۲ قبہ جمشید کنایہ از آتش و اینجا مراد ازاں زن شعلہ رو ۱۲

۳ انبوہ خلایق کہ صف بصف و پس و پیش ایستادہ باشد ۱۲

نازِ صیاد هرچه افزون بود | نرخِ مرغ از قیاس[۱] بیرون بود
تا خبر شد بشهر کوی بکوی | زان شکرخای مرغِ شیرین گوی
حرمِ شه که بود بادلِ ریش | در وفاداریِ مسافرِ خویش
میگذشتش بکنجِ تنهائی | روزگاری بناشکیبائی
غم همیخورد و غمگسار نداشت | مونسی جز خیالِ یار نداشت
چون خبر یافت کز نوادرِ دهر | اینچنین مرغ آمده است بشهر
کرد اشارت که خادمانِ حضور | زود نزدیکش آورند از دور
تا دران بیدلی و بی[۲]تنگی | مونسی باشدش بدل تنگی
پیشوایان شتافتند چو باد | تا ستانند طوطی از صیاد
نقدِ قیمت بکف نهادندش | زانچه میخواست بیش دادندش
آوریدند بهرِ ستانی | طوطی را بشکرستانی
بانوش پرسشی نمود بگفت | او دُر افشاند و این گهری سفت
باشکر لب بصد دل انگیزی | کرد شیرینی و شکرریزی
قفسش ساخت بانو از زرِ ناب | پس در آویختش بحجرهٔ خواب
چون شدی زاندهِ فراقِ ملول | خویش را داشتی بدو مشغول
او بصد لابه در شدیش بپوست | رفتی از روی غبارِ دوریِ دوست

---

۱ جب = شمار   ۲ بے وقاری ۱۲

بامدادے زسازگاریِ بخت | بود تنہا عروس بر سرِ تخت
ہمچو خورشید تافتہ رویش | سایۂ ہم نبود پہلویش
مرغِ زیرک چو دید جا خالی | کرد پیدا نہانِ خود حالی
آفتے کز سریر گردش دور | قصۂ خویش و فتنۂ دستور
واں گرفتن بجرمِ آہو جاے | سبزہ بر سبزہ گشتن آہو پاے
واں پریدن بدشت پیمائی | در صفِ طوطیانِ صحرائی
واں گزیدن بدامِ صید گراں | بندِ خویش و رہائیِ دگراں
واں در آئینہ وانمودنِ کار | سیم را کردنی بعکس شمار
تا بدانجا کہ بختش آنجا برد | کہ دلش در سرِ تماشا برد
نازنیں چوں شنید گفتارش | خوں چکید از مژہ برخسارش
خاست از پیش گاہِ تخت چو باد | بوسہ بر دست و پاے طوطی داد
گفت کاے ہمنشینِ دیرینہ | مرہمِ درد و راحتِ سینہ
ہیچ دانی کہ چند بردم رنج | تا زرویت شدم سعادت سنج
ویں زمانت کہ بامن ست نشست | نیز گوئی کہ نیستی در دست
جفتِ ہر یک بجنسِ وے باشد | آدمی جفتِ مرغ کے باشد

---

(۱) رس = تمنا (۲) رس = دیدم (۳) اے ایں وقت کہ بامن نشستہ نیز گویا در دست من نیستی چراکہ تو در صورت طائر و من بصورت انسان ہستم ازیں سبب اکنوں ہم ہماں جدائیست ۱۲
(۴) رسجب = ہرکس زجنس

مرغ گفت آں در[۱]ے کہ دشمن بست — غم مخور کاں کلید نیز[۲] ہم ہست
چارہ آں شد کہ از دمِ تزویر — خویشتن را دہی براے وزیر
گوئی او را کہ ہر چہ داری کام — بیکے شرط زاں تست تمام
آنکہ جانِ عزیز ہر زمنے — چوں ہمی ریزی از تنے بہ تنے
زیں فسوں دم دہی بدانش — کہ برآری ز کالبد جانش
قالبِ مردہ پیشش اندازی — تا شود ہمدمش بدمسازی
او چو بیروں رود ز خانہ خویش — من درآیم د[۳]ر آشیانہ خویش
نازنیں کیں نویدِ جانی یافت — مردہ گوئی کہ زندگانی یافت
چوں درآمد بوقتِ خود دستور — تا کند ماہ را نظارہ ز دور
خاست سرورِ رواں ز گوشۂ تخت — جاے دادش بنزدِ خویش چو بخت
گفت دستور خیر ہست کہ دوست — بامنِ امروز مغز گشت بپوست
بچہ خدمت چنیں بلند شدم — کہ بدرگاہت ارجمند شدم
کرد زیبا نگار حیلت جوے — بہ تکلف چو شرمساراں روے
گفت بنود کنوں قرار مرا — کادب[۴]ت کرد شرمسار مرا
باز دیدم بدانشش آگاہی — روشنم شد کہ تو ہماں شاہی
لیک یک آزموں دگر دارم — تا ز دل زنگِ شبہ بردارم

---

(۱) حس = درم   (۲) جب = ہست بدست   (۳) حجب = بآشیانہ
(۴) کا ابتا یعنی ادب تو ۱۲

آزموں آنکہ آں مسافرِ چیست | داشت افسونِ نقلِ روح درست

بفسونے زخود بروں رفتی | در دگر کالبد دروں رفتی

آنچہ بایستی اندرو بودی | بازرہ سوے خانہ پیمودی

گرز تو بینم آں چناں ہنرے | تو تہی خاک بر سرِ دگرے

من ہماں بندہ ام بجانِ عزیز | خواہیم جفت ساز و خواہ کنیز

خواجہ گفتش در دل ایں تمنا بود | کآرزومندِ یک تماشا بود

چوں کلیدِ خزانہ یافت بچنگ | از پے گنجِ نسیم شد بے سنگ

پاسخش داد کآنچہ فرمان ست | راضیم گرچہ حکم بر جان ست

چہ متاع ست جانِ خاک وشم | کز دل و دیدہ پیشِ تو نکشم

با تو کو راہواے دمسازی ست | بازیِ جانش کمتریں بازی ست

گو بیارند زود جانورے | تا نمایم نظارۂ ہنرے

نازنیں جست خود دوید چو باد | مرغ آورد و پیشِ خواجہ نہاد

خواجہ گفتش ولے بہنجارے | کہ نیاید بقالب آزارے

وانگہہ آہستہ در فسوں آمد | بفسوں از جسد بروں آمد

رفت در مرغ و مرغ جست زجاے | تنِ بیجاں در او فتاد زپاے

چوں تہی دید شاہ قالبِ خویش | ربک آمد فروز مرکبِ خویش

رفت در ہفت ۱ منظرِ جانی | پنج نوبت زناں بسلطانی

[1] ہفت اندام ۱۲

در زماں مرغ را بخنجر کشت — کشته را بیں که بارِ دیگر کشت

جفتِ خود را درآں وفاداری — کرد چوں مخلصاں ہواداری

بس گرامیش کرد مہر افزود — زاں گرامی ترش که اوّل بود

قدرِ او آنچه داشت افزوں کرد — دیگراں را ز خانه بیروں کرد

بعد ازاں زاں وفا که داشت بدوست — طوطیاں را گرفت در دل دوست

کرد حکمت بطوطیاں تعلیم — سکّهٔ طوطیاں نہاد بسیم

چند طوطی ہمیشه با خود داشت — خویشتن را ز جنسِ شاں پنداشت

کرد چوں طوطیانِ بستانی — پائے تا سر لباسِ ریحانی

سبز ریحانی است رنگے نغز — داد بیننده را طراوتِ مغز

سبزه در باغ رنگِ ریحاں یافت — دیده از سبزه روشنی زاں یافت

شاخِ ریحاں طرازِ نسریں ست — باغ را زیور از ریاحین ست

گلعذارے که خار خار دل ست — خطِ ریحانیش بہارِ دل ست

چوں صنم مست کرد پنہانی — شاه را زاں شرابِ ریحانی

شه فرو خفت و یارِ زیبا ہم — ہمچو ریحان و یاسمن باہم

گلگشتِ بہرام روزِ سه شنبه سوی بہشتِ پنجم و گل افشاندن در گنبدِ گلناری با گلعذارانِ تاتاری و گلابِ گل کرده از بلبله نوش کردن

درسه شنبه که صبحِ لعل وسپید ق   رنگِ گلنار بست بر خورشید

شاهِ بهرامِ گور چوں بهرام[1]   گشت گلنار گوں بجامه و جام

عزمِ گنبد سرایِ گلگوں کرد   وز دل اندوهِ دهر بیروں کرد

لعبتِ تنگ چشمِ تاتاری   آمد از غمزه در جگر خواری

برمیاں چست کرد گیسوے تر   موی[2] را هم زموی ساخت کمر

خدمتِ شه بآرزو میکرد   شاه میدید و آرزو می خورد

همه روز آں طرب مهیا بود   کشتیِ باده همچو دریا بود

شب چو پرویں نمای گشت سپهر   ماه برخویش بست زیورِ مهر

داد فرماں خدایگانِ سریر   کآید آں ماه روی در تقریر

بفسوں دُر[3] فسانه چو نبات   مغزِ شه ترکند بآبِ حیات

سجدهٔ بندگی نمود عروس   کرد طوطیِ لب چو خونِ[4] خروس

گفت جاوید زی بدولت و بخت   زیرِ پایت همیشه پایهٔ تخت

سرکه گرد ز دوستیِ تو پاک   باد در پاے دوستانِ تو خاک

چه بضاعت مرا بود در باره   که کشم پیشِ شاهِ گیتی دار

لیک چوں شاه داد دستوری   وا کشایم دمے بمعذوری

---

[1] بهرام یعنی مریخ که سرخ بر فلک پنجم تابد ۱۲

[2] مراد، زموے اول کمر و از ثانی موے زلف وازکمر کمر بند که بهندی آنرا پٹکا نامند ۱۲

[3] حجب = و   [4] ن = چشم

کرد چوں عذر خواہی از حد بیش ق گفت وقتے زو قتہا زیں پیش

غنچہ کشادنِ بہارِ گلر واز بادہای خوش و بلبل وار افسانۂ عاشقانہ گفتن

پنج یارِ ہنر شناس و جواں — از حدِ مولتاں شدند رواں

زاں یکے بود پادشہ زادہ — از بزرگی بخوردی افتادہ

پورِ بازارگاں بُد آں دگرے — مایہ بیش و قماش بیشترے

سومیں بود نقب گیری چست — کاہنش بیخِ کوہ کردی سست

شخصِ[۵۲] چارم درو دگر اُستاد — مو شگافے بہ تیشۂ فولاد

پنجمیں بود[۵۱] باغبانِ شگرف — کہ بگل یافتے حکایت و حرف

پورِ بازارگاں بلطف و نواخت — گاہ بیگاہ برگِ شاں بیساخت

ہمہ باہم موافق و دمساز — در حدِ کامرو[۵۳] شدند فراز

کارواں زاں زمینِ مشک سرشت — سوی شہرے گذشت ہمچو بہشت

در سوادے بتازگی چو بہار — خیمہ بر کرد کارواں سالار

واں جوانانِ نغز گام بگام — می نوردند گردِ شہر خرام

بتماشاے باغ و سبزہ و جوی — قدمے میزدند سوے بسوے

---

۵۱ جب = بود ۵۲ ح = شخص ۵۳ کامرو ولایتے ست در اقصاے بنگالہ ۱۲

تا تماشا کناں دراں پروانہ | سوی بتخانہ شدند فرزانہ
منظرے بود برکشیدہ بلند | چشم بندِ ہزار صورت بند
نقشبندانِ بابوے فرہنگ | نقشِ مانی تراش کردہ ز[۱] رنگ
ہر نگارے چناں بزیبائی | کہ درو خیرہ گشت بینائی
نقش بیناں کزاں طرف راندند | در تماشاے او فرو ماندند
زانہمہ نقش ہائے جاں آویز | گشت در پیکرے نظرہا تیز
کہ بحسن از قیاس بیروں بود | وز دگر ہا بصنعت افزوں بود
از نگارے نمونہ پیکرِ او | کامرانی[۲] نوشتہ بر سرِ او
بت کزاں ماہ رونشانی داشت | ماہ رو نام کامرانی داشت
در زبانہاے ہندواں بہ سخن | کام[۳] عشق آمدہ است رانی زن
در تماشاے او[۴] بہ زیبائی | خیرہ می گشت نورِ بینائی
چشمِ بینندگاں دراں پرکار | ماند حیراں چو صورتِ دیوار
بیخودی در دماغ شاں رہ یافت | عاشقی دستِ صبر کوتہ یافت
ہیچ دل گرچہ بے غبار نہ بود | لیک شہزادہ را قرار نہ بود
زلفِ شب تا حجابِ نور نگشت | چشمِ او زاں نظارہ دور نگشت

---

۱ ب = بسنگ   ۲ بر سرآن بت سنگی لفظ کامرانی نوشتہ بود ۱۲
۳ یعنی بزبان ہندواں کام عشق را و رانی زن را می گویند ۱۲
۴ جب = ز

شب چو بتخانهٔ سپهر[۱] کبود | صد هزاران بت از هوا بنمود

خواستند آن مسافرانِ ملول | که خرامان شوند سوئے نزول

همه را دل بسوئے منزل بود | جز ملک زاده را که بیدل بود

گفت ما را شد اختیار ز دست | وائے دستے که رفت کار ز دست

نقشِ این سنگ دل ز دستم برد | شد برین سنگ شیشهٔ من خرد

تا نیفتاد[۲] جانِ من به زوال | جانِ من بعد ازین و این تمثال

یا درین نقش گم شود نفسم | یا ببر[۳] کارِ اصل باز رسم

همهان زین حدیثِ بی سر و پائے | بی سر و پا شدند هم بر جائے

پند دادند و جائے پند نبود | هر چه گفتند سودمند نبود

عاشقی چون ز دل برآرد جوش | در نگنجد نصیحت اندر گوش

همه زان داوری زبون ماندند | و اندر آن بقعه شب درون ماندند

وان گرفتارِ سنگ با دلِ تنگ | چشم بر هم نزد چو لعبتِ سنگ

صبح چون پرده بر جهان بدرید | جامه بر خود چو عاشقان بدرید

ماند عاشق ز خوردنی بے بهر | همنشینان روان شدند بشهر

تا بجویند کاردانے چست | کین گره را کلید داند جست

کوی بر کوی میشدند شتاب | سینه پر آتش و دو دیده پر آب

---

۱ انجمهائے فلک ۱۲ ۲ اے تا وقتیکه جانِ من نیفتد یعنی مرگ نمی آید ۱۲

۳ حاصل بیت اینکه یا بمیرم یا از وصل شاهزادی لذت گیرم ۱۲

آں چناں شہر چوں بہارستاں — نزدِ[1] شاں می نمود خارستاں

ازکساں باز جست[2] می کردند — رازِ صورت درست می کردند

تا درآں جستجو کہن پیرے — داد شاں را کلیدِ تدبیرے

گفت کاں صورتِ چو گلشنِ تر — ق — کہ چو لالہ ز سنگ بر زدہ سر

نسخۂ[3] نازنینِ ایں شہرست — کز خشش چشمِ خلق بے بہرست

غرفۂ کردہ انداز[4] یک چوب — ہم زآسیب دور ہم زآشوب

او درآں مہدِ آسماں پیوند — چوں ستارہ بر آسمانِ بلند

کس نہ پہلوی آں بہشتی روی — جز کنیزے دو نارسیدہ بشوی

چوں ملک فارغ آید از ہمہ کار — عیش را زد باں نہد بحصار

قلعہ گیرد[5] ربتِ حصارے را — گل چنید باغِ نوبہارے را

بادہ نوشد نشاط فرماید — خسپد و خیزد و فرود آید

گل فروشے ست زیرِ منظرِ شاہ — کہ رود سوی آں چمن گہ گاہ

گل برد پیشِ سرو بنشیند — گلِ دیگر ز باغ برچیند

رازِ ایں پردہ ز آشکار و نہفت — داند اما بروں نیارد گفت

گر بود رہ باآشنائیِ او — او برد رہ بروشنائیِ او

---

[1] حجب = پیشِ شاں — [2] تلاش و تفحص ۱۲ — [3] ایں جا از نسخہ مراد نقش تصویر شاہزادی ۱۲

[4] حجب = بر — [5] اے تنگ در بغل می گیرد ۱۲

آں جواناں بر ہمنوئے پیر / باز جستند رخنۂ تدبیر

پرس پرساں برو فراز شدند / چارہ جویاں بچارہ ساز شدند

در نہاں با وے آشنا گشتند / پس بدنبالِ ماجرا گشتند

پورِ بازارگاں چنانکہ تواں / سیم میریخت ہمچو آبِ رواں

گل فروش از عطای رود در رو / برگ چوں گل نہادہ تو بر تو

چوں یقیں گشت شاں کہ پنہانی / بندہ شد زال زاں زر افشانی

باغباں زادۂ ہنر پیوند / بنہ[1] در باغِ گل فروش افگند

او ہمہ روز گل بگل[2] بستی / ویں زبہر نظارہ بنشستی

گل فروش آں بنازنیں بردی / گلشنے پیشِ یاسمیں بردی

آں ہنر گرچہ بود از حد بیش / راز بیروں ندادی از حدِ خویش

تا یکے روز فرصتی دریافت / از بسے گل نمونۂ بر[3] یافت

ہر نمط زاں نمونۂ زیبا / نقش[4] در نقش بست چوں دیبا

داد کیں تحفۂ جہاں افروز / بر آنجا کہ می[5]بروی ہر روز

گل فروش آں بسرو بستاں برد / گلستانے بسوئے گلستاں برد

چوں کہ آں نو بہارِ باغِ جناں / صنعتِ گل ندیدہ بود چناں

---

۱ بنہ بمعنی درخت و بیخ درخت ۱۲ — ۲ اے گل دستہ ساختے ۱۲

۳ طیار نمود ۱۲ — ۴ حجب = پر — ۵ ح = می بری

در تماشای آن زبر تا زیر — ماند انگشت در دهن تا دیر

پس بدو گفت کین نگارش چیست — نیست زانها که کرده بنخست

زانکه زینگونه دستکارِ عزیز — از تو ناید ز هیچ مردم نیز

کیست کین گل نگار کردهٔ اوست — چیست رازی که آن بپردهٔ اوست

پیرزن گفت کارِ کارِ منست — وین گلستان هم از بهارِ منست

از گلی گلشنی کنم درخورد — بجز از من دگر که داند کرد

نازنین گفت اگر زنست این ساز — تو بکن پیشم آنچه کردی باز

کارها چون بآزمون آمد — کارپرداز زان زبون آمد

گفت کز راستی چو نیست گزیر — راستی را برون دهم ز ضمیر

میهمانِ منست برنائے — بغریبی رسید از جائے

هنرش از شمار بیشتر ست — وین که بینی فروترین هنرست

بمروّت نگارِ شکّرخند — ریخت در دامنش درستی[1] چند

گفت چون ره بری بیاری او — این دهی مزدِ دستکاریِ او

پیرزن بازگشت خرّم و شاد — دستِ مزدِ هنرجوان را داد

سینهٔ باغبان چو گل بشگفت — رفت و این ماجرا بیاران گفت

آن وفاپرورانِ با فرهنگ — چون سرِ رشته یافتند بچنگ

---

[1] درست بضمتین بمعنی اشرفی ۱۲

خلوتے ساختند و شب کردند — مادرِ پیر را طلب کردند

اوّل از زرِ دہانش بربستند — بعد ازاں مہرِ رازِ بشکستند

بیش و کم ہر چہ بود در دلِ ریش — بازگفتند یک از کم و بیش

بتِ سنگین و عاشقِ بے ننگ — قصۂ دردمندیِ دلِ تنگ

پیرزن کین حدیث کرد بگوش — آمد از بیمِ خویش اندر جوش

گفت لب زین سخن بباید دوخت — دل بسودای خام نتواں سوخت

گنبدے کاندراں بتِ سنگ ست — غلغلش تا ہزار فرسنگ ست

کس دراں[1] سنگ یکدمی ننشست — کہ نیاید بزیرِ سنگش دست

واں بتِ[2] سیم کش ندید کسے — سنگدل تر ازاں بت ست بسے

ریخت صد خونِ بیدلاں ہوس — کہ فسوسے نیامدش برکس

ہر کہ گیرد درونِ شہرش نام — درزمانش زباں کشند زکام

سخنے کز خطاست پیوندش — نیک نبود کشادن از بندش

آں جواناں دگر بصد زاری — تازہ کردند رسمِ دلداری

ریختندش خزانہ بکنار — بیشتر زانچہ بود اوّل بار

گل فروش از چناں نوازشِ گرم — سرنگوں ماند چوں بنفشہ زشرم

---

[1] جب = بداں [2] یعنی آں معشوقہ کہ ہنوز کسے او را ندیدہ از تصویرِ سنگیے خویش سنگدل و سخت تر ست ۱۲

گفت من کز برای نیمی دانگ — گردِ ہر کوی میزنم گلبانگ
لطفِ تاں[1] مایہ داد چندانم — کہ عدد کردنش نمی دانم
چوں نوازش ز حد فزوں آمد — شکرِ آں ہم ز حد بروں آمد
بہرِ آں کار کیں عطا ستدم — جاں فشانم کہ خوں بہا ستدم
گر برآید و گر نیاید کار — من یکے از شما شدم ناچار
یا درآرم سرش بچنبرِ خویش — یا ز چنبر بروں کنم سرِ خویش
باغباں گفت گر پذیری راست — از توام نیست بیش ازیں درخواست
کآنچہ گل می بری بسروِ بلند — صنعتِ دستِ من بدو پیوند
تحفۂ من بدو فراز رساں — ہر چہ گوید بیا و باز رساں
پیرزن گفت کیں حدیث کہ بود — تو چہ فرمائیم کہ او فرمود
بامداداں کہ گل بباغ شگفت — غنچہ بیدار[2] گشت و نرگس خفت
گل طلب کرد مردِ گل پیرائے — شد ز گلدستہ بند نافہ کشائے
کرد از گل نمونۂ پُر کار[3] — نقشِ آں بت کہ دیدہ بر دیوار
نامِ او نیز بر سرش برباف — نقش و عنواں بنامہ در خور یافت
پس فسونے بر و دمید چناں — کہ نسیمش ز دست برد عناں

---

[1] تاں بمعنی شما ۱۲
[2] مراد از بیداری غنچہ طلوع آفتاب و از خفتن نرگس غروب ماہتاب و ستارگان ۱۲
[3] نغز و خوب ۱۲

تحفه چوں شد بماهِ تحفه شناس | حیرتش باز شد بروں ز قیاس
نقشِ خود دید و نام خود برخواند | در خود و نامِ خویش حیراں ماند
دردِ ماغش چو راه یافت نسیم | گشت جانش ز عاشقی بدو نیم
شورشے در دلش دروں افتاد | دلش از خویشتن بروں افتاد
گفت باگل فروشِ مهر آمیز | کاے همه صنعتِ تو مهر انگیز
چه گل ست ایں که دل ز دستم برد | تیرِ اندیشه را ز شستم برد
آنکه بست ایں نمونه برگلِ نو | کرد جانم بدستِ فتنه گرو
یکره اینجا رساں بهنجارش | تا تماشا کنم بدیدارش
پیرزن گرم دید چوں بازار | مرهمے تازه یافت برآزار
باپری وش زباں بافسوں کرد | واں[1] سخن را سخن دگرگوں کرد
گفت کای آفتابِ دلخواهاں | ق آرزومندِ روی تو شاهان
کے سزد چوں تو دلربائے را | که بدنامِ هرگدائے را
نازنیں را که دل قرار نداشت | ایں سخن را جوے بکار نداشت
پیرزن هرچه می نمود گریز | روغنے میزدش برآتشِ تیز
تابداں شعلهاے دم پرورد | پخته کرد[2] آنچنانکه باید کرد
پس به پیماں و عهدِ محکم و چست | گفت رازِ نهفته را بدرست

---

(۱) حجب = وآزموں   (۲) حجب = کردش چناں که

حالِ بے ننگیِ دو سه همدست　　　ماجرائے غریب سنگ پرست

کآتشے جست سو بسوزاں سنگ　　　که ز دودش بسوخت صد فرسنگ

شعلهٔ زود در آں جواں افتاد　　　که شرارش درین و آں افتاد

تو توانی بیا سخنے چو نبات　　　کآتشے را کشی بآب[1] حیات

پاسخش داد ماهِ سیم اندام　ق　کای چو من آهوے گرفته بدام

بس هزبراں که شیر نخچیرند　　　بر درِ من چو سگ همی میرند

پیش ازاں کز دماغِ سودائی　　　پرده[2] بالا کنم برسوائی

پردهٔ ساز کن دریں مستی　　　بو که دستے زنم بهمدستی

پیرزن زیں نواے سینه نواز　　　پائے کوباں بجنانه آمد باز

مژدهٔ خوش دلی بیاراں داد　　　بر سرِ کشتِ خشک باراں داد

هر یکے شادمانیِ نو یافت　　　پیرزن خود جوانیِ نو یافت

باز با هم بچاره پردازی　　　ساز[3] کردند رسمِ دمسازی

همه گفتند پیشِ مادرِ پیر　ق　آنچه از گفتنش نبود گزیر

کز متاع و خزینه و اسباب　۲　و ز هنر هرچه باید از همه باب

همه داریم تا بداں مقدار　۳　کز وے آساں شود همه دشوار

لیکن ار دوست بارضا باشد　۴　و اندریں کار یارِ ما باشد

---

۱ اے آتشِ عشق را بآبِ وصال کشی ۱۲　　　۲ پرده بالا کردن فاش نمودن ۱۲

۳ نب = تازه

نکند قصدِ ما بحیله گری ٭ پرده پوشی کند نه پرده دری
پیرزن باز شد بانو زود ٭ گفتنی هرچه بود گفت و شنود
چون بناہاے عہد محکم کرد ٭ وز دل آشوبِ فتنه را کم کرد
بازگشت و دل از سخن پرداخت ٭ گفت سازید هرچه باید ساخت
میہمانان ز مہربانیِ دوست ٭ برشگفتند ہمچو گل در پوست
شب فراہم شدند روے بروے ٭ مشورت ساختند موے بموے
بازگفتند ہر یکے کم و بیش ٭ ہنرِ خود بقدرِ دانشِ خویش
باغبان گفت کز دلِ دمساز ٭ ہرچه میداشتم نمودم باز
وآنچه دیگر دہید فرمانم ٭ کنم آں ہم چنانکه بتوانم
نقب زن گفت خاک را ہنفت ٭ ق ٭ زیر زیرا آنچناں توانم سُفت
کاں ستونے که سر کشیده بماه ٭ در تہِ آں ستوں کشایم راه
تیشه زن رو بنقب گیر آورد ٭ شرح داد آنچه در ضمیر آورد
گفت اگر نقبِ تو رسد بستوں ٭ در ستوں من روم بحیله دروں
گفت بازارگانِ دریا دل ٭ ق ٭ که چو ما را یکی ست دل با دل
از شما رنج بردن اندر کار ٭ وز من افشاندنِ زر و دینار
مگر از بہرِ کار چست کنیم ٭ سکّهٔ دوستی درست کنیم
یا ہمه مال و جاں دہیم بباد ٭ یا رسانیم دوست را بمراد

ہم بدیں اتفاق و رای صواب ‏‏ شب نہادند سر بہ بالیں خواب

چوں زنقبِ زمیں برآمد مہر ‏‏ کرد بیروں سر از رواقِ سپہر

خاست بازارگاں بعزمِ درست ‏‏ وز پئے کار کرد دامن چست

مدتے کارِ آب و گل پرداخت ‏‏ واندراں کوئی[1] خانۂ نو ساخت

خاکش از بوی خوش[2] عبیر سرشت ‏‏ صحنش از خرمی چو باغِ بہشت

گونہ گوں صفہ گونہ گونہ رواق ‏‏ تا فلک برکشیدہ طاق بطاق[3]

حجرہ در حجرہ بیست[4] اندر بیست ‏‏ رازِ آں کس بروں نبرد کہ چیست

چوں عمارت بلند گشت تمام ‏‏ کام جویاں شدند در پئے کام

در یکے حجرہ کاں درونے بود ‏‏ ق ‏‏ راہِ او سوے رہنمونے[5] بود

نقب زن بازوے ہنر بکشاد ‏‏ خانہ را در ببست و سر بکشاد

کرد رہ تا بجاے گاہ رسید ‏‏ زیر زیرِ زمیں بماہ رسید

گِل بپولاد می شگافت چناں ‏‏ کہ ز اندیشہ میر بود عناں

تا رسانید نقب را بدرست ‏‏ در ستونے کہ دست گہ می جست

داد نوبت بمردِ چوب تراش ‏‏ تا کند چوب را درونہ خراش

---

[1] اے در آن کوچہ کہ قریب ستون ماہرو بود یک مکان تعمیر ساخت ۱۲ ‏‏ [2] ج = گل

[3] طاق اطاق اے متعدد و متواترے ۱۲ ‏‏ [4] گویند کہ بست در بست نقشی ست کیمیا اثر و از عاملان کامل الفن کسے را امید اندو راز او سر مکتوم ست ہمچنیں حجرہا در آں قصر نو قرار دادہ بود کہ ترکیب آن بفہم مردماں نمی آمد ۱۲

[5] اے راہ او سوے آں ستوں بودہ کہ مطلوب شاں بود ۱۲

رفت در رخنه تیشه زن حالی — تا بصنعت ستون کند خالی

آهنِ تیز را بکار آورد — چوب را دل به خار خار آورد

نقش در مغزِ چوب زانسان بست — که برآں گونه نقش نتواں بست

اوّل اندر ستوں گشاد درے — پس بهر تختہ کرد نو ہنرے

نردبانے درون درون تا بام — پایه بر پایه راست کرد تمام

چوں بداں پایه شد ہنر پرداز — ق — که گشاید بسقف روزنِ راز

بازگشت وز حجره[1] بیروں راند — ماجرا پیشِ پیرزن برخواند

گفت رو پیشِ ماهِ سیمبراں — بیں که عهدی که کرده ہست برآں

گر برآں گفته ہست ثابت رائے — گو زنامحرماں تهی کن جائے

تا گشائیم روزنِ مقصود — ورنه لب را به بند و باز آ زود

پیرزن رفت و شد مزاج شناس — وقت خوش دید دور کرد ہراس

چوں بناہاے عهد محکم بود — ق — وانکه درخانه بود محرم بود

لگدے زد بر روے[2] روزن سخت — که گشاد از دروں دریچهٔ بخت

نازنیں چوں نگاه کرد زبام — آمد از زیر تیشه زن بسلام

پاسخش داد کای زدانشِ خویش — ق — درخورِ صد ہزار تحسین بیش

با چنیں دستکاریِ که تراست — عذرِ دستت چگونه دانم[3] خواست

---

[1] حنب = حفره [2] حنب = فراز [3] نب = یارم

گرنهی دل بمهمانیٔ من | بهره یابی ز میزبانیٔ من
در بهم صحبتاں گرائی باز | من خود آیم بوقتِ خویش فراز
پاسخش داد مردِ شیریں کار | ت | کاے سمن عارض و شکر گفتار
گرچه توزاں کرم که می دانی | ۲ | میهمانِ خودم همیخوانی
لیک بر چیں ز دیگراں دامن | ۳ | کاشناے تو دیگرست نه من
چوں دو عاشق شوند باهم جفت | من دعائے ز دُور خواهم گفت
ایں سخن گفت و بازگشت ز پیش | وآمد از رخنه سوئے منزلِ خویش
نازنیں کرد رخنه را سر سخت | بر فرازش نهاد جامهٔ رخت
پس ز میلِ درونه[1] کرد رواں | پیرزن را بسوے سروِ جواں
دادش انگشتریِ خاص ز[2] دست | کیں سلامم[3] رساں بعاشقِ مست
گو من امشب در انتظارِ توام | دوست نادیده - دوستدارِ توام
اگر آئی[4] چو خواجگاں بکنیز | بنده ام پیشِ میهمانِ عزیز
گلفروش از خوشی چو گل بشگفت | رفت و ایں قصه[5] را بیاراں گفت

---

[1] در فارسی میل دیرودن پیل اینج آهنی یاسی که بر سر گنبد نصب کنند یا منارکه بجهت علامت فرسنگ در راه سازند
الا درین شعر از میل درونه مراد آں راه مخفی که در جوف همان ستون ساخته بوده ۱۲
[2] جب = بدست [3] ح = سلامے
[4] جب = گر بیائی ح = گر گرائی
[5] جب = ماجرا

سوئے عاشق دوید یارے زود | بُردش از دوست مژدۀ مقصود
چوں بگوشِ وے ایں سخن در شد | بے خبر بود بے خبر تر شد
ماند حیراں دراں حکایتِ نغز | جوشے از دل دراو فتاد بمغز
خاست چوں بیدلانِ جاں داده[1] | دلِ دیوانه راعناں داده
پائے کوباں بوجد وحال آمد | در نہاں خانۀ[2] وصال آمد
خانۀ دید چوں بہشتِ ارم | در و دہلیز و بارگاه وحرم
اولش سوئے حجرۀ بردند | در نوا سازیش پے افشردند
غسل دادندش از گلاب و عبیر | تازه کردند کسوتش ز حریر
وانگہے ہر چه باید از ہمه باب | پیش بردند نان و نقل و شراب
وانطرف رفت پیرزن بنہفت | گفت با بانو آنچه باید گفت
پیش ازاں[3] آں غزالِ مست[4] و دلیر | خواب خرگوش داده بود بشیر
که ہمی خواہم از طریقِ نیاز | در طاعت زنم به پردۀ راز
امشب آں به که باشی از من دور | در بوم دور داریم معذور
باورش داشت شاهِ ساده ضمیر | رفت و بگذاشت سرورا به سریر
شب چو با آسماں قرینی کرد | ق | ماه با زہره ہمنشینی کرد

---

[1] اے عاشقان فدائی ۱۲ [2] مراد از عمیر و قصر نو ۱۲ [3] واجب = پیش آں خود غزاله
[4] مراد از غزال مست بانو و از شیر پادشاه یعنی پیش از آمدن پیرزن ماہرو پادشاه را از فریب جاے دیگر بخواب خوش غافل کرده بود ۱۲

نازنین باز کرد روزنِ خواب تا ز روزن درآیدش مهتاب
نز دهان دُور کرد و دُر[51] با بست در پوشیده را کشاد و نشست
پاسے از شب چو برگذشت بہ دیر در چراگاہِ آہو آمد شیر
دو مہ[52] از پردہ روشنائی داد دو دل از دوستی گواہی داد
آنکہ نادیدہ دل بہم بستند ہر دو نا دیدہ وار پیوستند
جانِ عاشق کہ روی جاناں دید تشنہ گوئی کہ آبِ حیواں دید
در کنار آنچناں کشیدش تنگ کہ طبرخوں[53] شدش نہالِ خدنگ
چاشنی خواست اوّل از مے و شیر[54] پس جدا کرد حلّہ را از حریر
پستہ را بر شکر خراج نہاد میل در سرمہ دانِ عاج نہاد
ہمہ شب تا بگاہِ بانگِ خروس گردنِ شاہ بود و زلفِ عروس
صبح چوں برکشا د روزنِ نور شد ز ہر روزنے سیاہی دور
ماند ماہِ چہاردہ در کاخ اژدہا باز رفت در سوراخ
روزِ دیگر کہ خانہ شد خالی عیشِ دوشینہ تازہ شد حالی
ہم بر ینساں بوقتِ فرصتِ کار گرم بود آں دو فتنہ[55] را بازار
گاہ شہ برشدی بروزنِ ماہ گہ مہ از روزن آمدی سوی شاہ

---

[51] حجب = در بر بست
[52] دو مہ یعنی ماہرو و شاہزادہ ۱۲
[53] طبرخوں بید سرخ و درمدار چو بیت سرخ رنگ تلخ مزہ و در مجموع اللغات و فردوس اللغات بمعنی صندل سرخ ۱۲
[54] از مے مراد لب و از شیر پستاں حاصل بیت اینکہ بعد بوس و کنار از وصال محبوبہ لذت اندوز شد ۱۲
[55] مراد از عاشق و معشوق ۱۲

چوں بدیں گونہ رفت روزے چند — گشت محکم دو دوست را پیوند
بادشاہ زادہ گفت بایاراں — کآفریں بر شما وفاداراں
کز رہِ لطف ہر یکے آں کرد — کہ ہمہ عمر شرح نتواں کرد
پختہ گردید کارِ من چو تمام — باز کوشید تا نگردد خام
پیشتر زانکہ پردہ را بدریم — برویم و عروس را ببریم
گفت بازارگاں کہ دل خوش دار — جگرِ دشمناں برآتش دار
ماکہ بہرِ ترا بچندیں جہد — پردہ بر ماہ برزدیم زمہد
تا ندانی دریں خجستہ سواد — رخت بندیم بے متاعِ مراد
نسزد نیز رائے والا را — کہ بدزدی بریم کالا را
آنگہے بر زنا بمردی نام — کہ بمردانگی کنیم خرام
آشکارا نشاط گاہ کنیم — ماہ را میہمانِ شاہ کنیم
گنج را چوں بمار بنمائیم — مار مائیم[1] و گنج بربائیم
شب بدیں اتفاقِ خوش خفتند — روز را قصہ با صنم گفتند
نازنیں گفت آنچہ فرماں ست — کنم ار خود[2] حدیث برجاں ست
ماجرا چوں درست شد باماہ — رفت بازارگاں بحضرتِ شاہ
برد ہر جنسِ قیمتی چنداں — کہ شہ انگشت ماند در دنداں

---

[1] اے بگذاریم ۱۲
[2] آنچہ فرماں ست بجا خواہم آورد اگرچہ در وخطرۂ جاں باشد ۱۲

گفت چندیں متاعِ گوہر و گنج ق کہ نیاید بوہم گوہر سنج
پیشکش کردن از برای چراست خواست باید ہر آنچہ باید خواست
گفت بازارگاں کہ بختِ بلند یا در اقلیمِ شاہ دولتمند
من کہ بازارگانِ شہرِ خودم واندریں رہ رواں زبہرِ خودم
ہر کجا رہ گرفتم از پئے سود سودِ من صحبتِ بزرگاں بود
کشورے را کہ زیرِ پا کردم میرِ آں کشور آشنا کردم
دید چوں میہماں پرستیِ من گشت مہماں[۱] بزیردستیِ من
ہم بداں بندگی ست میلم باز کہ شود رنجہ شاہِ بندہ نواز
شاہ چوں دید گرم خوئیِ او شرمش آمد ز مہر جوئیِ او
گفت رو کُن ہر آنچہ دانی ساز کہ من آیم گہے کہ خوانی باز
میزباں باز شد بخانۂ خویش کرد ترتیبِ آشیانۂ خویش
داشت در خانۂ نشاط سرشت ہفت منزل[۲] بسانِ ہشت بہشت
از یکے زاں خجستہ بزمے ساخت کہ دلِ زہرہ ز آسماں پرداخت
چوں شب آمد بمجلس آرائی جام برداشت چرخِ مینائی
رفت مردِ کشادہ پیشانی داد شہ را صلائے مہمانی
نُقل و مے یک بیک مہیا کرد خانہ از موجِ دُر چو دریا کرد

---

۱ اے باوجود زیردستی من میرِ آں کشور مہمانم گشت ۱۲ (۲) جب = منظر

شاہ بایک دو خاصگانِ حضور | حاضرِ بزم گشت با دستور
شب فروہشت پردۂ ظلمات | بادہ در دی رواں چو آبِ حیات
بانگِ طنبور خرگہے[1] در گوش | می ربود از دماغِ مستاں ہوش
چوں شد از جوشِ بادہ سرہا خوش | گشت ہر دل کشاں بہر دل کش
ماہِ بالانشیں فرو خواندند | قصّہ در گوش او فرو راندند
راست کردند تا بہ نیم شباں[2] | پیکرش چوں خیال بو العجباں[3]
شاہدِ دلفروز دیدہ نواز | شد خراماں بصد کرشمہ و ناز
ہم بدانساں کہ در شب آید ماہ | فرق تا پائے در حریرِ سیاہ
غمزہ غارت کنِ خردمنداں | تشنۂ خونِ آرزومنداں
روئے خوبش کہ بے نقابے بود | در شبِ تیرہ آفتابے بود
شد بگفتار آں طرب سازاں | ساقیِ بزمِ شاں خوش دنازاں
چوں در آمد پیالہ بر کفِ دست | ہر کہ دیدش خراب[4] گشت نہ مست
شاہ را کامداں صنم در پیش | ق | گم شد اوّل درویش اندر خویش

---

[1] طنبور خرگہے قسمے از طنبورہ است کہ او را آہستہ می نوازند و آواز بلند نمی دہد ۱۲

[2] در شباں الف و نون زائد است چنانکہ بامداداں و بہاراں ۱۲

[3] مراد از شعبدہ بازاں و بازیگراں یعنی تا نیم شب از زر و زیور ہمچوں شعبدہ بازاں پیکر ماہ را راست کردند ۱۲

[4] گویند کہ مستی چند مرتبہ دارد اوّل سرخوش دوم تر دماغ سوم سیہ مست چہارم خراب و ایں انتہائے مرتبہ مستی ست کہ شخص از خود گذشتہ باشد ۱۲

گفت یارب که این همان ماه است ‎ ‎ یا دلم کور و عقل گمراه است

اگر این اوست کے دلیر آید ‎ ‎ ماه[1] کے ز آسماں بزیر آید

وگر او نیست خود چنیں ماہے ‎ ‎ زیبد اندر برِ چو من شاہے

عاقبت چوں دلش قرار نکرد ‎ ‎ خاطرش ترکِ خار خار نکرد

محرمے پیش جست و کرد رواں ‎ ‎ تا کند جست و جوی سروِ جواں

او از آنجا دوید ہمچوں باد ‎ ‎ وز ازیں سو قدم بحجره[2] نهاد

رفت در کاخ و جامه دیگر کرد ‎ ‎ رخنه بر بست و سر به بستر کرد

چوں فرستاده در رسید شتاب ‎ ‎ ماه را دید در نهانی خواب

باز شد تا خبر بشاه برد ‎ ‎ رازِ خرگه[3] بہ بارگاه برد

پیش ازاں رفته بود قبلهٔ حور ‎ ‎ بر کشیده سواد را بر نور

جام بر کف به بزم در می گشت ‎ ‎ هر که می دید بے خبر می گشت

شخصِ بینده زاں تماشاگاه ‎ ‎ آمد و گفت هر چه بود[4] بشاه

شاه را دل براں قرار گرفت ‎ ‎ خاطرش ترکِ خار خار گرفت

نوش می کرد باده پے در پے ‎ ‎ ساقیش مست کرده بود نہ مے

در تمنائے آنکه چوں سازد ‎ ‎ کاں گل از بوستاں بپردازد

زاں تمنا که گردِ جاں می گشت ‎ ‎ هر دمش آب در دهاں می گشت

---

(۱) جب = چوں ‎ ‎ (۲) حجب = حجره ‎ ‎ (۳) خرگه بمعنی خیمه و اینجا مراد محلسرائے شاهی ۱۲

(۴) حجب = دید

تا برانداخت بادِ شبگیری[۵۱] ق از رخِ صبح پردهٔ قیری

شاه رغبت هنوز باقی داشت مست بود و خمارِ ساقی داشت

عاشق و مست و بادشاهِ جواں صبر کردن بگو چگونه تواں

می گسست ارچه شیرِ نر زنجیر هم نیفگند پنجه بر نخچیر

خاست از جاے خویش مستانه دل رها کرد و رفت در خانه

ایں طرف مه به برجِ خویش آمد شاه چوں پیش رفت پیش آمد

خضر گم گشت چوں بچشمهٔ خویش چشمه خود زآشنائی آمد پیش

ساقیِ کش بناز در بر جست پیشِ او بود جاے دیگر جست

یار در پیشِ او ز هجر برنج فاقه می کرد و پاے بر سرِ گنج

آبِ حیواں بجام و او در سوز بود در انتظارِ شب همه روز

شب چو از مه گرفت جامِ شراب ق هر کسے برد سر ببالشِ خواب

میزبانِ شبانه باز آمد شاه را دل در اهتزاز آمد

به بهانهٔ شکر[۵۲] لبِ چینی ساخت خود را ترش ز شیرینی

کرد شه چاپلوسیِ به نفاق پس ز خلوت ببزم شد مشتاق

باز عیشِ شبانه گشت بکار تازه تر شد نشاط را بازار

ساقیِ شب نمونه دیگر کرد فرق تا پاے زیب و زیور کرد

---

۵۱ بادِ شبگیر بادیکه قریب سحر وزد ۱۲

۵۲ مراد از ماهرو ۱۲

شب سیه بود پوششِ خورشید ‏ ‏ جامه امشب[1] چو زهره کرد سپید

گرچه شمعِ شبانه بود آن ماه ‏ ‏ خویشتن را دگر نمود بشاه

شه که دید آن جمالِ نورانی ‏ ‏ باز ماندش دهن[2] ز حیرانی

ساقیِ نو چنانش برد ز هوش ‏ ‏ کش فراموش گشت مستیِ[3] دوش

دل ازو برگرفت و این را داد ‏ ‏ چمنِ[4] لاله یاسمین را داد

دیده در لعبتِ خرامان داشت ‏ ‏ جانش میرفت و چشم بر جانِ[5] داشت

هم بر آن گونه تا سحرگاهان ‏ ‏ بود زان ماه نقل و مے خواهان

روز چون کرد سوی خانه شتاب ‏ ‏ دید خورشیدِ خویش را در خواب

دید کاندر نظر خطاش نمود ‏ ‏ ماهِ پیشینه اژدهاش نمود

خفت لختے و خاست بیدل وار ‏ ‏ نازنین هم ز خواب شد بیدار

ابروے ناز را پُر از چین کرد ‏ ‏ شاه را از کرشمه مسکین کرد

هر طرف کز عتاب راهش بود ‏ ‏ شه بصد لابه عذر خواهش بود

بروزان[6] گونه شاه را از ره ‏ ‏ دزد بیباک و پاسبان ابله

شب چو خورشید روی پنهان کرد ‏ ‏ آسمان سبزه را گلستان کرد

میهمان باز شد بمهمانی ‏ ‏ میزبان برگشاد پیشانی

---

[1] امشب بنوعے خود را آراست که پادشاه دانست کہ این معشوقه دوشینه نیست بلکه غیر اوست ۱۲

[2] حجبن = دہان بحیرانی ‏ [3] جب = ساقی ‏ [4] مراد از چمن لاله دل داز یاسمین معشوقه سفید پوش ۱۲ ‏ [5] مراد از جان ثانی معشوقه یعنی ساقی سفید پوش ۱۲

[6] حجب = زین

ساقیِ شب رسید خنداں خند / سبز پوشید ہمچو سرو بلند

باز شه از نظارہ بیخود گشت / آرزوے دلش یکے صد گشت

گفت با ایں طرب فزائیِ خویش / شرم بادم ز بادشائیِ خویش

خواجہ را بجانہ چنداں جور / من کہ شاہم بہ پیکرے مغرور

گر ستانم بزور بیداد ست / ورنہ صبرم گسستہ بنیاد ست

ہمہ شب تا بگاہِ بانگِ خروس / بادہ میخورد با ہزار افسوس

بامداداں کہ سوی خانہ شتافت / ماہِ[1] شب گرد را بمنزل یافت

ہفت روز آں صنم بزیور و زیب / گونہ بر گونہ بود شاہ فریب

شاہ مشغولِ عشقبازیِ خویش / واں جواناں بکارسازیِ خویش

بود زاں جائگاہ تنگا تنگ[2] / آبِ دریا بقدرِ یک فرسنگ

ہر چہ تدبیرِ راہِ دریا بود / پیش او یک بیک مہیا بود

چوں ہمہ راست کرد[3] برگِ جہاز / بوداعِ ملک شدند فراز

گفت ہر یک کہ شاہِ دولتمند / باد جاوید بر سریرِ بلند

ما کہ از بندگانِ درگاہیم / عذر خواہِ نوازشِ شاہیم

تا دریں منزلِ رضا بودیم / غرقِ احسانِ بادشا بودیم

ویں زمانے کہ رو بره داریم / توشہ نیز از عطاے شہ داریم

---

۱ مراد از ماہرو ۱۲ ۲ در تنگا تنگ الف اتصال ست ۱۲ ۳ حجب = گشت

نقدِ بازارگاں خطاست بہ بند   سودِ دریا کشیم[لہ] ماہی چند

چونکہ ما را ز لطفِ منعمِ دہر   ناگزیر ست بودنِ ایں شہر

ہر چہ داریم مال و نعمت و چیز   ق   وانکہ شہ دید ساقیانِ عزیز

میگذاریم امانت اینجا باز   تا کہ آرد خدائے ما را باز

یادِ ما بہ کہ در ضمیر بود   واں امانت اماں پذیر بود

ملک آں نامِ ساقیاں چو شنید   گشت شاداں کہ جامہ خواست درید

گنجہا داد عذرہا درخواست   کرد شاں توشۂ کہ باید راست

پس نظر داشت کاں جوانمرداں   بسفر کے شوند سرگرداں

کو[لہ] کند گنج خانہ را تاراج   شہرِ نورا درآورد بخراج

در گرفتش ہوائے دل بشتاب   خود بدریا روانہ گشت چو آب

پیش زاں پردہ بود صاحبِ راز   کرد پنہاں عروس را بجہاز

چوں مسافر بسوئے کشتی رفت   پنج رضواں[۵۳] بیک بہشتی رفت

کشتی آں سوئے می پرید چو باد   شاہ زیں سو عناں بمرکب داد

بادلِ تشنہ و دہاں پُر آب   شد ز دریا رواں بسوی سراب

آمد اندر سرائے مہماناں   در ہوائے پری فسوں خواناں

چوں دروں رفت خانہ خالی دید   عشق را تیغِ لا اُبالی دید

لہ حجب = کنیم   لہ ح = کہ   ۵۳ مراد از پنج رضواں پنج یار و یک بہشتی یعنی ما ہر دو ۱۲

گشت کاخ و رواق و حجرهٔ و بام　　زان تدروان یکے ندیده بدام

حجره در حجره جستجو میکرد　　سر بهر روزنے فرو میکرد

در یکے حجره هفت دیگر دید　　طرفه غارے بزیرش اندر دید

تا سوے حجرهٔ فتادش راه　　کز چه او طلوع کردے ماه

گام میزد درون درون گستاخ　　تا برآمد ز نردبان بر کاخ

رفت در برج و برج بے مه دید　　زهره بشگافتش که ناگه دید

او ز حیرت در آن تمنا مرد　　وان دگر رفت و آن تمنا برد

شاه چو رفتند سوی خانهٔ خویش　ق　خورم از بخت شادمانهٔ خویش

ماه با شاهِ نوجوان شد شاد　　کش نیامد ز شاهِ پیشین یاد

در دل انچه از گذشته جوشش بود　　خار خارے ز گلفروشش بود

بودے اندر نشاطِ بادهٔ و جام　　در غم زالِ گلفروش مدام

کرده بود از وفاداری او　　جامه گلگون بیادگاری او

بود چون ترک آسمان بجهان　　زیرِ گلنار گون پرند نهان

رنگِ گلنار دلکشاے بود　　چون مے لال جانفزاے بود

زیبِ باغ ست گونِ[۱] گلناری　　چون شفق بر سپهرِ زنگاری

هر که شد بخت و دولتے یارش　　رخ بسرخی بود چو گلنارش

---

۱ ح = لون

هست گلنار همچو نارِ کلیم | گلِ نار ست باغِ ابراهیم
ماهِ گلنار چهره چوں تمام | گفت افسانهٔ خفت با بهرام

گلگشت نمودنِ بهرام روزِ چهارشنبه در بهشتِ ششم وبگنبدِ بنفشه فام از دستِ آهوی بنفشه مویِ رومی شرابِ بنفشه بوی کشیدن

چارشنبه که برکشید نوا | مرغِ صبح از بنفشه زارِ سما
خواست گردد شهٔ سریر افروز | بلباسِ عطاردِ فیروز
لیک آں گونه موجبِ غم بود | که کبودی لباسِ ماتم بود
با قبائے بنفشه بوقلموں | رفت در گنبدِ بنفشه دروں
ماهِ رومی کشاد ابرو چین | رفت در پیشِ شاهِ روی زمیں
بزمیں بوسِ شاه رائے آورد | شرطِ تعظیم را بجائے آورد
جام پر کرده ماهِ جاں افزائے | ماند بر رسمِ ساقیاں برپائے
درزماں کرد شاهِ عشرت کوش | آبِ حیواں ز آبِ حیواں نوش

له حجب = گشت   ئه حجب = هوا

ته لباس عطارد کبود ست ۱۲

ثه یعنی جام شراب از دست معشوقهٔ رومی نوش کرد ۱۲

آں طرب تا بشام باقی بود — مہ[1] غلام و ستارہ ساقی بود
روز چوں ساخت کسوت از پرِ زاغ — میلِ خفتن نمود نرگسِ باغ
شاہ بہرِ فسانہ چو شکر — کرد رو اندر آں شگوفۂ تر
سروِ آزاد بندہ وار بہ پیش — کرد خم چوں بنفشہ قامتِ خویش
پس دعا را گذارشش نو داد — گفت باشی ز بخت و دولت شاد
ہر چہ خواہی ز ماہ تا ماہی — پیش بادت ہر آنچہ می خواہی
در حضورت کہ خسروِ زمنی — بندہ را چہ جائے ہم سخنی
لیک بر اعتمادِ حضرتِ[2] شاہ — گویم آنچم بسینہ یا بدراہ
چوں تہی شد ز معذرت سینہ — گفت در روزگارِ پیشینہ

بنفشہ شدنِ سروِ آزاد در سجدۂ بندگی پیشِ بہرام وآں متعطش را بدیں افسانہ شربت دادن

بود بازارگانے اندر روم — نعمتش را شمار نا معلوم
پسرے داشت ہوشمند و عزیز — زیرک و کاردانِ با تمیز
در عجب ہائے عالمش ہوسے — وآزمونِ زمانہ دیدہ بسے
خانۂ داشت چوں بہشتِ بریں — ہر طرف ذرہ نگار خانۂ چیں

---

[1] مراد از مہ بہرام و از غلام محکوم و از ستارہ معشوقہ ۱۲
[2] ح = رخصت

هر مسافر که آمد از جائے — کرد حالی بمنظرش پائے
سوئے مهمان سرای خویشش برد — میوه و نقل و باده پیشش برد
چندگه داشتے بمهمانی — میزبانِ کشاده پیشانی
باز جست از وے آشکار و نهان — کز عجب‌ها چه دید گرد جهان
آن جهاندیده از شگفتِ سفر — گفتے یک یک نه هر چه داشت خبر
سالها در چنین تمنائے — پخت با هر رونده سودائے
تا یکے روز بامداد پگاه — ناگه آمد مسافرے از راه
در زمانش بخانه مهمان برد — ارجمندش[1] بسوئے ایوان برد
خوانے از مرغ و بره پیش آورد — نعمتے از قیاس بیش آورد
گشت چون رغبتِ خورش باقی[2] — مهر بکشاد شیشه را ساقی
بادهٔ لعلِ ارغوانی رنگ — جلوه گر گشت در ترنم چنگ
چون گذشت از شراب دَرپے چند — درجِ لبها کشاده گشت ز بند
هر کرا بود قصهٔ بنهفت — پیشِ پرسنده یک بیک میگفت
چون بمهمانِ نو رسید سخن — ق — گفت بسیار زیر چرخ کهن
گشته ام بس که داشتم هوسے — وز شگفتِ زمانه دیده بسے
وان عجبها که در جهان دیدم — هر چه کس دید بیش از آن دیدم

---

[1] اے بعزت تمام ۱۲ — [2] باقی اینجا بمعنی قیام دارنده اے رغبت خورش سکون گرفت ۱۲

لیکن از ہر چہ دیدہ ام نخست | زاں عجب تر ندیدہ ام بدرست

کز دیارِ فرنگ[1] شش مہ راہ | ہست شہرے و مردماں چوں ماہ

نیمہ گویا و نیمہ خاموش | خامشاں کسوتِ بنفشہ بدوش

من ز گویندہ باز جستم راز | کز خموشاں خبر چہ گوید باز

کیں ہمہ خلق را خموشی چیست | چوں بنفشہ بنفش پوشی چیست

پاسخم داد مردِ کار شناس | ق | کاندریں کارگاہِ پُر وسواس

ہست گرمابہ[2] ز صنعِ[3] حکیم | سیمیا خانہ عجب تقسیم

گنبدش را شمار ناپیدا | گم شد آنکس کہ شد در و شیدا

آدمی کاندرو درون آید | از پسِ چند گہ بروں آید

یا بمیرد در آمدن[4] در حال | یا بماند خموش تا دہ سال

اندر آں خامشی بود بیہوش | بہرِ ماتم[5] بنفشہ[6] کردہ بدوش

چوں سخن را گرہ گشاید باز | ہمہ گوید مگر فسانہ راز

تا کسی کاں طرف بود رایش | خود نہد روے در تماشایش

وانکہ در شد بداں[7] تماشاگاہ | بارِ دیگر بروں نیاید براہ

گرچہ سالے بود در و کم و بیش | در نیاید بنشانِ رخنہ خویش

---

[1] ح = فرنجہ   [2] گرمابہ بمعنی حمام ۱۲   [3] ج = وضع   [4] حجب = بآمدن

[5] جب = جامہاے بنفش   [6] ن = پرنیان بنفشہ

[7] جب = درآں

من که در دل در آمد این نفسم　　خاست از بهر دیدنش هوسم
خواستم کآن طرف کنم پرواز　　برکشایم گره ز پردهٔ راز
لیکنم دل نکرد دمسازی　　که دهم جاں دراں هوس بازی
راهرو کاں فسانه بروے خواند　　باز پرسنده[1] را قرار نماند
تا شب آں روز عیش سازی کرد　　خوشی و میهماں نوازی کرد
شب چو دریای چرخ برزد رنگ　　چشمهٔ مهر شد بکامِ نهنگ
مرد سوداگرے هوس پیشه　　ق　　چشم برهم نزد ز اندیشه
بامداداں که صبح جامه سپید　　پرده برداشت از رخِ خورشید
ناشکیبا ز خوابگه برخاست　　خاست و کرد برگِ رفتن راست
از متاعِ زر و غلام و کنیز　　کرد با خود رواں فراواں چیز
پدرِ مهرباں شنید خبر　　بے سر و پا دوید سوے پسر
دم همیداد و هیچ دود نداشت　　کرد زاری بسے و سود نداشت
عاقبت دست بر جهاں افشاند　　از ولایت[2] جنازه بیروں راند
واں مسافر که داشت آگاهی　　همعناں ساختش بهمراهی
هر دو باهم ز عیش فرد شدند　　شهر بر شهر ره نورد شدند
در تموز و بهار و تابش و تاب　　می نوشتند راه را بشتاب

---

[1] مراد از پرسنده پسر بازرگاں است همان میزبانِ میهمان و مسافر نواز ۱۲　　[2] حجب = دز

تا در آن کارگاهِ پر ز خیال — در رسیدند از پسِ یک سال
در سرای شدند رخت گشاد — خود بشهر آمدند خرم و شاد
خلق دیدند بیشترِ خاموش — وز حریرِ بنفشه کسوت پوش
گردِ هر کوی و خانه می رُفتند[ے] — رازِ پوشیده باز می جستند
زان شگفتی که داشت سر بنهفت — خبرے کس چنانکه بود نه گفت
چاره ناچار مردِ شغبده جوے — سوے گرما به راند پویا پوے
همرهش باز داشت اسرارے — که حذر بهتر از چنین کارے
او همه میلِ فتنه در سر داشت — عاقبت دل ز میل سر برداشت
بغلامانِ خاص گفت که من — راه زان بر گرفته ام ز وطن
کانچه در خاطر آرزو دارم — دیدهٔ آزمون درو دارم
یا ببینم تمام و گردم باز — یا دهم جان درونِ پردهٔ راز
از شما هر که استوارتر ست ق — راست اندیش و راست کارتر ست
به که دائم امینِ مال بود — تا نمک خوردنش حلال بود
من چو بر خود کشم حجابِ خیال — انتظارم کشید تا بدو سال
گر بیایم دفینه بر شمرید — ورنه رختم بخانه باز برید
شور برخاست از غلامانش — دست بردند سوی دامانش

ے گرد رُفتن کنایه از تردد و کثرت آمد و رفت که بهندی خاک چھاننا گویند ۱۲ جوهر   ۃ حجب = بسیارے

کین چه دیوانگی و خودرائی ست — در دیوان زدن نه دانائی ست

کام دلداری و جوانی هست — همه اسباب کامرانی[۱] هست

روزگار نشاط را دریاب — زانچه دادت خدای روی متاب

زین نمط ماجرا گذشت بسے — برنیامد رمیده را نفسے

عاقبت بر مرادِ خاطرِ خویش — سوی گرمابه ره گرفت به پیش

رفت و در شد در آں طلسم آباد — عالمے دید هر درے که کشاد

سقفِ هر گنبدے که کرد نگاه — سرِ گنبد رسیده دید بماه

هفته گشت بے طعام و شراب — راه بیروں شدن ندیده بخواب

شد پشیماں ز خامکاری خویش — خواند بخشنده را بیاری خویش

چوں سراسیمه گشت بے سر و پاے — ناگهش ره[۲] نمود راه نماے[۳]

دید ناگه درے فراخ ز دور — آفتاب او فگنده در روے نور

رفت زاں سو دویده همچوں باد — روضهٔ دید پُر گل و شمشاد

لاله برکف گرفته جامِ شراب — نرگس از مستی اوفتاده بخواب

گشته باد از شگوفه عنبر بوے — سبزه[۴] نودمیده برلبِ جوے

سو بسو از درخت میوه قطار — شاخ سر بر زمیں نهاده زبار

---

[۱] ح = زندگانی — [۲] جب = ره — [۳] مراد از هادی مطلق جل مجده ۱۲

[۴] ح = سبزه ها، جب = سرها

ماند حیران جوانِ بیننده　　شکرها گفت زآفریننده

شکمے داشت از خورش خالی　　خورد هر گونه میوهٔ حالی

بر لبِ جوئے رفت و آبے خورد　　سایهٔ سرو دید خوابے کرد

خاست از خواب و رفت میلے چند　　دید قصرے برآوریده بلند

شد شتابنده تا رسید آنجا　　منظرے چون بہشت دید آنجا

باز کرده درے بلند و فراخ　　رفت یکسر درونِ وثاقِ گستاخ

ہر کجا گام زد جہانے دید　　پیشِ ہر صفّہ بوستانے دید

ہر نمونہ عمارتِ پُرکار　　گلشنے پُر ز صد ہزار نگار

کرده زاں گونہ سو بسو تمثال　　کآدمی را نگنجد آں بخیال

بوستانے تہی ز مردم دید　　چشمِ نظارگی درو گم دید

خواجہ زامیدِ زندگانی طاق　　تا بشب گشت گردِ کاخ و وثاق

چون حبابِ رُخ نہفت در پرِ زاغ　　ق　　شد فلک پُر ز صد ہزار چراغ

دل ز تنہائیش پریشاں گشت　　رفت بر منظرے و پنہاں گشت

چون ز شب رفتہ نیم پاس تمام　　ق　　ماہی و مرغ یافتند آرام

دید کآمد بروں ز گوشۂ باغ　　آفتابے بکف گرفتہ چراغ

---

[1] جب = کرد
[2] جب = در
[3] حجب = بود
[4] بمعنی شتاب ۱۲
[5] ح = بہار
[6] حجب = تا
[7] ن = خوب
[8] ن = دید در باغ

صد ہزاراں ستارہ گرد و پیش — خود چو خورشیدِ شمع اندر پیش

زاں فروزش کہ قصرِ گلشن گشت — شبِ تاریک روزِ روشن گشت

تا بداں منظرہ آمدند فراز — کہ درو بود خواجہ خلوت ساز

تخت کردند پیشِ صفحہ بپاے — شد بدیبا نہفتہ صحنِ سرائے

چوں شد آرایشِ نشاط ہمہ — ق — پر مہ و زہرہ شد بساط ہمہ

میرِ خوباں نشست بر سرِ تخت — وز دو سو ہم‌نشینِ دولت و بخت

نازنیناں دو سوے صف بستند — پیشِ مسند بناز بنشستند

خاست ساقی و بادہ گشت رواں — خوردنی در رسید خواں بر خواں

چوں کشیدند پیشِ ہر کس خورد[1] — از رقاقِ[2] سپید و گردۂ زرد

گفت خنداں نگارِ تخت نشیں — ق — کہ دریں کاخِ آسماں تمکیں

آدمی زادہ ایست بیخور و خواب — گشتہ از کوفتِ[3] روزگار خراب

دورِ گردونش کردہ سودائی — ماند بیخویشتن ز تنہائی

ہست برنا[4] غریب و مہماں نیز — چارہ نبود ز میہمانِ عزیز

خواندہ باید بلطف اندر پیش — مہربانی نمودن از حد بیش

تا سرش را خرد فراز آید — دل کہ رفتش ز جاے باز آید

شمع برداشت لعبتِ چو چراغ — رفت بر منظرِ بلند ز باغ

---

[1] خورد بمعنی خورش ۱۲ — [2] نان تنک ۱۲ — [3] کوفت و رنج ۱۲ — [4] ح = برما

دید تنہا نشستہ مسکینے ‏ ‏ ‏ ‏ گرد بانجش آسماں کینے

دادش آواز۔ خواجہ رفتہ زجاے ‏ ‏ ‏ ‏ لرزہ در روے فتاد سرتا پاے

سرو سیمیں بمہر دل دادش ‏ ‏ ‏ ‏ کرد زاندیشہ خاطر آزادش

گفت خیز اے جوانِ زیبا چہر ‏ ‏ ‏ ‏ کہ درِ دولتت کشاد سپہر

بانوی ما کہ گنجِ لطف[۱] دروست ‏ ‏ ‏ ‏ آدمی سیرتست مہماں دوست

برخوری زاں صنم کہ در ہمہ ساز ‏ ‏ ‏ ‏ تو غریبی و او غریب نواز

خواجہ را کاں سخن بگوشش آمد ‏ ‏ ‏ ‏ لختے از بیہشی بہوش آمد

گفت[۲] بجز ام ہر کجا خواہی ‏ ‏ ‏ ‏ کہ منت بندہ ام بہمراہی

شمع را پیش برد قبلۂ حور ‏ ‏ ‏ ‏ او چو پروانہ در حوالی نور

پیشِ تخت آمدند ہر دو زکاخ ‏ ‏ ‏ ‏ در تحیر جوانِ ناگستاخ

چوں بدید آں جمالِ نورانی ‏ ‏ ‏ ‏ سود بر خاک تیرہ پیشانی

از سرِ لطف[۳] ماہِ شکر خند ‏ ‏ ‏ ‏ خواندش از خاک بر سریرِ بلند

گفت عیبست میزباناں را ‏ ‏ ‏ ‏ کہ نپرسند میہماناں را

کے روا باشد ایں کہ مانم دیر ‏ ‏ ‏ ‏ من ببالا و میہماں در زیر

بر سریر آ و باشش ہمتایم ‏ ‏ ‏ ‏ ورنہ من نیز بر زمیں آیم

خواجہ گفتا کہ من کیم بارے ‏ ‏ ‏ ‏ تا بداں پایہ باشدم کارے

---

۱ جب = مہر ‏ ‏ ‏ ‏ ۲ فاعل گفت سوداگر بچہ ۱۲ ‏ ‏ ‏ ‏ ۳ جب = رہ

خاکِ مسکیں کہ پائمال بود — بر فلک بردنش محال بود
باشد آں جاے در خورِ چو تو ماہ — دیو بر آسماں نیابد راہ
زیں نمط گفتگو فراواں رفت — خواجہ جائے بشد کہ نتواں رفت
آمد از تختِ نازنیں در زیر — کرد با خود بمردمیش دلیر
دستِ او را گرفت و بالا برد — شاند بر جاؤ ہوشش از جا برد
نازنیں رو بمیہماں آورد — پوزش و لطف درمیاں آورد
پیشِ او داشت خوردہاے غریب — ہر یکے جاں نواز و مشکیں طیب
از نسیمش کہ گرد جاں می گشت — خواجہ را آب در دہاں می گشت
بود ز اندوہِ فاقہ سودائی — یافتش چشمِ تیرہ بینائی
دست در خورد بردِ شرم گذاشت — خورد چندانکہ میلِ خوردن داشت
رفت چوں خواں بکارِ خانۂ خویش — ساقی آورد جامِ مے در پیش
ہر طرف لعبتے بریشم ساز — گشت در آہنگِ خوش حریف نواز
مجلسے چوں بہشتِ عالمِ نور — رفت رضواں بمیہمانیِ حور
گر فرشتہ در آمدے در باغ — ہمچو پروانہ سوختے بچراغ
روے در روے یارِ جانی بود — درمیاں دورِ دوستگانی بود
بانوے بانواں چو سرمستے — ہر زماں بذلۂ برد بستے

چون سرِ خواجه گرم شد ز شراب — آرزو را[1] ز سر بروں شد خواب

شد ز سر زنده شهوتے که بمرد — رغبتِ دل عناں ز دستش برد

عاشقانه بپاے یار افتاد — کار با بوسه و کنار افتاد

زآنِ او شد عروسِ شیریں کار — درز نادان و پاسبان طرار[2]

او درآویخت دو زلفِ چو شست — گردنِ خود بطوقِ مشکیں بست

روے بر رو نهاد و دوش بدوش — خرمنِ گل کشید در آغوش

برد غارت بدرجِ مروارید — این همی چید و او همی بارید

شور در نقلدانِ ناز افگند — شمعِ بے دود را بگاز[3] افگند

تشنه بود آبِ زندگانی یافت — مایۂ عمرِ جاودانی یافت

خواست تا در رود بحجلۂ ناز — قفلِ گنجینه را کشاید باز

ماهِ ابله فریب و عشوه فروش — بوسه دادش بعذرهاے چو نوش

گفته آهسته ترکه زآنِ توام — نوش کن مے که نقلدانِ توام

چاشنی باری از نمک برگیر — تا دهن خوش کنی بشکّر و شیر

شربتے کار زودست زود نه دیر — دانکه خوردی و مے وگشتی سیر

تشنه کز آب سیر شد جانش — میل نبود بآبِ حیوانش

---

[1] یعنی آرزوے خفته از مستی شراب بیدار شد ۱۲ — [2] جب = زیبا

[3] گاز یعنی مقراض و اینجا عبارت از میانه هردو زانوے بانو ۱۲

1

چوں زہم خوابہ گشت مرد صبور　　داغِ[۱] زنگی نہد بجبہۂ حور
ورنیاری زمیل و رغبتِ خویش　ق　کہ دہی گوشمالِ شہوتِ خویش
زیں ہمہ لعبتانِ زیبا روے　　کہ کنیزِ من اند سوے بسوے
ہر کہ زیبا ترآیدت بنظر　　خاصۂ تست دست گیر و ببر
رقیۂ[۲] چند ازیں نمط برخواند　　کاتشِ خواجہ را فرو ننشاند
وانگہ از غمزہ گفت[۳] پنہانی　　بانگارے چو سروِ بستانی
آمد و با ہزار لابہ و لوس　　داد بر دست و پاے برنابوس
زانِ خود کردش از فسون و فریب　　تا دلش را نماند جاے شکیب
خاست از پیشگہ بدستورے　　رفت در جاے[۴] گاہِ مستورے
در بر آورد یارِ زیبا را　　کرد خوش جانِ ناشکیبا را
یافت آں آرزو کہ در سر داشت　　کامِ دل دید و کامِ دل برداشت
ہمہ شب با بتِ بہشتیِ خویش　　راند در جوے شیر کشتیِ خویش
صبح چوں کرد جیبِ ظلمت چاک　　سایۂ خاک رفت ہم در خاک
مردِ شب زندہ داشتہ بشراب　　رفتہ بود از نسیمِ صبح بخواب
چوں زخوابِ نشاط سر بر کرد　　نظر اندر رواق و منظر کرد

---

[۱] یعنی زن در حسن و جمال گرچہ حور وش باشد لیکن بعد صبوری زنگی معلوم میشود ۱۲

[۲] سحر و افسوں ۱۲　　[۳] فاعل گفت سردار پریاں ۱۲

[۴] حجب = جلوہ گاہ

دید فردوس راز خوباں طاق — نے بمنظر بتے و نے برواق

زاں پری صورتاں ندید کسے — نعرۂ بیکسی کشید بسے

زاں تحیّر کہ جاں خراب شود — بیم بودش کہ زہرہ آب شود

تا شب اندر خیالِ مجلسِ دوش — چوں پری دیدگاں نبودش ہوش

در پرِ زاغ چوں نہاں شد مہر — پرِ طاؤس باز کرد سپہر

باز کبکاں رواں شدند ز جائے — پرِ طاؤس گشت صحن سرائے

شمع از ہر طرف روائی یافت — عالمِ تیرہ روشنائی یافت

شد پیاپے شرابِ نوشیں باز — تازہ شد بزمگاہِ دوشیں باز

نازنیں رفتہ بر سریر بلند — مہر برداشت از خزینۂ قند

بہ یکے زاں شکر لباں فرمود — کہ بیار آں غریب را زود

شد کنیزی و خواند پیشش برد — رنجِ دوری ز جانِ ریشش برد

بانوش چوں بدید خاست ز پیش — خاص کردش بہمنشینی خویش

کرد جانش بہ بردمی تازہ — عذرہا خواست بیش ز اندازہ

دوستگانے بدستِ خویشش داد — طَبق و نُقل و میوہ پیشش داد

چوں زمے دودِ معدہ شد پرکار — مائدہ پیش برد خوانِ سالار

با نواز راہِ لطف و سرمستی — کرد با او بکاسہ ہمدستی

ل دستر خوان ۱۲

چوں شد از خوردنی شکمہا سیر — مطبخی برد خواں زتخت بزیر

ساقیاں را رسید نوبتِ مے — دَورِ گردندہ گشت پے در پے

خواجہ کافروختش زمے سینہ — تازہ گشتش نشاطِ دوشینہ

خویش را کردہ بود لعبتِ سیم — بمرادِ حریفِ خود تسلیم

او بدنداں عقیق رامی سُفت — قندمی خست وانگبیں می رُفت

زاں لبِ لعل می کشید شراب — نقل ہم پستہ[۱] بود وہم عنّاب

باز چوں وقت شد کہ خورم وشاد — سوے قفل آورد کلیدِ مراد

گفت گر چوں منے خطا باشد — کہ بہر جستنم عطا باشد

زن کزایشاں کند جوانمردی — پردہ بالا کند برخ زردی

دربیم بود ہر[۲] کہ بود بسے — دست بردامنم نسود کسے

ہر کہ بود از خبر شنیدنِ من — مردہ[۳] ہم درہوائے دیدنِ من

چوں تو بر ما غریب و مہمانی — محرمِ ما شدی بآسانی

لیک مشتاب تا کنیزانم — نشناسند رازِ پنہانم

کہ چرا گوہرے بدیں پاکی — ہم بیکبار شد چنیں خاکی

بکنارے و بوسہ دو سہ روز — گر شوی سینہ را شکیب اندوز

---

۱ مراد از پستہ دہن واز عناب لب ۱۲

۲ اے کسیکہ تا مدت دراز در محبت من خراب بود آں ہم دربیم بود وقدرت مس کردن دامنم ہم نداشت ۱۲

۳ ہر کہ خبر حسن وجمالم شنید درآرزوے دیدار جاں دادہ وبعد مردن ہم ہوائے نظارہ داشت ۱۲

من باندیشه که دانم کرد | دلِ شان را دگر توانم کرد

چون دل از کارِ شان بپردازم | کارِ تو بر مرادِ تو سازم

این سخن گفت باز کرد نگاه | در یکے زان شکر لبانِ چو ماه

آمد آن ماه و پا بهرِ فشرد | دستِ برنا گرفت و با خود برد

تا دمِ صبح مردِ عشرت جوئے | بود خوش با نگارِ زیبا روے

آسمان چون ز چشمهٔ خورشید | کرد پیراهنِ زمانه سپید

باز برخاست مردِ خفته زجائے | زان عروسان ندید کس بسرائے

شد ز بے مونسی و تنهائی | بیشتر زانچه بود سودائی

تا بیک هفته مردِ شعبده سنج | بود شب در نشاط و روز برنج

هر شب آن نازنینِ عشوه فروش | برو گر عشوه ها نهادی[1] گوش

سوئے آهوئے خود فگندے چنگ | لیک صیدے دگر زدے بخدنگ

تا شبے شد ز جوشِ شهوت مست | رفت یکبارگی عنانش[2] از دست

ماند در پائے دلبر افتاده | چون گیا زیرِ سروِ آزاده

گفت دستم بگیر بهرِ خدائے | که شکیبِ ترا ندارم پائے

چند ازین عشوهٔ جفا سازی | با غریبے چو من دغا بازی

انگبینم نمودن اندر جام | وانگهے سرکه ریختن در کام

---

[1] اے گوش پسر تاجر را مخاطب افسانه فریب نو کردے ۱۲ [2] جب — عنانش ز دست

یالب از جامِ وصل کن سیرم | یا بیند از سرِ بشمشیرم
پابخش داد شوخِ عالم سوز | کامشب اندر برِ توام تا روز
ہمہ شب پاسِ کار در پیش ست | این چنیں صد ہزار در پیش ست
خواجہ کیں مژدہ یافت از لبِ دوست | در نگنجید ہمچو پستہ بپوست
بس کہ جانش بخوشدلی بشگفت | بادہ چند خورد و بر جا خفت
نوبت صبح زد چو نالۂ زار | مرغ و ماہی ز خواب شد بیدار
چشم بکشاد مردِ[1] دوشینہ | خارِ[2] دوشش خلید در سینہ
خویش را دید در بیابانے | کہ نبودش سرے نہ پایانے
خاکے از ناخوشی ہلاک انگیز | خارہا بر کشیدہ دشنۂ تیز
خونش[4] از بیخودی[3] بہ تن بفسرد | ماند بیخود فتادہ - گوئی مرد
چوں نبود آں خرابہ جائے قرار | در خرابی روانہ شد ناچار
بقضا کرد خویش را تسلیم | دشت بر دشت می شتافت زبیم
پویہ میزد براہِ بے راہاں[5] | تا بدیہے رسید ناگاہاں
شد بہ دہ اندروں بہ بد حالے | کرد منزل بخانۂ زالے
زال را بود دخترے عیّار | دلفریبے چو صد ہزار نگار

---

[1] جب = مست
[2] جب = ریگ دشتش
[3] جب = بیہوشی
[4] خونش از بیہوشی بستہ شد ۱۲
[5] اے بطریق گم کردہ راہ ۱۲

دزد دلها دو چشم پُر فن او — خون صد بیگنه به گردن او

گشت چوں یکدگر نظرها گرم — نازنیں سر فرو فگند ز شرم

روے پوشید و کرد آں سو پشت — میهماں را بیک کرشمه بکُشت

خواجه کز تیر تیز ترمی راند — ناوکے غمزه خورد و برجا ماند

زال را با هزار آزادی — بنده گشت از خیالِ دامادی

بر سرِ کِشتِ پیر زن لرزاں — کارمیکرد چوں کشاورزاں[۱]

خانه گه گه که یافتے که خالی — بر شکرلب درآمدے حالی

زار نالیدے از گرفتاری — کاں صنم سوختے ازاں زاری

تا دلِ ماه مهربانی یافت — طبع با میل هم عنانی یافت

خاطرِ هر دو ز اتفاقِ ضمیر — ساخت باهم چو انگبیں با شیر

خانه[۲] هر گه کسے نگس دیدے — شکرے از قمطره[۳] برچیدے

گه در آویختے بزلف چو شست — گاه بر گنجِ ساده[۴] سودی دست

چوں شدے گاهِ آں که از پیوند — درجِ سر بسته را گشاید بند

وارمیدے عروسِ کبک خرام — که میالاے دامنم بحرام

جست باید رضاے پیر زنت — تا دهد ره بجلوه گاهِ منت

---

۱ بمعنی دهقاناں و کاشتکاراں ۱۲ — ۲ نسخه = خواجه هر گه که فرصتے دیدے

۳ قمطره بکسر اول بمعنی شتر فربه و خریطه کتاب و اینجا بمعنی ظرف قند که عبارت از لبهاے شیریں ست ۱۲

۴ مراد از پستاں ۱۲

خواجه در پیشِ پیرزن ناچار | بیش کردی ازانچه بودے کار
روزی از خویش یافتش خشنود | آرزوئے که داشت باز نمود
پاسخش داد پیرزن که رواست | گل ز گلبانگِ بلبلاں بنواست
چوں تو بابا بمهر پیوندی | من پذیر قسمت بفرزندی
دلِ مهماں بدیں حدیث نواخت | وانگهے برگِ میهمانی ساخت
بست کابین[۱] عروس را باشاه | کرد پیوندِ مشتری با ماه
چرخ چوں زلفِ شب فگند بدوش | ق | ماه گشت از ستاره زیور پوش
شه[۲] درآمد بخوابگاهِ عروس | که شود شاد تا ببانگِ خروس
سیمبر بسترا پشمینه | مے زلب داد نارش[۳] از سینه
دست[۵] بر ناردان و سیبش داد | نُقلے و میوهٔ فریبش داد
خازنِ گنج چوں بران شد باز | که کند دست بر خزینه دراز
چاپلوسی بسے نمودش جفت | ق | بزبانِ شکر فشانش گفت
که من اینجا ز چشم مادرِ خویش | می نه بینم حجابِ بسترِ خویش
کلبهٔ تنگ و او[۴] به پهلویم | چوں سزد همنشینی شویم

---

[۱] بکسر بای موحده و یای معروف زری که بهنگام نکاح ذمه شوهر مقرر کنند یعنی مهر ۱۲

[۲] عروس را روز کتخدائی نوشه گویند ازیں رعایت پسر تاجر را شاه و شه گفته ۱۲ | [۳] ن۔ جب = خواجه

[۴] نارش مخفف انارش الف بضرورت شعر حذف گشته ۱۲

[۵] دست بمعنی قدرت ۱۲ | [۶] ن۔ جب = او

چون ترا جفت گشتم از تقدیر — ناید از خدمتِ تو ہیچ گزیر
رو از این تیرہ تنگنائے برون — ماہ را بہ ز عقد جائے برون
خانۂ گیر در دہِ دگرم — تا کشئے بر مرادِ خود ببرم
خواجہ لعلش بدین[۱] فریب بسفت — در برش کرد تا بروز و بخفت
روزکے چند خویش را زان جور — گاہِ شہوت بحیلہ داشت صبور
زال را رفت روزے اندر پیش — گفت دارم ہوائے خانۂ خویش
گر برفتن دہیم دستورے — زحمتِ خویش را ہم دورے
خیزم و راہِ خانہ پیش کنم — جفتِ خود ہم عنانِ خویش کنم
زال بگریست از غمِ فرزند — گفت دل چون کشایم از دل بند
آنکہ[۲] شد جفتِ او بعقد جواز — جفتِ خود را کجب[۳] گذارد باز
گفت زینہا دے چون نبودش سود — کرد ناچار ہر دو را پدرود
خاست در دم عروسِ فتنہ سگال — کرد گریان وداعِ مادرِ زال
وانگہے گفت شوے را نالان — کہ خرک را بہ پشت نہ پالان
سوئے خر شد جوانِ تیز آہنگ — کرد پالان و برکشیدش تنگ
خواست تا دست سوے دم یازد[۴] — پاردم[۵] را بدم دراندازد

---

۱ اے خواجہ بدین فریب ہم بستر نشد وازالہ بکارت نکرد ۱۲ ۲ حجب = زانکہ
۳ حجب = چرا ۴ یازد فعل مضارع از مصدر یازیدن بمعنی دست درازی کردن وبقصد کارے دست دراز کردن ۱۲
۵ وچی زین اسپ وخر ۱۲

جفته[1] زد خر از کمیں ناگاه　　　　که بچشمش جہاں نمود سیاه
لرزه در[2] شخصِ نازنیں افتاد　　　　شد بصحرا و در زمیں افتاد
چوں بہوش آمد از چناں خطرے　　　　کرد ہر سو بتجربت نظرے
دید خود را بروے کہسارے　　　　در[3] بُنِ کوه در تہش غارے
کوهِ گرم از بلندی آتش پاش　　　　آسماں را بہ تیغ[4] کرده خراش
باز ازاں حیرت اوفتاد زپاے　　　　زندگی را نماند در وے جاے
بود فصل تموز و نیمۂ روز　　　　جوش در مغزش اوفتاد ز سوز
از بلندیِ کوه کرد نگاه　　　　غرفۂ دید سر کشیده بماه
رفت و آنجا رسید گرما گرم　　　　سایۂ سرو دید و سبزۂ نرم
بر سرِ غرفہ شد کہ بیند چیست　　　　صاحبِ غرفہ را بداند کیست
دید پیری لباسِ پارۂ نور　　　　کرده خود را ز مردماں مستور
تیرِ بالاش چوں کماں شد کوز　　　　بر کمانِ کہن بر آمده توز[5]
چونکہ آوازِ پاے او بشنید　　　　چشم پوشیده باز کرد و بدید
دید آزاده چو سروِ بلند　　　　گلِ او زعفراں شده ز گزند
زد طلب کرد ماجراے نہفت　　　　کہ گلت از کدام باغ شگفت

---

[1] جفته یعنی لگد بہندی پشتک ۱۲　[2] جب = بر　[3] تحجب = بیضے کوه در تہش غارے
[4] تیغ کوه قلہ کوه را گویند ہندی چوٹی ۱۲　[5] توز بالضم بواو مجہول نام پوست درختیست کہ مثل سے بر کمان و زیں بکار برند بہندی بھوج پتر گویند و در شرح خاقانی نوشتہ کہ قسمے از کتان ست ۱۲

خواجه از سرگذشتِ ناخوشِ خویش | کرد خالی دلِ مشوشِ خویش
پیر را کامد آن فسانه بگوش | زان تحیر شدش درونه بجوش
گفت کین خاک پُر ز دیو و پری ست | تشنهٔ خونِ آدمِ گذری ست
هرچه پیشِ تو باغ و ایوان بود | آن همه سیمیای دیوان بود
وان عروس جوان و مادرِ پیر | غولِ دشتند و دیوِ مردم گیر
زندگانی هنوز بود بجای | که باین سو رهت نمود خدای
ورنه جانت که[1] انداز تف و تاب | چون[2] شدی در چنین خرابه خراب
پس ازین گر شوی ز بخت نژند | ق | بگیاهی و میوهٔ خورسند
تا مرادِ ترا روان به تن ست | حالِ تو آن بود که حالِ من ست
ور دلت را برفتن ست نیاز | دل دلِ تست من ندارم باز
بوسه بر پای پیر داد جوان | گفت کای از تو ام حیات و توان
من گم گشته ره کجا دانم | کز حضور تو رو بگردانم
زین پس ار جای باشدم بر تو | سرم و آستانهٔ درِ تو
پیر گفتش که چون نهادی دل | که کنی هم بکوی ما منزل
تا ازین بادیه[3] بگامِ فراخ | نخرامی بهر طرف گستاخ
کین طرف هر کجا کُه و غار ست | پُر ز مرغانِ آدمی خوار ست

---

(۱) جب = یقین که (۲) جب = بشدے (۳) حجب = زاویه

چوں گہہ طعمہ بال بکشایند | گور و آہو ز دشت بربایند
گفت برنا کہ از تو نیست گزیر | گو بیا ہر چہ باشدم تقدیر
ہم بریں دل نہاد و کرد سکون | دیر دیر آمدی ز کلبہ بروں
روزے از دستِ غم شدہ بستوہ | گشت می کرد بر کرانۂ کوہ
سوئے او تاخت مرغِ مردم خوار | ناگہاں در ربودش از منقار
کوہ بر کوہ می پرید چو باد | تند می رفت از گزند آزاد
تا رسید از ہوا بغارے تنگ | کرد در تنگنائے غار آہنگ
مرغ دیگر ز کوہ بروے تاخت | چنگل از خشم سوئے او انداخت
مرغ با مرغ جنگ در پیوست | درمیاں خواجہ از شکنجہ برست
گرد(۱) در تنگنائے غار دوید | پیش پا میفگند و پس میدید
چوں دروں رفت تیر پرتابے | دید ہر سو ز روشنی تابے
رہ نہ تاریک بلکہ روشن بود | خاکِ رہ سبزہ زارِ گلشن بود
خاک(۲) را می(۳) نوشت میل بہ میل | گاہے آہستہ و گہے تعجیل
تا پس از ہفتۂ دو بلکہ فزوں | آمد از تنگنائے غار بروں
دید در پیشِ غار صحرائے | لالہ و گل دمیدہ ہر جائے
کشت بر کشت روضۂ چو بہشت | جوئے بر جوئے بر کنارۂ کشت

---

(۱) جب = گرم   (۲) حجب = خاکِ رہ   (۳) طے می کرد ۱۲

بر سرِ سبزہائے مینا رنگ — نائے گنجشک بود نغمۂ چنگ

خواجہ چوں یافت بوے آبادی — سینہ چوں گل شگفتش از شادی

پاے در رہ نہاد و می شد راست — تا بداند کہ ایں سوادِ کراست

ز اوّلِ چاشت بود در تگِ خویش — تا در آمد سیاہیِ شب پیش

چوں پس[1] افگند زاں زمیں بہرے — دید جوشیدہ ز آدمی شہرے

سوئے دروازۂ حصار شتافت — راہ ز انبوہِ خلق خالی یافت

پیشِ دروازہ در رسید فراز — تختۂ در ہماں زماں شد باز

سو بسو مردم ار چہ بود بسے — پیشتر زو دروں نرفت کسے

لشکرے ماندہ بود چشم براہ — در دویدند مہترانِ سپاہ

بوسہ بر دست و پاے دادندش — تاجِ زرّیں بسر نہادندش

حلّہ بستند بر تنش ز قبا — پیش بردند توسنے چو صبا

ہمچو شاہاں سوار کردندش — گوہر و زر نثار کردندش

رفت زاں گونہ شاہِ نوشاداں — تا کند قصرِ دولت آباداں

بہ بزرگی چو بر سریر نشست — ہر بزرگے میاں بخدمت بست[2]

خواند زاں مہتراں یکے را پیش — داد بیروں خیالِ خاطرِ خویش

ایں چہ نیرنگ و سیمیا کاری ست — یا رب ایں خواب یا کہ بیداری ست

لہ ط نمود ۱۲ — ۲ حجب = بست

زآنچه بر تختِ ملک بنشینم — خویش را نسبتے نمی بینم
این خیال از دلم بباید برد — ورنہ من زین شگفت خواہم مرد
پاسخش داد مردِ کارشناس — گفت کز سینه دور دار ہراس
کایزد از رحمت آفرید ترا — کہ بدیں پایہ بر کشید ترا
آنکہ تاجے ز تخت بر سرِ اوست — ہر کجا میرود برابر اوست
دولت از دولتی[۱] گذر نکند — سوئے بیدولتاں نظر نکند
ز آہن آناں کہ مغزکاں خارند — زر ستانند و سنگ بگذارند
گرچہ بلّور روشن ست بتاب — کے نشیند بجائے دُرِّ خوشاب
آنچہ پرسید شاہِ گیہانم — باز گویم چنانکہ میدانم
ہست رسمے بدیں[۲] زمین مشہور — کہ رود چون چراغِ[۳] ملک زنور
بر درِ شہر بامداد پگاہ — حاضر آیند سروران سپاہ
ہر کہ اوّل در آید از درِ شہر — یابد از تختِ بادشاہی بہر
ماچو از نقلِ بادشاہِ کہن — تازہ کردیم رسم کہنہ زبُن
پیشِ دروازہ مردم از حد بیش — کس ز تو پیشتر نیامد پیش
لابد این ملک شد بتو تسلیم — دیر زی کانِ بست این اقلیم
شاہِ نوزین حدیثِ شادی زائے — درنگنجید درمیان قبائے

ل[۱] یعنی صاحب اقبال ۱۲ — ل[۲] عجب = دریں — ل[۳] کنایہ از پادشاہ ملک ۱۲

بود چوں آفتابِ نورانی   تا گہِ شام در زرافشانی
چرخ چوں پارہ کرد چادرِ روز   روے بنمود ماہِ چرخ افروز
در رسید از حرم وکیلِ سرائے   خاک بوسید وایستاد زپائے
خواند شہ را بمہمانیِ ناز   شہ رواں گشت سوے پردۂ راز
خادم از پیشِ شمع زر بر دست   شہ بدنبالِ او ز شادی مست
چوں دروں رفت بوستانے دید   پر مہ و زہرہِ آسمانے دید
ماہ رویاں بہر طرف جمعے   آفتابے بہ پیشِ ہر شمعے
چوں بدیدند روے فرخِ شاہ   لعل و یاقوت ریختند براہ
روئے تعظیم بر زمیں سودند   نطعِ گلگوں بگل بر آمودند
ہفت بت بود شاہِ پیشیں را   ہر یکے قبلہ ماہ و پرویں را
ہر شب آں را کہ نوبتے بودے   شاہ با او نشاط فرمودے
آنکہ زایشاں بپایہ والا بود   دلفریبے کشیدہ بالا بود
آمد و دستِ شاہ را بگرفت   ماند شہ در جمالِ او بشگفت
رخ بزیبائی از گل افزوں بود   پائے تا سر لباسِ گلگوں بود
دستۂ گل بدستِ شاہ سپرد   سوئے خلوت سرائے خویشش برد
رہ نمودش نخست در حمام   تا بمشک و گلاب شست اندام
پس لباسِ سزائے تاجوراں   بلطافت سبک - بہ نرخ گراں

پیش بردند تا کشید به بر | کروزآنجا بہ بزم گاہ گذر
از بخور و گل و طعام و شراب ق | وآنچہ دیگر نشاط را اسباب
ہمہ در بزم گہہ مہیّا بود | وز بتاں خانہ چوں ثریّا بود
شاہ مشغولِ شادمانی گشت | مے بجام آبِ زندگانی گشت
بادۂ تلخ و بوسہ چو شکر | نقل و بادامِ خشک و پستۂ تر
نیمۂ شب بدوستگانی رفت | نیمہ دیگر بکامرانی رفت
شاہِ انجم برسم ہر روزہ | چوں در آمد بہ تختِ فیروزہ
شہ[ل] زخلوت بہ تخت بار آمد | در شہی چوں شہاں بکار آمد
تا بشب دادِ بادشاہی داد | ہر چہ خواہی بہر کہ خواہی[۵۲] داد
باز شہ رفت در سرائے حرم | جُست سروے زبوستانِ ارم
ماہِ دوشیں کہ تا بنوبتِ روز ق | بے ومیوہ بود بزم افروز
نوبتے خود بدیگرے بسپرد | نوبتی آمد و ملک را برد
بر کفش داد دستۂ زسمن | رونقِ انگیزِ صد ہزار چمن
باز بندِ قبا کشودندش | سوئے گرمابہ رہ نمودندش
رفت و تن شست از گلابِ رواں | رست در پیرہن چو سروِ رواں

(ل) شہ زخلوت بہ تخت باز آمد | در شہی چوں شہاں بہ ناز آمد

۵۲ اے ہر چیز کہ خواہش کنی و برائے ہر کہ تجویز نمائی کہ ایں کس لایق آں چیز ست بہماں کس ہماں چیز داد ۱۲

سوئے مجلس شتافت با دلِ شاد ‌ ‌ ‌ بادہ می خورد با بتِ نوشاد

ہمہ شب تا بہ بامداد و پگاہ ‌ ‌ ‌ بود باہم قرانِ زہرہ و ماہ

ہم بریں گونہ شاہِ ہفت اورنگ ‌ ‌ ‌ دیدشش باغ تازہ زنگارنگ

ہر بہارے[۱] کہ آمدے بہ نشست ‌ ‌ ‌ دستۂ دادے از گلیش بدست

چوں بہفتم فگند[۲] قرعۂ فال ‌ ‌ ‌ بود ماہے زاخترانِ وبال

کاردانِ حرم نمودش راز ‌ ق ‌ کہ ہمہ پردہ ہا چو کردی باز

زاں یکے پردہ بہ کہ درگذری ‌ ‌ ‌ تا نہ بینی زچرخ پردہ دری

کاولیں خسروے کہ مارا بود ‌ ‌ ‌ رازایں برقعے[۳] آشکارا بود

کردے اندر نہاں شکرخندے ‌ ‌ ‌ ویں فسانہ بروں نیفگندے

نے بنوبت درآمدے آں ماہ ‌ ‌ ‌ نے بنوبت بدو رسیدے شاہ

شاہ گفت ایں حدیثِ پنہانی ‌ ‌ ‌ بازگو با من آنچہ میدانی

خورد سوگندہا وکیلِ سرائے ‌ ‌ ‌ کہ من آگہ نیم ازیں سروپائے

زیں سخن بیش گشت رغبتِ مرد ‌ ‌ ‌ رفت وآں گفتہ را بگوش نکرد

چوں دروں شد درآں ارم خانہ ‌ ‌ ‌ دیدارم خانۂ جداگانہ

صنمے دید آفتاب درفش[۴] ‌ ‌ ‌ شقۂ برتن از حریر بنفش

۱؎ باعتبار حسن وجمال پری پیکران گل عذاراں را بہار گفتہ ۱۲ ‌ ‌ ۲؎ جب = فتاد

۳؎ حجب = پردہ ‌ ‌ ۴؎ بمعنی روشن ۱۲

دستهٔ از بنفشه داشت بدست — شاه را داد و کردش از بوست

چشمِ شه چوں بنازنیں افتاد — زاں عجب خواست بر زمیں افتاد

نیکواں گرچہ دیده بود بسے — زاں نکوتر ندیده بود کسے

دلش از عاشقی نماند صبور — زد چو پروانه خویش را بر نور

ترکِ جادوگرِ فریب انگیز — گفت کآبے بزن بر آتشِ تیز

گردِ میدانِ بارگهه بر ست — تنِ شاهانه را بباید شست

تا نگردد چو گیرمت بکنار — نازک اندامِ من بگرد فگار

که مرا نام مردمِ دیده است — گرد بر دیده ناپسندیده است

شاه گفتا که چوں بود هیهات — تشنه را صابری ز آبِ حیات

سیمبر گفت کز پئے دلِ شاه — من بگرمابه می شوم همراه

تا همانجا برهنه روے بروے — هر دو با هم شویم موے بموے

در زماں خاست شاه زیں شادی — داد تن را ز کسوت آزادی

نازنیں را گرفت ساعد نرم — عزمِ گرمابه کرد گرما گرم

نازنیں جامه را[۵۱] چو بیروں کرد — هوشِ بیننده را دگرگوں کرد

روبرو هر دو چوں شدند بناز — هر دو جهد افگن دوالک[۵۲] باز

خواست شه تا در و درآویزد — آب و آتش بهم بر آمیزد

---

۵۱ حجب = نیز جامه

۵۲ حیله ساز و محیل و اینجا مراد از تسمه بازی که قسمے از قمار ست ۱۲

صنمش گفت صحنِ حلوا پیش | خور چشیدن نہ ماند دیگر بیش
بارے اوّل ز بوسہ بستاں داد | پس تو دانی و گنجدانِ مراد
شہ دہن برد سوے پستہ[1] نوش | بوسہ داد و ز ذوق شد بیہوش
چوں ز خود زندہ شد بہ بیحالی | دید عفریت خانۂ خالی
ماند منزل تہی و ماہ شدہ | زیر و بالا ہمہ سیاہ شدہ
دستش اندر دہانِ خنداں ماند | بازوے حسرتش بدنداں ماند
گشت زاندوہِ سینہ سودائی | باز دیوانہ شد ز تنہائی
از بسے غم کہ اشک ریخت ازو[3] | دیوِ گرمابہ میگریخت ازو
از تحیر چناں شکست تنش | کہ سخن بستہ گشت در دہنش
خاست از جایگہ چو مدہوشاں | گشت میگرد سو بسو جوشاں
زیرِ ہر گنبدے دواں میرفت | زیں بروں آمد و دراں میرفت
ہمہ شب تا جہاں منوّر[2] گشت | بود گنبد بگنبد اندر گشت
گنبدِ آسماں چو شد بے دود | گشت روشن جہانِ دوداندود
مردِ رہ گم ز روشنائے نور | درِ گرمابہ را بدید از دور
رفت چوں پیش در ہماں رُبود | کہ نخستش بگفتہ رہبر بود
بندگانش کہ درگہ و بیگاہ | بہرِ او بودہ اند چشم براہ

---

۱ طبق و طشت ۱۲ ۲ حجب = چشمہ ۳ ح = بدو

چوں بدیدند روے منعمِ خویش در دویدند خواجہ را در پیش

ہر یک از بندگاں بآزادی گریہ می کرد لیکن از شادی

بندہ وارش بپا در افتادند بوسہ بر دست و پاے او دادند

او ز بس بیخودی و بیہوشی برلب افگند مہرِ خاموشی

پاے تا سر برہنہ بود تنش پیش بردند از پے پیرہنش

نستد آں جامہ زار زار گریست و آگہی نہ کہ گریہ از پئے چیست

سوئے ماواے خویش بردندش ہر نمط جامہ پیش بردندش

زاں ہمہ جامہاے رنگا رنگ کرد در جامۂ بنفش آہنگ

جامہ پوشید و برگِ رفتن ساخت رخت بربست و خانماں پرداخت

شہر بر شہر شد بخانۂ خویش بیخود از خویش و ز فسانۂ خویش

پدرش رفتہ بود و مادر نیز و ز پئے او گذاشتہ ہمہ چیز

چندگاہے بپردہ بود نہاں و از ہمہ گفتگوے بستہ دہاں

بعد دہ سال در خروش آمد رازِ او خلق را بگوش آمد

کسوتش زاں پس از کلہ تا کفش بود پیوستہ پرنیانِ بنفش

ہست رنگِ بنفشہ نادر وش دیدہ را نغز و سینہ را دلکش

ترکِ زیبا کہ رو بود چو مہش در حریرِ بنفش[1] کن نگہش

---

[1] اے معشوق ما ہر ورا بلباس بنفش نگاہ کن کہ چوں زیبا آید ۱۲

باغ کو نقش کم زدیبا نیست | بے خیالِ بنفشہ زیبا نیست
خندۂ برق با ہزار درش | بیں کہ چوں خوش بود در ابرِ بنفش
چوں نگارِ بنفشہ زلف طراز ق | گفت ایں داستانِ عشرت و ناز
شہ چناں در برآوریدش تنگ | کہ گلش را بنفشہ کرد برنگ
رفت زاں سروِ سیم زلف بہ تاب | درمیانِ گل و بنفشہ بخواب

صندلی نہادن بہرام روزِ پنجشنبہ در بہشتِ ہفتم در گنبدِ صندلی و نخلِ صندل اندامِ عرب را چوں صندلِ تر برسینہ مالیدن و جامۂ صندل فام پوشیدن

پنجشنبہ کہ صبحِ صندل سائے | صندل آلود چرخ را سروپائے
روز سعد و زمانہ فرخ بود | نسبتش ہم بمشتری مسعود
کرد بہرام با نشاطِ تمام | مشتری وار جامہ صندل فام
ساخت در برج صندلی خانہ | بست پیمان مے بہ پیمانہ
جلوہ گر شد بتِ عرابی زاد | بوسہ بر دست و پائے خسرو داد
شاہ بر روئے آں بہشتی ذات | نوش می کرد سلسبیلِ[۱] حیات

۱؎ نام نہریست در بہشت و اینجا مراد از شراب حیات پرور و مسرت افزا ۱۲

چوں ہوا در نوشت چادرِ نیل — سرمہ گوں شد زمانہ میل میل

داد بیرون برمزِ جادو بند — کہ پری روئے جادوئے پیوند

شب بافسانہ کُند کوتاہ — خواند افسونِ چشم بندیِ شاہ

بہ تواضع نگارِ سیمیں ساق — بازمیں کرد جفتِ ابروطاق

گفت شاہا فلک سریرِ تو باد — دشمن آماجِ زخمِ تیرِ تو باد

ہمہ عمرت ز عید دلکش تر — روزت از روز و شب ز شب خوشتر

آنچہ در گوشِ چوں توئی سنجد — چوں منی را بہوش کے گنجد

لیک چوں ابر پارہ[1] بارانی — پیشِ دریا کنم دُر افشانی

ریخت زمیناں بسے چو دُرِّ یتیم ق گفت وقتے بروزگارِ قدیم

پیچیدنِ بہرام اژدہا وش در قامت چوں درختِ صندل و افسانہ گفتن آں شجرۂ معطرہ نسیم

بود فرماں دہے بہ ملکِ یمن — کار فرمائے خسروانِ زمن

راستکارے چو شیرِ بستانی — راست گوئے چو صبح نورانی

پسرے داشت ہوشمند و جواں — دل چو دریا و کف چو آبِ رواں

مردمِ چشمِ بادشاہیِ او — ملک روشن ز روشنائیِ[2] او

---

(۱) حب = تازہ (۲) حجب = بروشنائی

در ہنرہاے روزگار تمام ‌ ‌ ‌ رام[1] او روزگار و رامش[2] نام

مادرش رفته بود در پرده[3] ‌ ‌ ‌ پرده بر دیگرے رہا کرده[4]

گشته در پردهٔ مادرِ دگرش ‌ ‌ ‌ جلوه گر در عماریِ پدرش

روزے از حجرے چو فرزنداں ‌ ‌ ‌ رفت در پردهٔ پدر خنداں

دید بانوے شه بہ پردهٔ راز ‌ ‌ ‌ در کنارِ وزیر خفته بناز

دود خشم از سرش بگردوں رفت ‌ ‌ ‌ دین نادیده کرد و بیروں رفت

آں خیانت گرانِ پنہاں خند ‌ ‌ ‌ چوں بدیدند رخنه در پیوند

از مے خورده[5] در خمار شدند ‌ ‌ ‌ چاره را رہنمونِ کار شدند

گفت بانوے ملک دستور ‌ ‌ ‌ که پسر عاقل ست و شاه غیور

تا نگر دست چاشت شام کنیم ‌ ‌ ‌ کارِ او پیش ازو[6] تمام کنیم

چوں شه آید ترش کن ابرو را ‌ ‌ ‌ پس به تلخی[7] خراش کن رو را

چہره پرخوں کن و دو دیده پر آب ‌ ‌ ‌ گو جہاں[8] را نگر که گشت خراب

پسر بد زند بما در جنگ ‌ ‌ ‌ ز آسماں چوں فرو بارد سنگ

آں جگر گوشه را چناں نه خار ‌ ‌ ‌ که شه از خونِ خود[9] شود بیزار

چوں فسوں خواندهٔ فسوں آموخت ‌ ‌ ‌ شمع را کشت و شعله را افروخت

---

۱ یعنی مسخر و فرماں بردار ۱۲ ۲ حجب = نامش رام ۳ اے مرده بود ۱۲ ۴ در مصرعه ثانی از پرده مراد پردهٔ خلوت اے پدرش زن نو خواسته ۱۲ ۵ مے خورده مراد ازاں لطف مواصلت و عشرت گذشته و در خمار شدن مراد رنجش پیدا کردن ۱۲ ۶ جب = ازاں ۷ ج = به ناخن ۸ ح = جانے ۹ حجب = مہرِ خود

رفت زانجا بسوے مسندِ خاص ‌ ‌ مخلصِ شاہ[۵۱] گشت بہرِ خلاص

ہمچو ابروے خود سر افگندہ ‌ ‌ وابرواں را گرہ بر افگندہ

شاہ گفت اے بکد خدائی من ‌ ق ‌ رونق انگیزِ بادشائی من

در چنیں دولت و فراخی زیست ‌ ‌ ایں ہمہ تنگئ دل از پئے چیست

جبہہ را سود بر زمیں دستور ‌ ‌ گفت کاے جبہۂ تو مطلعِ نور

تا جہاں ست بر جہاں سر باش ‌ ‌ کار فرمائے ہفت کشور باش

منکہ چوں بندگانِ دولت خواہ ‌ ‌ پرورش یافتم ز نعمتِ شاہ

نمکت چوں نگیرد م گردن ‌ ‌ کہ بدل دارم ایں جگر خوردن

کہ جگر گوشۂ تو بر خوانت ‌ ‌ دست برد[۵۲] ہ سوے نمکدانت

آنچہ در گوشم آمد از کم و بیش ‌ ‌ من نمودم دگر تو دانی بیش

زاں نفس کاندراں چراغ اُفتاد ‌ ‌ دودش از سینہ در دماغ اُفتاد

در حرم شد برخ زدہ چیں را ‌ ‌ دید پژمردہ سروِ سیمیں را

خونے از ہر مژہ رواں میریخت ‌ ‌ آبِ نرگس بر ارغواں میریخت

مو پریشاں و رو خراشیدہ ‌ ‌ سمن[۵۳] از برگِ گل تراشیدہ

قصہ پرسید شہ بغصہ و سوز ‌ ‌ گفت با تو فسونِ بد آموز

پارہ پارہ فرو خواند درست ‌ ‌ آنچہ تعلیم کردہ بود نخست

---

۵۱ جب = خاص ‌ ‌ ۵۲ جب = بازد ‌ ‌ ۵۳ مراد از سمن رخسارِ سیمیں و از برگِ گل ناخن انگشتہائے حنائی ۱۲

ملک آں ماجرائے ابلہ گیر — کرد باور چو ابلہاں بضمیر

ماند حیراں کہ حیلہ چوں سازد — کز دل آں غصہ را بپر دازد

گفت گر تیغ برکشم ز نیام — بقصاصِ پسر شوم بدنام

دگر ایں غم فرو خورم در دل — در گداز آردم چو نم در گل

چوں دلش تنگ شد ز غصۂ خویش — ہم بدستور گفت قصۂ خویش

خواجہ کاں سوزناکی ازوے بود — بدمیدن زیادہ کردش دود

تا رضا داد شاہِ آزادہ — کہ مسافر شود ملک زادہ

سوئے وے با ہزار مخموری — رفت دستور و برد دستوری

کرد روشن جوانِ روشن رائے — کز کجا گشت فتنہ بال کشائے

آں[1] بر آں گفتہ ہیچ در نفزود — در جہاں سر زد و رواں شد زود

کوہ می سود و دشت می مالید — در کہ و دشت زار می نالید

قطع شد چوں حوالیٔ شاہش — سہ مہندس شدند ہمراہش

ہمرہاں را باتفاقِ ضمیر — درہم آمیختہ چو شکر و شیر

یکدگر گشتہ ہمدمِ جانی — ہم در آباد و ہم بہ ویرانی

ہر یکے گنج خانۂ ہنرے — ہیچکس را نہ زاں ہنر خبرے

تا یکے روز با فراغِ تمام — خلوتے بود شاں بہ نقل و جام

---

(۱) نجب = او

باده در سینه ها بکاوش بود — راز با باده در تراوش بود

رام نیز از جراحتِ دلِ ریش — می تراوید حالِ مشکلِ خویش

دوستاں کآں حدیث بشنیدند — یارے دوست مصلحت دیدند

گفت یک شخص زآنچه[۱] من دانم — سرمهٔ در دو چشمت افشانم

گرچه خلقے بهم نشینندت — همه را بینی و نه بینندت

سرمه چوں در حجاب دادت جاے — هر کجا هست بیحجاب درآے

باد اندیشِ خود تباهی کن — هر چه خواهی بسر که خواهی کن

چشم زاں سرمه چوں سیه داری — گریهٔ دود در نگه داری

رام گفتش که اے پسندیده — بده آں سرمه گفت کز[۵۲] دیده

مردِ بینا کشاد حقهٔ نور — سرمه در چشم کرد و شد مستور

سرمه را شست و باز پیدا گشت — هر که نظاره کرد شیدا گشت

رام را سرمه داں به پیش نهاد — منتش بر دو چشمِ خویش نهاد

دو دمی گفت من ز راهِ صواب — دانم افسونِ چشم بندی خواب

زاں فسوں هر کرا بخوابانم — بر نه خیزد مگر بفرمانم

گر بیاموزی[۳] آں فسوں خوانی — آں کنی بر عدو که بتوانی

رام گفتش که هر چه گوید مرد — گفتهٔ خود تمام باید کرد

لہ جب = کاچخہ ۵۲ اے بسر و چشم لطف لفظ دیده برارباب ذوق سلیم مخفی نیست ۱۲ لہ ح = بیاموزم

کارداں رقیہ ہم چناں برخواند ‌ ‌ ‌ ‌ که درافتاد رام و خفته بماند

چوں شد آں خوابش از دماغ بروں ‌ ‌ ‌ ‌ پیشِ دانا درست کرد افسوں

سیومیں گفت کانچہ من دارم ‌ ‌ ‌ ‌ بر تو ناید من ارچه بسپارم

بر تو[1] بنمایم آں فسانہ کار ‌ ‌ ‌ ‌ تو خود آنجا برو بیاوُ بیار

در حدِ مصر خانہ ایست ز سنگ ‌ ‌ ‌ ‌ کردہ در روے نگارش از نیرنگ

نقشِ هر جانور که گیری[2] نام ‌ ‌ ‌ ‌ در روے از تیشه کردہ اند تمام

جادوے کاوّل آں رقم دادش ‌ ‌ ‌ ‌ در زمانے نهاد بنیادش

که شگفتی ز رازهاۓ جہاں ‌ ‌ ‌ ‌ کردہ در زیرِ هر خیال نہاں

هر که خواهد که از کفایت و راے ‌ ‌ ‌ ‌ گرد آں پردہ را طلسم کشاے

چشم بر پیکرے نهد یک سال ‌ ‌ ‌ ‌ تا بجنبیدن آید آں تمثال

نقشِ سنگیں چو جلوہ در گیرد ‌ ‌ ‌ ‌ پیکرش را نمونہ بر گیرد[3]

چوں نشاند نمونه را بر موم ‌ ‌ ‌ ‌ رازِ[4] آں خانہ خود شود معلوم

گرت آں نقش[5] که هم نفس باشد ‌ ‌ ‌ ‌ در همه کارهات بس باشد

رام زاں ماجرا که دانا گفت ‌ ‌ ‌ ‌ آنچناں شد که تا بروز نخفت

صبحدم چوں ز گنبدِ بے سنگ ‌ ‌ ‌ ‌ جلوہ گر گشت پیکرِ ارژنگ

---

[1] نخجب = لیک بنمایمت نشانہ کار ‌ ‌ [2] حب = دارد ‌ ‌ [3] اے ہرگاہ نقشِ سنگیں در جنبش آید نقش آں تصویر بر موم برگیرد ۱۲ ‌ ‌ [4] ج = راز خود را ازاں کنہ معلوم

[5] اے اگر آں نقش که بر موم گرفته همراہ باشد همه کارہاے ترا ہماں یک نقش کافی بود ۱۲

مردِ جوینده راه پیش گرفت ‏ ‏ ره سوئے آرزوئے خویش گرفت

جاں ز رنج ارچہ می بیازردش ‏ ‏ دل گریباں گرفتہ می بردش

گام میزد بہ شہرِ ویرانہ ‏ ‏ تا رسید اندر آں صنم خانہ

چوں بہر پیکرے فگند نظر ‏ ‏ دید عفریت پیکرے مُنکَر[لہ]

نظر از وہم بر گماشت برو ‏ ‏ تا بہ یک سال چشم داشت برو

چوں بجنبید آں نمونۂ چست ‏ ‏ گرمش از موم بر کشید درست

چوں بروں آمد از درونِ سرائے ‏ ‏ دید آہرمنے ستادہ بپائے

گشت لرزندہ زو درونۂ رام ‏ ‏ کرد پرسش کہ کیستی و کدام

گفت آنم من ار کنی معلوم ‏ ‏ کہ ز سنگم نشاندۂ بر موم

رازِ من گر ترا نہ معلوم ست ‏ ‏ کوہِ سنگیں ز دستِ من موم ست

ہر چہ دشوار تر ہمی دانی ‏ ‏ حکم کن تا کنم بآسانی

ہر چہ کم گنجد اندر اندیشہ ‏ ‏ نزدِ من ہست کمتریں پیشہ

حاضرم با چنیں توانائی ‏ ‏ تا کنم پیشت آنچہ فرمائی

رام گفت ایں زماں ہمی خواہم ‏ ‏ کہ بشہرِ پدر بود راہم

دیو گفتش کہ چشم برہم پوش ‏ ‏ چوں بپوشید بر نشاند بدوش

گفت بگشائے - چوں گشاد نظر ‏ ‏ دید خود را درونِ شہرِ پدر

لہ سہمگیں و زشت ۱۲

شب نہاں شد بکنجِ پیرزنے | زالے در ستمے و اہرمنے
چوں سیاہی شد از سپیدیِ دُر | روز بکشاد روزنامۂ نور
شد بدیوان وزیرِ کار آگاہ | کامراں گشتہ در ممالکِ شاہ
رام در چشم کرد سرمۂ ریو | شد بدیواں ہم عنانیِ دیو
کرد اشارت بدیو تا برخاست | دست را کرد بہرِ سیلی راست
زد قفائے بخواجۂ دیواں | کہ برلرزید زاں طراقِ ایواں
کارداراں ز جائے برجستند | سرِّ آں حال را ہمی جستند
اندریں گفتگوئے بُد ہر کس | کاہرمن باز در دوید ز پس
زد چناں سیلیٔ دگر ناگاہ | کز سرِ خواجہ در فتاد کلاہ
چوں[۵۱] ہمی خواست آں کلہ کف کرد | تا ستاند قفائے دیگر خورد
حیرتے در نہادِ خلق افتاد | دوست آزردہ گشت و دشمن شاد
مرداں از خجالتِ دستور[۵۲] | دُور گشتند یک بیک ز حضور
ایں[۵۳] ز سودائے سیلیش خنداں | واں[۵۴] دگر پشتِ دست در دنداں
خواجہ جست از خجالتِ سیلی | با رُخِ زرد و گردنِ نیلی
رفت در خانہ ہمچو تنگ دلاں | رُخ ز مردم نہفت چوں خجلاں

---

[۵۱] ن = کلہ گرد خوردہ را زاں گرد
[۵۲] وزیر ۱۲
[۵۳] اشارہ ایں بسوئے دشمن وزیر ۱۲
[۵۴] اشارہ آں بسوئے دوست وزیر ۱۲

چوں قفا کرد بہرِ بالیں ساز	دیوش اندر قفا درآمد باز
بازش از ضربتِ قفا خوردن	در طراقا طراق شد گردن
تا شب و روز بے امیدِ خلاص	سیلیٔ چند شد وظیفۂ خاص
رازِ پنہاں بکوی و راہ رسید	قصہ در گوشِ بادشاہ رسید
شہ عجب ماند کیں چہ شاید بود	کآتشے نبود و بر آید دود
دست بے و قفا شود سوراخ	نبود دیو ایں چنیں گستاخ
داد فرماں کہ ہر کجا کس ست	ق کش بہ نیرنگِ نامہا[ل] ہوس ست
ہمہ حاضر شوند پیشِ سریر	تا پژوہش کنند رازِ وزیر
ایں خبر گشت در ولایت فاش	گفتگوے فتاد در اوباش
ہر کجا بود دیوبندے چست	کرد دیبا[۲]چہ‌ے فتنہ درست
آمد و کرد کاردانیِ خویش	داد بیروں دمِ نہانیِ خویش
ہیچ ممکن نشد کز آں خانہ	دیو بیروں شود چو بیگانہ
چوں بکارش زبوں شدند ہمہ	بخجالت بروں شدند ہمہ
بہرِ کردن وزیر را چارہ	دیوِ گردن زنش بنظّارہ
دید چوں کاردانیِ ہمہ خام	آمد و گفت قصہ را با رام
رام چوں دید حالِ خواجہ جناں	کرد برخود لباسِ پیرزناں

ل اے عمل جن و پری و ساحری میداند ۱۲

۲ مصرعہ ثانی صفت دیوبند واقع شدہ ۱۲

صندل آلوده روی و برقع بست — وز شناسندگانِ صورت رست

فرصتی جست و رفت پیشِ وزیر — گفت بشنو حدیثِ مادرِ پیر

من هم از دانش این قدر دانم — کز تو این فتنه را بگردانم

لیکن آنگه بود امیدِ فراغ — که تواں کرد بر سُرینِ تو داغ

گفت با او بعاجزی دستور — کانچه خواهی کن ار بود دستور

رام گفت آنچه[۱] زاں شوی بکراں — من نه گویم تو دانی و دگراں

کرد دستور خانه را خالی — پیشِ او چارپایه شد حالی

رام چوں ز اوستادیِ فنِ خویش — دید زاں گونه حالِ دشمنِ خویش

بر سُرینش داغها نهادش گرم — زیرِ لب می‌نمود خندهٔ نرم

سوخت چوں خواجه را بطنازی — دیو را باز داشت زاں بازی

بس نبود آنکه شد قفایش لعل — جفته را هم در آتش آمد نعل

خواجه بنشست با هزار خوشی — از قفا رومی و ز سُرین حبشی

گنجی اندر کنارِ رام افگند — چند گه یافت ایمنی ز گزند

رام را مادرِ زبانی خواند — بهتر از مادرانِ جانی خواند

محرمِ پردهٔ نهانش کرد — کارفرمای خان و مانش کرد

۱؎ رام که در پیکر زال بوده لقب با در پیر اختیار کرده بود بوزیر گفت من آں چناں عمل خواهم نمود که ازیں مصیبت عظمیٰ بر کراں باشی و رستگاری یابی ۱۲

او بغارت شد اندر آں بُستاں ‏ ‏ ‏ مگسے در میانِ خوزستاں[۵۱]

خانہ پر ز صد هزار پری ‏ ‏ ‏ هر یکے چوں ستارهٔ سحری

چوں جهاں سرمہ گوں شدی هر شام ‏ ‏ ‏ سرمهٔ خود بچشم کردی رام

بر نشستی بدیو دیوانہ ‏ ‏ ‏ وآمدی سوئے آں پری خانہ

هر کرا خاص کرده بودے روز ‏ ‏ ‏ شب شدے برمرادِ خود فیروز

آنکه بروے گذشتی آں بازی ‏ ‏ ‏ بستہ گشتی لبش بغمّازی

نتوانستی آں حکایت گفت ‏ ‏ ‏ که دُرش را درونِ پرده کہ سُفت

کردی اندیشهٔ زهر بابے ‏ ‏ ‏ که خیالیست ایں و یا خوابے

دُزد گر کیسه را فرا گیرد ‏ ‏ ‏ خواجه چوں ننگرد کرا گیرد

جا بجا کارنامهٔ شبِ دوش ‏ ‏ ‏ لب به لب میرسید و گوش به گوش

تا چو شد پاره پرنیانِ همه[۵۲] ‏ ‏ ‏ سخن افتاد در میانِ همه

پیش کز حملهاے[۵۳] بے سر و پاے ‏ ‏ ‏ ق ‏ ‏ ‏ فتنه زائیده اندرونِ سراے

دختراں تن به تیغ در دادند ‏ ‏ ‏ خواجهٔ خانه را خبر دادند

کافتے شد دریں سرا پیدا ‏ ‏ ‏ تیر پیدا و شست نا پیدا

تا نرفت ست کار و بار از دست ‏ ‏ ‏ چارهٔ کُن که رفت کار از دست

---

۵۱ نام ولایت که شکر آنجا در عمدگی مشهور ست و بعض معنی جاے طعام نیز گفته اند ۱۲

۵۲ مراد از بکارت ۱۲ ‏ ‏ ‏ ۵۳ ج = حیله هاے

خواجه را باز خوں بجوش آمد — جانش از سینه در خروش آمد

گفت با خود که یا رب ایں چه بلاست — میہماں نے وخانہ پر زصدا[1]ست

بسکه عاجز شد اندر آں تدبیر — خوا[2]ست بازیگری زما در پیر

پاسخش داد رام زیرِ نقاب — کاں خیال ست میرسد در خواب

گرچه نامش بدیو اُفتادست — لیک دانم که آدمی زادست

دیده را ریو سرمۂ کرده است — کز نظرہائے خلق در پرده است

گفته باید که تا ببامِ زمیں — بیشِ ہر حجرۂ کنند کمیں

میہماں چوں دروں خرامد زود — میزباں پیش در بر آرد دود

دود چوں سرمه را بشوید پاک — سرمه کش را نقاب گردد چاک

ور ازیں چاره ہم عنریو کنیم — دیو باشد فسونِ دیو کنیم

لیک باید که خواجه ناید پیش — تا نه بیند دگر قفار ریش

من ہم امشب بکنجِ خانه دروں — دفع ایں فتنه را کن[3]م بفسوں

ایں سخن گفت و رفت در خانه — گشت پنہاں بکنجِ کاشانه

شب چو پرِ دود شد سپہر کبود — دیده تر گشت ماه را زاں دود

رام در چشم کرد سرمۂ راز — اہرمن را فگند در پرواز

رفت در کاخِ دخترِ دستور — گنج بیداؤ نقب زن مستور

---

[1] ج = صلا [2] ج = خواست یاری گرے زما در پیر [3] جب = شوم

دود برکرد ماہِ آتش روے — شد کمینہ کشانِ سوے بسوے

سرمہ چوں شستہ شد ز دیدۂ رام — گشت پیدا رخِ چو ماہِ تمام

ہر کہ آں روے چوں پری میدید — چوں پری دیدگاں ہمی لرزید

ہم دروں ترشدند باہمہ بیم — سخت بستند دستہاے چو سیم

مژدہ بردند سوے خواجہ شتاب — خواجہ نیز اوفتاد در تگ و تاب

خواست تا سر بروں کند ز رواق — کز قفایش بیام رفت طراق

ہم چو دزداں گریز کرد ز پیش — وز قفا گشت دزدِ گردنِ خویش

گفت تا خونش بر زمیں ریزند — خاک با خونِ او در آمیزند

در دویدند خونیاں بستیز — از پۓ خوں کشیدہ خنجر تیز

چوں چناں دید زاد[1] سروِ جواں — رقیۂ خواب در دمید چناں

آنگہہ چوں ابلہاں برآشفتند — ابلہی بیں کہ در زماں خفتند

رام بکشاد بندِ خویش ز دست — ہمہ بندندگانِ خود را بست

ہر کہ آمد بہ بند گردنِ او — بندِ او شد دوالِ گردنِ او

وانگہے دست را باسترہ برد — سبلت و ریش جملہ پاک سترد

زاں ظرافت کہ موی در مو داشت — موی از جابگی فرو نگذاشت

چوں سزا کرد شاں ظریفانہ — بہ طریقے گریخت در خانہ

---

[1] زاد مخفف آزاد یا بمعنی پیدایش ۱۲

آسمان چون سترد طرّهٔ تار — خنده بکشود صبحِ سیم عذار

شد دگر بار رام برقع پوش — رفت در پرسشِ حکایتِ دوش

چون درآمد به پیش گاهِ دزیر — دید یک خانه پُر ز امردِ[1] پیر

همه را دود[2] رفته هیچ ماند — ریش گم گشته زنخ مانده

پردهٔ هر یکے چو غنچه درید — خود چو گل زیرِ پرده می خندید

باز پرسید خواجه را زاں راز — بر نیامد رمیده را آواز

بفریبش کشاده کرد نفس — گفت کاندیشه نیست زیں پس

سرِّ ایں فتنه خواندم از تمیز — کارِ دیو است و دیو مردم نیز

بستدم آں دیو را چناں بفسوں — که نیاید دگر بخانه درون

خواجه دل شاد شد ز شادی او — کآگهی داشت زاوستادی او

چند گه بود از گزند آزاد — بخوشی دادِ خوشدلی میداد

چون دلش گشت زاں بلاے بیم — تازه شد بازش آرزوے قدیم

خواست از نعمتِ ملک توشه — حقِ نعمت نهاد در گوشه

رام چون دید کو نهاں کردست — وز جوانانِ ناجواں مردست

در سر پردهٔ ملک به درست — خیره تر شد از آنچه بود نخست

---

[1] ریش و بروت همه ها که چوں پاک سترده بود لهذا امردِ پیر گفته ۱۲

[2] دود عبارت از ریش و بروت ودیخ از سپیدی چهره ۱۲

در شبے کو بہ بدسگالی بود ق — خواجہ مہمان خانہ خالی بود
رفت ہم بر سرِ پرشینہ — ہمچو گرگے بصید میشینہ
در مقامے کہ دخترِ دستور — بود در خوابگاہِ خود مستور
برگرفتش بہ پشتِ دیو نہاد — چوں گلے کش زجا رباید باد
خواندہ بودش فسونِ خواب بہ پیش — کہ بہ بردن خبر نہ داشت ز خویش
در نہاں خانۂ کہ بودے رام — بود بررفتہ[۱] منظرے زرِ خام
نشدی مرغ را خرام برو — رام بودی و دیو رام برو
دختِ دستور را در آنجا برد — زہرہ را برجِ جوزا برد
دخترِ نازنیں چو گل بہ بہار — خوبرو ہمچو صد ہزار نگار
غمزہ را تیغِ کافری دادہ — ناز را شغلِ دلبری دادہ
زلفش افگندہ عالمے در تاب — نرگسِ مست در کرشمہ و خواب
خانہ ویران کنِ ہزاراں دل — گبر زنّار بند و سبحہ گسل
چوں در آمد ز خواب چشم کشاد — سو بسو از کرشمہ چشم نہاد
دید جائے کہ ہیچ گاہ ندید — رہ بجائے کہ ہیچ راہ ندید
غرفۂ بردہ سر بکنگرِ ماہ — گرد رہ سوئے آسمانِ سیاہ
رام را دیدہ خانۂ معمور — آفتابے ببرجِ خانۂ نور

---

۱ بررفتہ بمعنی بلند ۱۲

زاں تحیر ہراس جانش بود | بود بخویش جائے آنش بود

دید چوں میزبانِ شعبدہ باز | ق | میہماں را زبے خودی بگداز

نرم نرمش بدلنوازی گفت | کای شدہ جفتِ تو منِ بے جفت

منکہ پیشِ تو دیوکردارم | آدمی ام نہ آدمی خوارم

دل ہراساں مکن بوہم وقیاس | آدمی را ز آدمی چہ ہراس

میہماں شو دمے بخانۂ من | تا شوی آگہہ از فسانۂ من

نازنیں کاں شکر فشانی دید | شربتے ز آبِ زندگانی دید

حیرتِ جاں بروں شدش زضمیر | حسرتِ دل[لہ] شدش گریباں گیر

گشت بر روے رام عاشقِ زار | دلش از دست رفت و دست زکار

رام نیز از نکوئی دلِ دوست | با نکوروی دوست شد در پوست

چوں دو دل را یکے شد اندیشہ | جوشش برزد تنِ ہوس پیشہ

رام کا دل شد آں صنم را جفت | گوہرِ سفتہ بارِ دیگر سفت

دلِ شاں چوں فراغ یافت زکام | ق | رام را گفت سروِ سیم اندام

کاے گرامی جوانِ زیباروی | ایں چہ جای است کیستی تو بگوی

من کہ ناسفتہ بود گوہرِ من | رخنہ کردی بلولوئے ترِ من

ویں زمانم ز پردہ کردی دور | باز در پردہ چوں شوم مستور

لہ اے در دل حسرت وصال رام پیدا شد ۱۲

صبحدم چون بپرده جویندم — گر نه بینند پس چه گویندم
مردن آدمی بنا کامی — بهتر از زیستن به بدنامی
رام گفتش که دل مدار غمین — که منم شهریار روی زمین
دارم اندیشهٔ بکار جهان — کاین چنین گشته ام بپرده نهان
چون برافتد نقاب امیدم — هم تو روشن کنی که خورشیدم
لیک سوگند می خورم بخدای — ق آنکه هستی بامر او ست بپای
که چو چسپم بچار بالش خویش — جز تو هسخوابه نجویم بیش
زان وثیقت عروس ترساخوی — کرد اندیشه از دل یکسوی
همه شب با نشاط و شادی بود — با قبادی و کیقبادی[1] بود
صبح چون رخ ز پرده بیرون کرد — پرن چرخ را پر از خون کرد
رام بر بست ماه را در برج — خود برون شد ز در چو لعل ز درج
صندل آلود رو و بست نقاب — در زمان پیش خواجه شد بشتاب
خواجه باز از درونه نگران — نعره زد چو سوخته جگران
که بجان آمدم ز غمخواری — میرم[2] ار مردنم روا داری
جگرم گشت دیو را توشه — چون توان زیست بی جگر گوشه
دیده بی مردم این چه بینائی ست — خانه بی پرده این چه رسوائی ست

---

[1] اے با عشرت شاہانہ شب بسر برد ۱۲

[2] حجب = مردم

مردمی کن کہ من بچشمِ نیاز　　مردمِ چشمِ خویش بینم باز

مادرِ پیر گفت دل خوش دار　　سینہ ز اندیشہ نامشوش دار

امشب از جست جوے مادرِ خویش　　باز بینی جمالِ دخترِ خویش

خواجہ از استوارئ کارش　　خاطر آسودہ شد ز گفتارش

شب چو شد جامِ مہ شراب[۱] آلود　ق　چشمِ خورشید گشت خواب آلود

رام در خواب کرد چشمِ عروس　　خانہ بردش بگاہِ بانگِ خروس

مردمِ دیدہ را چو دید پدر　　جاے کردش درونِ دیدۂ تر

چند گہ چوں شد از گزند آزاد　　باز نو کرد فتنہ را بنیاد

رام گفتا کہ رنجِ من چو از دوست　　کینش از دیگراں کشم نہ نکوست

بعد ازیں کارِ او ز سر گیرم　　پردہ از روے کار برگیرم

جست دعوی گری مخالف خوی　　زیرک و سخت خشم و حجت جوی

داد بیروں بخشم و کینۂ خویش　　داغِ دستور سوزِ سینۂ خویش

گفت زیں داغہاے دود اندود　　خواجہ را داغِ بندگی نہ زدود

شعلہ چوں برزند ز خامۂ او　　داغِ او بس خطِ غلامۂ او

داغِ او از سریں چو بر خوانی　　داغدارت شود بہ پیشانی

گر بکوشش زنی دریں رہ گام　　ہر چہ او دارد آنِ تست تمام

---

[۱] شراب مراد از روشنی ماہ ۱۲

مردِ روزی طلب ز شادیِ مال — رفت در پیشِ بادشا در حال

چنگ در زد بدامنِ دستور — گفت کز من مشو چنیں مستور

چوں غلامِ منی و حلقه بگوش — خواجه بشناس و خواجگی مفروش

قیمتِ خود بدامنم زر کن — خواجه را نیز بندهٔ خود کن

کارداران شاهِ راد[۱] پرست — به پژوهش زدند بروی دست

کانچه ملکیتش روا دارے — ملکِ تو باشد ار گوا دارے

مردِ حاضر جواب گفت که من — شیرخواره خریدمش به ثمن

پرورش کردمش چو فرزنداں — تاش نوروزِ عمر[۲] شد خنداں

چوں جواں گشت و خویش را بشناخت — با دغا پیشگاں دغا می باخت

کارِ ایں کز فراخ مزدی بود — حقه[۳] بازی و مهره دزدی بود

چوں بهر جا گرفتمش خفته — کردمش داغ جفته[۴] بر جفته

گر فتد بر گوا حوالهٔ من — داغِ او بس بود قبالهٔ من

خلق زاں خارخارِ[۵] بے آزرم — سر فگندند چوں بنفشه ز شرم

خواجه چوں دیدکش بپرده راز — نامه باز ست و حرفها[۶] غماز

بنده گشتش ز راهِ دانائی — معترف شد بوهمِ[۷] رسوائی

---

۱ راد بمعنی سخی و شجاع ۱۲ — ۲ اے تا آنکه عمرش بحد بلوغ رسید و نشاط انگیز شد ۱۲

۳ اے قمار وغیره میباخت ۱۲ — ۴ جفته بمعنی سُرین ۱۲ — ۵ خصومت بے صلح ۱۲

۶ مراد از حرفها داغهاے سرین ۱۲ — ۷ حجب = به بیم

درمیاں آمدند مردے چند　　کاردانانِ مصلحت پیوند

صلح کردند با توسطِ حال　　قیمتِ خواجہ را بہ مبلغ و مال

خواجۂ خواجہ ہم بداں زدودی　　گشت زانجا رواں بخشنودی

چند گہہ رفت و باز خواجۂ خس[1]　　کام دل را بسر فگند ہوس

رفت چوں بادہ بادہ کش می بود　　در حرم با حرام خوش می بود

رام گفتا کہ چند کوشیدم　　کانچہ پوشیدنی ست پوشیدم

لیک چوں خواجۂ مخالف و شوم　　ق　کو ز شہوت شدہ است نامعصوم

گشت لابد فریضہ بر جانم　　کاں کنم بر سرش کہ بتوانم

چشم میداشت ہم بریں تدبیر　　تا بر آماج گہہ رساند تیر

تا یکے روز بود ہم در پے　　خواجہ با غمگسار و شہ درمے

شحنہ در کوے می شمرد خراج　　دزدی کرد قلعہ را تاراج

فرصتے یافت رامِ فرصت خواہ　　برقع افگند و شد بخدمتِ شاہ

پیش ازاں خود ببازی[2] دستور　　شاہ را گشتہ بود خاص حضور

بارہا در شدی بمجلسِ خاص　　گہہ نوازن شدی و گہہ رقاص

گاہ کردے بغمزہ عربدۂ　　گہہ نمودے بپردہ شعبدۂ

چوں درآں روز ہم بہ بہروزی　　کرد ہر گونہ مجلس افروزی

---

[1] خس بمعنی کمینہ ۱۲　　[2] حجب = تزیاری

گفت شاہا بہ بیں کہ من بفسوں | بازیٔ میکنم ز پردہ بروں

در فسوں شد عجوزِ شعبدہ باز | داد افسونِ خواب را پرواز

تا بخلوت سرائے عیش و سرور | بانویٔ شہ بخفت با دستور

پس اشارت بسوئے دیو نمود | کہ بر آں خفتگاں دوید چو دود

خواب شاں خود ربودہ بود چو بخت | دیو ہم در ربود شاں با تخت

پس بہ پیشِ ملک برابر داشت | رام زانجا حرارہ[۱] بر داشت

چوں نگہ کرد شہ چہ بیند باز | حرمش با وزیر خفتہ بناز

از نوائے ترے ترانہ زناں | ہر دو برخاستند نازکناں

چوں کشادند چشم بستہ زخواب | شاہ دیدند و بزمگاہِ شراب

مجرماں سر بخود فرو بردند | مجرماں خود زخیرگی مردند

شاہ در خشم شد زمادرِ پیر | گفت کای زرق سازِ پُر تزویر

گر تو در پردہ بازئے بازی | لعبت از پردہ ہائے من سازی

بر تو گر آشکار شد کارے | در نہاں باز گو مرا بارے

نہ چناں کز گزافِ خود رائی | اینچنینم کشی بہ رسوائی

آں کنم بر سرت بپردۂ راز | کت بگردید سپہرِ لعبت باز

رو کنوں تا زکار سازیٔ خویش | باز مانی زخواب بازی خویش

---

۱ حرارہ بمعنی نعرہ و آواز ۱۲

این سخن گفت و کرد اشارت تیغ　　تیغ زن تند در رسید چو میغ

چوں چناں دید رام برقع بند　　برگرفت از قمر نقاب پرند

شہ چو چشم اندراں جمال انداخت　　صندل آلودہ بود رخ نشناخت

قدرے آب جست و رخ راجست[1]　　تا پدر روشناختش بدرست

نعرۂ زد چو سوختہ جگراں　　گریہ افتاد نیز در دگراں

رام برخاست با دو دیدۂ تر　　رفت غلطاں بزیر پاے پدر

پدرش گرم در کنار گرفت　　فرقش از دیدہ در نثار گرفت

آنکہ ہجرانِ شاں زہم بگسست　　ہر دو خوں گرم بود در پیوست

تا بدیرے بہم در افتادند　　بوسہ[2] بر دست و پاے میدادند

چوں دو دل را بہ بہتریں بختے　　داد شد دادِ آرزو لختے

ماجرائے کہ بود در دلِ رام　　اندک اندک فرو د خواند تمام

آں زمادر وبالِ دیدنِ خویش　　واں بہ تہمت سفر گزیدنِ خویش

قصۂ کحل و چشم بندیٔ خواب　　بازیٔ دیو آدمی بہ نقاب

واں بشہر اندر آمدن مستور　　حملہ بردن بسیلیٔ دستور

واں بداغِ سریں گداختنش　　پس بداں داغ بندہ ساختنش

سرگذشتے کہ داشت چوں ہمہ گفت　　شہ ز شادی چو برگِ گل بشگفت

---

[1] جست = شست　　[2] جب = بوسہ برروے یک دگر دادند

آں دو نوشتہ را بکینِ کہن — ہم بدو داد کآنچہ دانی کن
رام زانجا کہ بود با آزرم — بود بر سر فگندہ دامنِ شرم
داد شاں توشۂ فراخورِ خویش — پس بروں کردشاں ز کشورِ خویش
دخترِ خواجہ را نشاندہ بمہد — بردو آمد بروں ز عہدۂ عہد
شاہ نیزش چو دید کار آگاہ — بولی عہدیش نشاند[1] پگاہ
رام بہ نشست بر سریرِ بلند — کارہا را بنائے تازہ فگند
بود صندل چو سترِ اسرارش — صندلی شد نمونۂ کارش
تختِ والا ز چوبِ صندل ساخت — کرسیش نیز صندلی پرداخت
داشت زاں پس ہمہ بہ صلح و بجنگ — علم و چتر و جامہ صندل رنگ
رنگِ صندل لطیف تر باشد — تریش دفعِ دردِ سر باشد
زآبِ صندل تباں کہ رُخ شویند — زو طراوت برنگ و بو[2] جویند
رنگِ خوباں خوش ست صندل فام — خوش بود سروِ صندلیں اندام
چوں زلب ریخت سروِ صندل سود ق — شربتِ صندل و گوارشِ عود
شاہ سینہ بسینہ کردش جفت — صندل آلود سینہ راؤ بخفت

معطر کردنِ بہرام روزِ آدینہ بہشتِ ہشتم را و در گنبدِ کافوری

---

[1] جب = نہادہ کلاہ   [2] ج = بہ رنگ ورد

بابزم آرای خوارزمی لباسِ خیرالثیاب الابیض پوشیدن

روزِ آدینہ کز خزانۂ نور — سر برون زد شمامۂ کافور
کرد بہرام با ہزار امید — جامہ کافور فام چون ناہید[1]
لب پُراز خندہ چوں گلِ سوری — شد بگنبد سرائے کافوری
بہ لطافت نگارِ خوارزمے — کرد ترتیبِ رونقِ بزمے
خدمتِ خاص رامیاں بربست — ہمچو ہندویِ آفتاب پرست
از لبِ جام و جام لب برپے — گاہ مے داد گہ گوارشِ مے
شاہ باآں بہارِ دیدہ فروز — بادہ می خورد تا باخرِ روز
شب چو خورشید بست پردۂ تار — شد فلک پر ز صد ہزار نگار
رونقِ عیش بے مدارا کرد — رغبتِ ہر شب آشکارا کرد
گفت باآفتابِ سیمبراں — تا نگالد فسانہ چوں دگراں
نازنیں چشمہاے خواب آلود — در کفِ پاےِ شاہِ عالم سود
گفت کاے خسروِ زمین و زماں — زیرِ فرمانِ تو ہمین و ہماں
تا سپہرِ بلند برپاے است — ق — نورِ خورشید عالم آراے است
در جہاں مملکت فزائی کُن — بادشاہ باش و بادشاہی کُن

---

[1] ناہید ستارۂ زہرہ کہ بر فلک سوم تابد ۱۲

چه بود تحفهٔ مورِ بے جاں را — کہ کند پیشکش سلیماں را

لیک چوں دستِ من ذَیلِ عطاست — کرمِ شاه پرده پوشِ خطاست

نقد کم سکہ را عیار دہم — کاسدی را رواجِ کار دہم

از بزرگی و دانشِ آگاہی — ق — ایں شنیدم کہ پیش ازیں گاہی

افسانه گفتنِ لعبتِ کافوری بر سقنقور مزاج و آتشِ بہرام را آبِ کافور اشتعال دادن

درختن بود فیلسوفے چست — رازہائے ستارہ کردہ درست

خامه بر تختهٔ فلک رانده — واں همه تختها فرو خوانده

وقتہائے شناختہ بہ نہفت — کہ در آرد جہاں را در گفت

راست کردے برہمنونِ حکیم — صورتی ز آہن و مس و زر و سیم

گہ نمودے نہفتہ ہائے جہاں — کردی آگہ ز رازہائے نہاں

ساختے مرغ کآمدے بہ نوا — بر پریدے چو جانور بہ ہوا

تیزیِ خاطرش کہ موئی شگافت — وقتی از وقتِ آسماں دریافت

ساخت از روی و مس یکی تمثال — کہ بجنبد ز چیزہائے محال

چوں شد آراستہ نمونہ چست — آزمونش نمود و یافت درست

۱؎ ن — کہ نمودے

پیش فرماندہِ دیارش برد هنرش گفت بعد ازاں بسپرد
کرد شہ نیز آزمونِ ہنر واں ہنر یک یک آمدش بنظر
داد سازندہ را خزینہ بسے کاں خزینہ ندادہ بود کسے
پس بفرمود کاں صنم بشتاب برکشیدند پیشِ صفحۂ خواب
چوں زہر کار و بار پرختی چشم بروے گماشتی لختی
باز گفتے حکایتے ز محال درزماں خندہ کردی آں تمثال
خوی آں بادشاہ بود چناں کز عروساں کشیدہ داشت عناں
خواندہ بود از کتابِ دانایاں کہ ندارد فریبِ شاں پایاں
خوی شاں خالی از جفا نبود در دلِ سختِ شاں وفا نبود
ہمچو آئینہ در مقابلِ شوے آہنیں دل بوند و روشن روے
روزے از میلِ زن شدہ بہ نفیر[1] ماجرا باز گفت پیشِ وزیر
پاسخش داد مردِ کارشناس کہ خزینہ خطا بود بے پاس
مرد جائے کہ ہوشیار بود بازنش فتنہ را چہ کار بود
عسسِ کوے تا بود بیدار کفِ دزداں کجا رسد بحصار
چوں ببازار خواجہ مست اُفتاد زشت باشد زکیسہ بُر فریاد
تو جوانی و طبعِ پیرت نیست از نشاطِ حرم گزیرت نیست

---

[1] نفیر بمعنی متنفر لیکن دریں بیت بمعنی فریاد آمدہ ۱۲

شاہ گر نسل بے عطا باشد　　ملک بے وارثے خطا باشد

بہ کہ جوئی در آرزو راہے　　در شبستاں در آوری ماہے

بر یکے نیز بس مکن زنہار　　کز یکے کشت سہل خیزد بار[1]

پادشاہی[2] تو کم مشو ز خروس　　کہ جدا بود از سہ چار عروس

جفتِ خود کن کسے کہ باید کرد　　آزموں کن چنانکہ شاید کرد

آنکہ نیک ست خاص کن بر خویش　　دیگراں را بروں کن از درِ خویش

کرد شہ آں فسانہ را در دل　　شد بدنبالِ لعبتانِ چگل[3]

باز می جست در ولایت و شہر　　خبر از مردمانِ دانش بہر

تاکہ دارد ز خسروانِ جہاں　　روے پوشی[4] بپردہ ہاے نہاں

چوں نشاں یافت زاں نشانہ کہ خواست　　ق　　واگہی راست گشتش از چپ و راست

نامزد کرد کاردانان را　　ہوشمندان و مہربانان[5] را

ہر یکے را بسوے تاجورے　　کارداز سلکِ نسبتش گہرے

با زر و جامہ و جواہر و طیب　　خدمتے ہا و چیزہاے غریب

واگہی زاں نمط کہ فرماں بود　　ہر یکے[6] جانبے رواں شد زود

می نوشتند روز و شب راہے　　سوے ہر شہریاری و شاہے

---

[1] بار سہل خیزد اے غلہ اندک پیدا می شود ۱۲

[2] حجب = بادشاہی مباش

[3] شہریست حسن خیز در ترکستان ۱۲

[4] اے دخترِ صاحب عصمت ۱۲

[5] ج = خردہ کاراں

[6] حجب = ہر کسے

در پسِ پرده رازی جستند | جستهٔ[1] شاه بازی جستند
تا رواں شد بکار خانهٔ بخت | چار دختر ز چار صاحبِ تخت
باز گشتند خوش دل و خنداں | کام حاصل امید صد چنداں
در رسیدند و پیشِ شاه شدند | بزمیں بوسِ بارگاه شدند
تازه کردند شرطِ مسند بوس | پیش بردند مهدِ چار عروس
شاه زاں خدمتِ پسندیده | بارِ منت نهاد بر دیده
هر یکے را به زر توانگر کرد | پایهٔ شاں ز آنچه بود- برتر کرد
پس فرستاد با تنعم و ناز | بانواں را درونِ پردهٔ راز
شاه را بود کوشکے چو بهشت | کنگرِ او بر آسماں زده خشت
راست کرده به نسبت و هنجار | چار جانب عمارتے چو نگار
یک طرف باغ - زیرِ سایهٔ شاخ | رودِ آبے رواں بزرگ و فراخ
نردبانے ز کاخ برده فرود | که رود شاد در کرانهٔ رود
کرد از جانبِ دگر گزرے | باز کرده بپایگاه[2] درے
نردبانے بزیر برده که شاه | سوے آخور[3] شود گهه و بیگاه
سومی زاں علف سرائے شتر | اندروں و بروں ز بختی پر

---

[1] اے مطلوب ۱۲
[2] پاے گاه مرکب از پا که معروف ست و گاه بمعنی جگه - اے جاے پاے چهار پایاں و فارسیاں طویله اسپاں را پایگاه گویند ۱۲
[3] آخور بمعنی اصطبل ۱۲

زد بانے دگر کشیده بزیر — تا رسد بر شتر نوازشِ شیر[1]

چار می سوے کارخانۂ مے — ساقیانِ چو مہر و مہ در وے

راست کردند برگِ خانہ تمام — چار بت را درونِ چار مقام

شب چو پیرایۂ عروساں بست — راهِ فریاد بر خروساں بست

خاست از بارگہہ ملک بشتاب — رفت سوے نگارخانۂ خواب

داد فرماں بساط بوساں را — کآوریدند نو عروساں را

آمدند آں شکرلباں رو پوش — گیسوئے عنبریں کشیدہ[2] بدوش

مقنعِ[3] ناز در کشیده به فرق — فرق تا پا میانِ گوہر غرق

ہمہ فربہ سُرین و موی میاں — از خرامش میان شاں بزیاں

دُر و یاقوت شاں بگوش بسے — لیک یاقوتِ شاں نہ سُفتہ کسے

زلفِ شاں مشک بر سمن بیزاں — زیرِ ہر موئے صد دل آویزاں

نرگسِ مستِ شاں بفتنہ و فن — پارسا سوز بلکہ توبہ شکن

ہر یکے شوخے و ستمگارے — خانہ ویراں کنے و خونخوارے

شہ چو دید آں چہار چشمۂ نور — گشت ہوش و صبوری از وی دُور

ہر یکے را بہ لطف بالا خواند — پہلوے خویش بر سریر نشاند

کرد لختے بہ لعبہ و بازی — با فسون خواندگاں فسوں سازی

---

[1] مراد از بادشاہ ۱۲ — [2] حجب = فگنده — [3] چادر باریک کہ یک عرض باشد ۱۲

پس یکے زاں چہار لعبتِ چیں   از پئے خواب گاہ کرد گزیں
دیگراں خاستند با صد ناز   در شبستانِ خود شدند فراز
شہ چو گل راز خار خالی یافت   وانچہ صد سال جست حالی یافت
با شکر خندہ شد بشیرینی   در گل افشانی و شکر چینی
گاہ بر سیبِ سادہ سود انگشت   گہ در آورد نارِ تر در مشت
ناگہاں درمیانِ لا بہ و لاغ   کہ گل و میوہ می ربود ز باغ
داشت لختے بہ کف گل خوشبوی   سر و گل روی رابزد برروی
نازنیں شد زنازکی بیہوش   شاہ کاں دید برکشید خروش
زاں عمل کز خرد[۵۱] نبودش نور   خندہ زد لعبتِ[۵۲] طلسم از دور
شاہ لختے بخویش باز آمد   بارش اندیشۂ فراز آمد
چوں ازاں بیخودی صنم برخاست   نظرے میفگند در چپ و راست
چشم ناگہ فتاد بر زبرش   وآمد آں نقشِ فتنہ در نظرش
دید روئینہ پیکرے برسر   راست کردہ بکیمیاے ہنر
زیرِ مقنع فرو نہفتہ جمال   گفت نامحرم ست ایں تمثال
آں نو آئیں خیالِ قہقہہ زن   باز در خندہ باز کرد دہن
بادشاہ از دلِ خیال اندود   در عجب ماند کیں چہ خواہد بود

---

[۵۱] از صدمۂ ضرب گلہائے تر بیہوش شدن ۱۲
[۵۲] تصویر طلسم کہ بر محالات می خندید ایں وقت ہم خندہ زد ۱۲

بود تا روز با صنم به نشاط | رازِ[۵۱] دل را نمود نوشته بساط
گشت چوں لعبتِ فلک خنداں | کرد پنہاں عروسِ شب دنداں
آفتابِ شبانہ رانمود | جابہ برجے کہ سوئے آخر بود
وآنچہ نزلے عروس را شاید | شد مہیا چنانکہ می باید
پس بہ فرمود با وکیلِ سرائے | شد بسرودِ گر ہر برآرائے
خود چو شاہاں برہمونیِ بخت | ق | با عروسِ دگر نشست بتخت
دید مردم کشے بناز و خوشی | بوسہ بازی نمود و زلف کشی
ناگہانش کشید در آغوش | پشتش از شقہ[۵۲] کرد قاقم[۵۳] پوش
باز قاقم چو پشتہ نہاد برو | خار خارے در او فتاد برو
تہِ دامانِ شقهٔ بے صبر | جست زاں تہ چو برقی از تہِ ابر
گفت کافگار گشت پشتِ مرا | موے قاقم خلید و کشت مرا
باز شد پیکرِ ہنر خنداں | شاہ را شد خیال صد چنداں
تازہ کرد از طریقِ دم سازی | با غلط بازِ خود غلط بازی
گفت کاحسنت شاد باش آں تن | کہ بود موے قاقمش سوزن
چوں تنت را لطافت افزون ست | رو در آئینہ بیں کہ تا چون ست

---

۵۱ اے راز دل در دل نہاں داشت ۱۲

۵۲ شقہ بمعنی پارچہ و جامہ و کاغذ وغیرہ و در منتخب بمعنی جامۂ پیش شگافتہ ۱۲

۵۳ قاقم بضم قاف و دم جانوریست کہ پوستش بغایت سفید و ملایم باشد و ازاں پوستیں سازند ۱۲

در صنم در گرفت شیوهٔ شاه ‏ ‏ آئینه برگرفت و کرد نگاه

شاه رو برد سوے پهلویش ‏ ‏ تا در آئینه بنگرد رویش

چوں صنم عکس شه در آئینه دید ‏ ‏ ق ‏ ‏ بادشاهِ دگر معائنه دید

روی بنهفت کیں کدام کس ست ‏ ‏ کش بدیدار چوں منی هوس ست

در چنیں روے کز مهے کم نیست ‏ ‏ جز تو عکسِ تو نیز محرم نیست

باز در خنده شد خیالِ حکیم[1] ‏ ‏ دلِ شه گشت زاں خیال دو نیم

با صنم هیچ زاں خیال نگفت ‏ ‏ کامِ دل راند تا به روز نخفت

قندز[2]ِ شب چو مه فگند ز دوش ‏ ‏ گشت سلطانِ[3] صبح قاقم پوش

قاقم اندام را اشارت کرد ‏ ‏ تا شود سوے پرده راه نورد

جائیگاهش بمنظرے فرمود ‏ ‏ که رهش سوئے ساربانان بود

اتفاقش چناں فتاد آں روز ‏ ‏ که بود هم بروز بزم افروز

سوئے ماه را بحضرت[4] خواند ‏ ‏ پیشِ خود با هزار ناز نشاند

گلشنے بود پیشِ منظرِ خاص ‏ ‏ بلبلے گردِ هر گلے رقّاص

حوضهٔ در میانش بسته ز خشت ‏ ‏ هشت در هشت همچو جوی بهشت

---

[2] بضم قاف و سکون نون و ضمه دال مهمله و زاے معجمه نام ولایتے قریب ظلمات و نام جانورے سیاه رنگ مشابه بسگ و مجازاً پوست آں را نیز گویند از برهان و سراج و کشف و در لغات ترکی نوشته که قندز نام ولایت ست میان بلخ و بدخشاں و جانور آبی که پوست او بغایت گرم بود ۱۲ [1] جب = طلسم

[3] معنی مصرع اینکه آفتاب گرم شد ۱۲ [4] جب = بخدمت

ماهیاں درمیانش بازیگر | هر یکے را بگوش حلقهٔ زر
کشتیٔ ساختہ ز پارهٔ عود | چوں مہِ نو در آسمانِ کبود
لعبتے چند کرده در وے ساز | چوں بدریا مسافرانِ جہاز
گشت لختے بہارِ سوسن بوے[۱] | در تماشائے باغ و سبزهٔ و جوے
چوں ز گلشن بحوضِ گلشن دید | چشمِ ماہی فراخ و روشن دید
درزماں روے ز آستیں بنہفت | ق | پس بنازو کرشمہ باشہ گفت
کیں ہمہ ماہیاں در آتش ریز | کہ نگہ می کنند بر من تیز
من کہ از چشمِ مادہ پرحذرم | آنکہ نر شد چرا کند نظرم
ایں سخن باز کاں خیال[۲] شنید | خندہ بر داشت کاں محال شنید
ملک آں خندہ را غلط نشمرد | لیکنش ہم بخندہ بیروں برد
گشت بازا زرہ فسوں خوانی | باپری چہرہ در سلیمانی
چوں نمود از طریقِ عیش دمے | خندہ و لاغ با چنیں صنمے
صنمِ لالہ رخ دگر بارہ | بر سرِ حوض شد بنظّارہ
بادناگہ بسوے کشتی تاخت | واں ہمہ لعبتاں در آب انداخت
چوں نگہ کرد غرقِ گشتنِ شاں | ق | واں ز سرِ آب بر گذشتنِ شاں
لرزه در شخصِ نازنیں افتاد | کز چناں لرزه بر زمیں افتاد

---

۱ مراد از معشوقہ سویں ۱۲   ۲ مراد ازہماں پیکرِ طلسمی ۱۲

باز در خنده شد طلسم جناں — کہ ملک را ز دست رفت عناں
لیک چوں روئے دل نگار بداشت — وانگفت ار بدل غبار بداشت
زد بروے بتِ رمیده[1] گلاب — تا دو چشمش کشاده گشت ز خواب
پس بنقل و شرابِ جاں افروز — بود با او بخوشدلی ہمہ روز
آخر آں ماه روے روز نشیں — خواست کش منزلے شود تعییں
گشت فرماں کش آورند فرود — در رواقے کہ بود بر سرِ رود
ماه چوں زد بر آسماں خرگاه — گشت شب پرده دارِ خرگہِ ماه
شاه در خرگہِ نشاط نشست — ماهِ چارم میاں بخدمت بست
با ہزاراں ہزار زیور و زیب — شد رواں تا بروز شاهِ شکیب
دید چوں مسندِ جہانداراں — خاک بوسید چوں پرستاراں
بر زمیں کرد پائے خدمت سخت — تا نخواندش نرفت بر سرِ تخت
سر براهِ فگندگی می داشت — جاں بہ تسلیمِ بندگی میداشت
بود در پایۂ رضا طلبی — نہ چو دیگر بتاں بہ بو العجبی
تا فروزنده شد جہاں را ماه — بود پائیں پرستِ خدمتِ شاه
صبح چوں برگرفت جامِ شراب — زنگیِ شب ز جرعہ گشت خراب
شد بفرمانِ شاهِ سروِ جواں — سوئے برجِ شراب خانہ رواں

---

[1] مراد از معشوقۂ بیہوش افتاده ۱۲

گشت زاں چار ماہِ حور سرشت — کوشکِ چار سو چو ہشت بہشت

پس برافروخت شہ ز شادیِ مغز — داد با خویشتن قراریِ نغز

کہ بود بعد ازاں بہرِ ماہے — ہفتہ مہمانِ ہر ماہے

باسہ ہمخوابہ زعیبتش خوش بود — دلش از چارمیں مشوش بود

گفت ہست آں سہ دُرز درجِ گراں — نازپرورد تختِ تاجوراں

چارمیں تخت را نہ درخور دست — کوگدایانِ رنج پرور دست

ہرکرا پرورش بناز بود — نازنین و کرشمہ ساز بود

وانکہ خود را کسے نداشت عزیز — چاپلوسی کند بسانِ کنیز

دلش آسود بر چنیں غلطے — بر خطِ راست برکشید خطے

باسہ بانو سہ ہفتہ بودے شاد — از چہارم گہے نکردے یاد

یکشب از جامِ بادہ مست و خراب — خفتہ بود اندرونِ خانہ خواب

درکنارِ آں بہارِ دیدہ سنرز — کز گل آزردہ شد نخستیں روز

چوں درآمد ز خواب یافت تہی — بسترِ خواب راز سروِ سہی

سر برآورد و دید در چپ و راست — چوں ندیدش زخوابگہ برخاست

سوے ہر منظر و رواق دوید — رفت و آنرا کہ دید نیست ندید

ہر عمارت کہ رفت بر سرِ او — دید قفلے نہادہ بر درِ او

(۱) حجب = کز — (۲) جب = دے

بر درِ نزدبان چو رفته فراز | دید قفلش فتادہ و در باز
برگرفت از سرانِ[۱] خود شمشیر | وز سرِ نزدبان دوید بزیر
خویشتن را نهفته داشت درون | وز پسِ در نظر فگند برون
دید خربنده[۲] زنگیِ سرمست | ق | از سرِ خشم تازیانه بدست
بر تنے کز گلش رسید آزار | میزد آں تازیانه را ہر بار
بانگ میزد برآہواز شیرے | که چرا ماندۂ بدیں دیرے
او ہمی گفت نرم نرم که شاه | تا نخسپد چگونه گیرم راه
شه چو بشنید ماجرائے عروس | رخ گشت از غضب چو خونِ خروس
آمد اندر دلِ خرد بنیاد | خندۂ لعبتِ[۳] طلسمش یاد
خواست کز کنج در برون تازد | ہر دو را سر بدامن اندازد
لیکن اندیشه کرد در دلِ خویش | ق | کیں دو را گر سر افگنم در پیش
لعبتانِ دگر شوند آگاه | من بر اسرارِ شاں نیابم راه
باز پس گشت ہم بداں تدبیر | رفت و در خواب شد بروئے سریر
یافت چوں با نوا ز حریف خلاص | آمد او ہم درون به بسترِ خاص
چوں رہا شد ز دیوِ ظلمت[۴] حور | گشت زاں حور عالمے پرنور

---

۱ سران اے بالیں ۱۲ ۲ خربنده اے خادم و سائیس خر ۱۲ ۳ جب = صورت
۴ عبارت از طلوع سحر ۱۲

شاہ منزل بہ برجِ دیگر کرد   ماہِ آں برج را منور کرد
بادہ میخورد با شکرلبِ خویش   راز را مہر بست بر لبِ خویش
منتظر تا بشب کے[1] آید روز   کو شود بر مرادِ خود فیروز
رفت خورشید چوں بہ اوجِ خاک   مہ برآمد بہ تختۂ افلاک
شاہ پیشِ عروس شاہ پرست   بہ تکلف نمود خود را مست
بے خبروار سر بہ بالش برد   در دیدہ بقفلِ خواب سپرد
چوں گذشت از شبِ سیاہ دو پاس   نازنیں را بدل نماند ہراس
خاست از پہلوے ملک بشتاب   سوئے منظر دوید چوں مہتاب
گشت در دستِ نفسِ فتنہ زبوں   در بیروں کشاد و رفت بروں
ساربانے درآں سرائے شتر   بود رہ جوئے آں طویلۂ[2] دُر
آنچناں صیدے[3] آمدہ بنشاط   وز پلاسِ شتر فگندہ بساط
چوں صنم در رسید جست ز جائے   زلف بگرفت و او فگند ز پائے
پس بزورش درآورید بزیر   بر سرِ خارہائے چوں شمشیر
پشت کز قاقمے نگارش بود   تکیہ بر دورباشِ خارش بود

---

[1] اے روز کے شب شود ۱۲   [2] طویلہ در اصل بیاے معروف ست لیکن فارسیان بیاے مجہول نیز استعمال کنند و آں رسنے دراز باشد کہ بداں پاے چند اسپاں می بندند و مجازاً بمعنی مکان و عمارت کہ در آں اسپاں را نگاہ دارند و طویلہ بمعنی سلک و رشتہ مروارید نیز آید و اینجا مراد از طویلہ دُر معشوقہ دو میں ۱۲

[3] ساربان دید کہ آں چناں صید بہ نشاط تمام می آید پس از پلاس شتر کہ سخت و درشت باشد فرش طیار کرد ۱۲

شاه آں آفتاب را در حال — رفت پویاں چو سایه در دنبال

چوں تنِ نازکش بدید چناں — گشت مو بر تنش ز غصه سناں

غیرتش گرچه بود پرده شگاف — نیز نشگافت پرده را بگذاف

سر کشید از وفای همسرِ خویش — رفت و در کرد سر به بسترِ خویش

همسرش کز برش جدائی یافت — آمده نیز چوں رهائی یافت

صبحدم کیں عروسِ روشن چهر — آشنا ور شد از محیطِ سپهر

شاه زاں بت رهِ جدائی جست — بابتِ دیگر آشنائی جست

شد سوئے برجِ آب راه گرائے — کرد چوں مه ببرجِ آبی جائے

بانوئے آب دار روشن[۵۱] روئے — ریخت در ساغرِ آب آتش خوی

شاهِ گیتی بکارِ آب نشست — در دلِ دشمن آبگینه شکست

خوش کسے کاندریں کهن دولاب — آب خوش[۵۲] خورد زیں رهِ بے آب

کآب ندهد بجس یکے کوزه — شیشهٔ آب گونِ فیروزه

بود تا شب بمجلس آرائی — با مهِ تنگ چشمِ یغمائی[۵۳]

آرزو در کنار و مے در جام — به ازیں دولتے کجا و کدام

ریخت چوں ایں سفالِ ریحاں روئے — ق — چشمهٔ آفتاب را لبِ جوئے

---

۵۱ حجب = آتش

۵۲ آب خوش خوردن اے مراد خویش حاصل کردن ۱۲

۵۳ منسوب به یغما که شهریست حسن خیز در ترکستان ۱۲

بازشه پیشِ ماهِ زرق فروش　　خویش را است ساخت چوں شبِ دوش

سر بہ بالش نهاد بیخود وار　　چشم پوشیده و دلش بیدار

چوں ز شب نیمه تمام گذشت　　مردماں را تگِ خرام گذشت

صنم از خواب گاه رفت فرود　　جامه بیروں کشید بر لبِ رود

پیش ازاں رفته بود گاهِ فراغ　　کرده پنهاں سبوئے اندر باغ

بسته وزیر کرد و راند بر آب　　چوں گلے کو کند مراغه[۱] در آب

چوں یک آماج[۲] رفت زآنجا دور　　ملک از غیرتش نماند صبور

جامه بیروں کشید و هم در پے　　شد بدنبال در نظارهٔ وے

چوں گذارا[۳] رسید لعبتِ سیم　　کرد جاں را بکامِ دل تسلیم

هندوئے چوں سگانِ آهوگیر　　در کمیں بود بهرِ آں نخچیر

چوں تمنائے خویش در بر یافت　　ق　　و آنچناں ماه بے قصب[۴] وے یافت

در وے آویخت چوں مگس در قند　　داد مه را بار دهها پیوند

چوں بدید آں نظاره خسروِ عصر　　بادلِ خسته باز رفت بقصر

واں پری نیز چوں ز دیو برست　　بسلیمانِ خویشتن پیوست •

---

۱ مراغه کردن بمعنی غلطیدن ۱۲　　۲ مقدار یک پرتاب تیر ۱۲　　۳ گذارا آنرا گویند که ازیں کنارهٔ دریا عبور کرده برکناره دیگر رسد ۱۲　　۴ در خیابان نوشته که قصب بمعنی جامه معرب کسب ست بفتحتین و کاف عربی جامه ست که در هند مشهور ست نوعے از بافتهاے ابریشمی دراینجا از بے قصب مراد عریاں ۱۲

صوفیٔ صبح خیز چرخ کبود ... چون پدیدار شد چو پارهٔ نور
شه روان شد که تا شود بقیاس ... چارمیں سکّہ را عیار شناس
رفت در برج چارمیں خورشید ... مجلس آرائے گشت چون جمشید
چون در آن برج روشنائی یافت ... همه سیمائے پارسائی یافت
هم نشد خوش که در دل نگراں ... تازه بودش جراحت دگراں
نازنیں برقرار خدمت خویش ... ایستاده چو بندگان در پیش
می نمود از طریق دلداری ... هم حریفی و هم پرستاری
بود در رو تازه چون گل سوری ... تا سیه شد جهان کافوری
شب چو خورشید شد بگوشه نهاں ق ... وز شغب ماند گوشهائے جہاں[1]
شاه بر نسبت دگر شبها ... مهر حکمت نهاد بر لبها
ساخت خود را چنانچه دانی مست ... وز رخ دوست دیده بر هم بست
چون بدو رغبتے نداشت خیال ... طبع را سوئے او نداد عناں
تا ز شب رفت نیمه کم و بیش ... واں صنم دید خواب منعم خویش
خاست از خواب و شد بگوشهٔ برج ... گشت مستور چون دُر اندر درج
دور کرد آنچه زیب و زر پوشید ... جامهائے سپید در پوشید
بتضرّع نهاد رو بخدائے ... وز پئے طاعت ایستاده بپائے

---

[1] اے گوشہائے جہاں از شور و غوغا آسود ۱۲

چوں ذلیلاں بعجز مے نالید — دیدہ بر روے خاک مے مالید

شہ کہ بود از کمیں بد نبالش — دید چوں در سلامتی حالش

زاں نہفتہ خدائے خوائیِ او — بیشتر گشت بد گمانیِ او

بر ظن کآں نیایش اندر پوست — از براے فریب ناکیِ اوست

آزموں کرد گاہ و بیگاہش — خارِ غیرش ندید در راہش

داشت در سینہ نیک خوئیِ او — دم نزد با وے از نکوئیِ او

ز آزمونِ تباں چو دل پرداخت — ہر یکے را چنانکہ بود شناخت

بست دل تا کند بپردۂ خویش — ہر یکے را سزائے کردۂ خویش

گفت با خادمے کہ زود خرام — آورا از دروں سبوئے خام

رفت پنہاں بباغ زود از زود — خام بنہاد پختہ را بربود

چوں بہنگامِ خویش سروِ جواں(۱) — بر لبِ رود شد چو آبِ رواں

از تہِ سروبن سبو برداشت — راست در زیرِ سروِ دیگر داشت

آشنا کرد و راہ پیش گرفت — رہ سوے آشناے خویش گرفت

راست کاندر میانِ رود رسید — از دگر عالمش درود(۲) رسید

در گداز اوفتاد مرکبِ خام — بوکیلِ اجل سپرد لجام

در تہِ آب رفت لعبتِ سیم — چوں بدریائے ژرف دُرِّ یتیم

---

(۱) جب = رواں

(۲) اے اجل پیش آمدہ سلام گفت ۱۲

اخترش طالعِ سیاہی یافت ‌‌‌ ‌ ماہِ منزل ببرجِ ماہی یافت
او شد و کیست کو چناں نشود ‌ ‌ بر فلک نیک و بد رواں نشود
ہر کہ از پردہ رُخ نمود چو برق ‌ ‌ ز آشنائی چنیں سبو شد غرق
شاہ چوں دل ز یک صنم پرداخت ‌ ‌ جائے لعبتانِ دیگر ساخت
آنکہ از برگِ گل رسیدش کوب ‌ ‌ بس بیازرد چوں نبات از چوب
آنچناں زد بتازیانہ تنش ‌ ‌ کہ چو گل پارہ پارہ شد سمنش
ہم بجز بندہ کہ یارش بود ‌ ‌ ساخت جفتش کہ سازوارش بود
تا در آخور[۱] کہ خوردہ پاک کند ‌ ‌ یادِ آں دولتش ہلاک کند
خوردنش چوں بخانہ جو باشد ‌ ‌ ہر زمانیش مرگِ نو باشد
وآنکہ نشتیش خراشِ قاقم داشت ‌ ق ‌ دل بدنبالِ ساربان گم داشت
کوفت از خار پائے تا بسرش ‌ ‌ تا بہر مو شکست نیشترش
نیل کز نوکِ خار بر تن بود ‌ ‌ راست چوں نقش ہائے سوزن بود
پس بخواری ز خود کرانش داد ‌ ‌ ہم در آغوشِ ساربانش داد
تا چو برگیرد اشتراں را پشک[۲] ‌ ‌ یادش آید ز بوئے عنبر و مشک
واں صنم کز دلِ بسامانش ‌ ‌ لوثِ شہوت نداشت دامانش

---

[۱] چوں در اصطبل خوردہ خراں و اسپاں برید از یادِ آں تنعم شاہانہ ہلاک شود ۱۲

[۲] بمعنی سرگیں کہ بہندی مینگنی گویند ۱۲

برکشیدش باحترامِ تمام		بانوِ بانوان نهادش نام
کرد عہدے کہ تا بود عہدش		ماہِ دیگر نتابد از مہدش
بسکہ آں پاک دامنِ پر نور		داشت جامہ سفید چوں کافور
شہ موافق شد اندراں کارش		گشت کافور گوں شبِ تارش
پس ازاں چوں بلاص نامۂ شاں	ق	بود کافور نام جامۂ شاں
جامہ کافور گوں بہ است بساز		کہ زخیر الثیاب[52] یافت طراز
پاک رنگ ست رنگِ کافوری		ناچہارا بیاضِ مغفوری
چوں شود موئے آدمی کافور		موئے اورا خدائے خواند نور
روزِ روشن کہ سربسر نور ست		ہمہ نورش برنگِ کافور ست
شہ کز افسانہ ماہِ منظورش		داد کافور چوں سقنقورش[53]
ہمچو کافور ماہِ زہرہ تاب		گشت با اویکے و رفت بخواب
بعد ازاں زندہ بود تا بہرام		ہمبریں گونہ داشت عشرت وکام
ہر شب از گنبدے گذر می کرد		عیش در گنبدِ دگر می کرد
چند گہ زیرِ ہفت گنبدِ نور		نشد از عیشِ ہفت گنبد دور
عاقبت ہفت گنبدِ گردوں		کرد از ہفت گنبدش بیروں

لاہ حجب = زخیر الثیاب

۵۲ در حدیث آمدہ است خیر الثیاب ثوب ابیض یعنی بہترین لباس ہا لباس سفید (کافوری) ست ۱۲

۵۳ جانوریست از حشرات الارض مثل سوسمار یعنی گوہ نزد اطبا گوشت آں بغایت مقوی باہ است ۱۲

نامِ او چوں زگور نسبت یافت | ہم بگنبد سرائے گور شتافت

داستانِ وفاتِ بہرامِ و آہنگ او سوی گور و در پئے گور در چاہ فرو رفتن و در بوستانِ بہشت رسیدن

قصہ پرداز شاہِ گنبد ساز | داد در ہفت گنبد ایں آواز

کہ چو بہرام چندے از دلِ شاد | راند گنبد بگنبد اسپ مراد

عاقبت گنبدِ سپہر بزور | شد کشانش بسوئے گنبدِ گور

داد گنبد کناں[1] و گور زناں | گوربا را بگورِ دشت عناں

جست چنداں بگور و صحرا راہ | کہ در افگند گور رخش اندر چاہ

روزی از بس کہ دل بگورش بُو | سوے پہلوے گور شورش بود

بامداداں پگاہ گشت سوار | راند بیروں بجست و جوئے شکار

بادپا را بہر طرف در گشت | مید وانید ہمچو باد بدشت

کرد ی آں سو کہ کُرّہ[2] راندی تند | پائے آہو زرہ بریدن کند

تیرِ آہو کُشش زدی بصریر | نغمۂ ہندوانِ آہو گیر

زاں نئے تیر مینزد از ہر سو | گلہ گور و جستہ آہو

اندراں جستہ گلہ پیوست | اشقرش پائے کوفت دست ببست

---

[1] گنبد کردن نوعے از جستجو آہو دواں ۱۲

[2] بضمہ اول بچۂ اسپ ۱۲

از خدنگ وے ارچه در هر جاے — آهوان می شدند کوته[۱] پاے

لیک او میل جز بگور نداشت — گور پیشش به پویه زور نداشت

تا درین جنبش از سرِ زورے — خاست از پیشِ آهویش گورے

طرفه گورے دو دیده چون پرِ زاغ — راست چون در سرانِ گور چراغ

سخت پے چون کمانِ محکم ساز — خانه کوتاه و گوشهاے دراز

یال آزاده از عنانِ تازی — گردنش فارغ از سنان بازی

پهلویش زیرِ چرم گلناری — چون کمان زیر توز[۲] بلغاری

از خرامش خراش در سینه — زده با کوه و دشت سر سینه

شکم از خطِ سبزه برده برات — از برون سبزه در درون چو نبات

خطِ پشتش درست و نسخهٔ باد — راست با باد باز خوانده سواد

در کفلگاه گردِ روشنِ او — گرد گشته لطافتِ تنِ او

بسته از خیزران و صندل طاق — صندلی ران و خیزرانی ساق

جانِ شیران به پنجهاے دمش — کحلِ گوران بجفتهاے سُمش

کلکِ پایش چو جامه چالاک — نصف صفرش رقم تبختهٔ خاک

تیزگامے چو آسمانِ کهن — تیز[۳] پاے زباد کرده سخن

---

۱ جب = آهو ۲ بضم واو مجهول نام پوست درختیست که مثل پے بر کمان وزین بکار برند و بلغار بضم اول نام شهریست نزدیک ظلمات آباد کرده اسکندر ۱۲

۳ ل = بے زبانے

بسکه همچون خیال بود بچشم ‏ ‏ می نمود و نمی نمود بچشم

دیو نقشے که دل کند شیدا ‏ ‏ گاه پیدا و گاه ناپیدا

نه بُد او جانور بسبزه و برگ ‏ ‏ دیوِ جان بود بل فرشتهٔ مرگ

گور در پیش می شتافت دلیر ‏ ‏ شه بدنبال میدوید چو شیر

ز اشقرش خوی دران شتاب چکان ‏ ‏ آتشے میدوید آب چکان

شه عنان را بدو رها کرده ‏ ‏ بادرا زو دوال پا کرده

هر خدنگے که سوے گور گشاد ‏ ‏ گور گنبد[1] زد و خدنگ اُفتاد

تیر کز مو درست جستی صاف ‏ ‏ مو نخستی ازو بگاهِ شگاف

شه بران گور میزدش بشکوه ‏ ‏ در نمی شد درو چو مو در کوه

زان خطاها سوارِ قادر دست ‏ ‏ جست میزد چو تیر شست بشست

ناگه از پیش چاہے آمد تنگ ‏ ‏ در فتادن نداشت گور درنگ

توسنِ شاه نیز در پے گور ‏ ‏ رفت[2] در چاهِ گور کورا کور

آنکه ده میل زان دو بینش نور ‏ ق ‏ سَرہ[3] کردی زمین بقلب ز دور

از قضا کور شد که پیش ندید ‏ ‏ چاه را زیرِ پاے خویش ندید

هست در چرخ کحلِ این همه کار ‏ ‏ بهرِ بینائیِ اولی الابصار

---

[1] گنبد زد اے جست کرد ۱۲ ‏ ‏ [2] ج = رفت در چاه و شاه شد در گور

[3] اے تحقیق کردی ۱۲

گور پویان که سوی چاه آمد — گور[١] بود آن که سوی شاه آمد

آنکش از چاهِ گور شور افتاد — عاقبت هم بچاهِ گور افتاد

ارچه در گور کس بزور نرفت — کیست آن کو بچاهِ گور نرفت

انجمن شد چو گرد رخنه سپاه — مه فرو رفته بود در بُنِ چاه

دلوها بسته شد بحبلِ امید — بر نیامد فرو شده خورشید

آفتابی که گشت خاک نشین — آدمی کی برآردش ز زمین

آنکه از چه خیالِ[٢] ماه کشید — ماهِ سیماب را ز چاه کشید

آن نه چه بود بلکه غاری بود — تا بُنِ چاه میل واری بود

چون تنورِ نو از سیه تابی — چون کهن دوزخی زبی آبی

در چپ و راست غارهای کهن — قعرِ هر غار ناپدید از بن

اسپ دیدند پر زکوب و شکن — کوفته باد چرخ در هادن

برگرفتند از زمینش چنان — استخوان آرد بود در انبان

بازجستند سو بسوی بسی — از سوارش نشان نداد کسی

از شگافندگان بگردِ مغاک — کاو کاوی در اوفتاد بخاک

هر یکی آهنی گرفته بدست — جگرِ گِل درون درون می خست

---

[١] گور در مصرعه ثانیه یعنی قبر ۱۲

[٢] درین شعر اشاره بسوی حکمت حکیم مقنع ست که ماهی از سیماب ساخته از چاه آورده بود لیکن بهرام در چاهی که افتاده بود او پایان نداشت پس چگونه برآید ۱۲

پاره کردند در یکے فرسنگ — رخنهاے فراخ و فرجهٔ تنگ

سر متین[1] بقعرِ آب رسید — چشمهٔ آرزو نگشت پدید

ز آتشِ سینها در آں زاری — چشم[2] سیماب گشت پنداری

ارچه سیماب[3] ریخت دیدهٔ تر — کیمیا را کسے نداشت خبر

ایں چنیں گنجها نشست[4] بخاک — که تواند کشیدنش ز مغاک

وانکه[5] ایں اژدها کشد بدمش — کے تواں برکشیدن از شکمش

آید آں کاندیش هست براز — زیستنی را کسے نیارد باز

خورد خونهاے خلق خاک بسے — که یکے خوں ازو نخواست کسے

ساقی آں مے که در زمیں درریخت — چوں کشد چوں بخاک باز آمیخت

گر بغربال کس ببیزد خاک — بر نیابد نشانِ مردمِ پاک

خاکِ بهرام بیختند تمام — بهره زاں خاک بود نے بهرام

بازگشتند مردماں زاں غار — دیده پر آب سینه پر ز غبار

رفت گو هر زمشت و خاک بمشت — زاں عجب ماند در دهاں انگشت

چند روزے بغم خروشیدند — جامهاے کبود پوشیدند

---

[1] متین بکسرِ میم و یاے مجهول و کسرِ فوقانی میخ سخت آهنی که بداں در سنگ شگاف اندازند ۱۲

[2] اے از کثرت گریه چشم مردماں سیماب گشت اے سفید شد یعنی کور گشت ۱۲

[3] سیماب ریخت اے اشک ریخت دو در مصرعه ثانیه از کیمیا مراد بهرام ۱۲ — [4] ج = بسے ست

[5] مراد از زمین ۱۲

آخرالامر دل ز گم ہوشی — داد شاں داروے فراموشی
نیں دریں چہ، کہ بہرِ ما کندند — زیں فراموش گشتگاں چندند
چرخ گورست نیلگوں سلبی[1] — دانی آخر کہ نیست بے سببی
کس ز گیتی کجا خبر یابد — مشتِ قلّاب راکہ دریابد
عمر آب ست شخصِ[2] مردم دام — کش چو دام ست رخنہاے مسام
زو چو رفت آب ہر کجا خواہی — دیر نبود ز مردنِ ماہی[3]
کہنہ گورے ست گوربانان[4] را — گورخاں ست گورخانان[5] را
ایں مقرنس[6] رواقِ بے سرو بن — بر سرِ گور گنبدے ست کہن
اندریں گنبد آنکہ محرم گشت — غلغلے کرد چند روز و گذشت
آنکہ او خود گلے ست مقدارے — خانہ سنگیں چرا کند بارے
زندگاں را بود در و دیوار — مردنی را چہ کار با ایں کار
قلعۂ طینت ارچہ چست افتاد — زود ویراں شود چو سست افتاد
چوں رسد سیلش از محیطِ کبود — مرد بالاش زیرِ خاک چہ سود

---

۱ پوست و لباس ۱۲ — ۲ اے ذات و وجود انساں ۱۲ — ۳ دریں جا مراد از ماہی روح انسان ست ۱۲

۴ گور دوم بواو مجہول بمعنی عیش و عشرت و شراب و بان بمعنی نگاہ دارندہ الف و نون جمع پس معنی گوربانان ارباب عشرت و شاہان جلیل القدر ۱۲

۵ گورخاں لقب بادشاہ خطا و ختن و خان اول بمعنی خانہ ۱۲

۶ مقرنس بضم میم و فتح قاف و فتح نون عمارتیکہ آنرا بصورت قرناس ساختہ باشند و قرناس بالضم بمعنی کوہ و مراد از مقرنس عمارت بلند و بناے عالی و رواق بمعنی سقف ۱۲

روزگار اندرونِ این چہ پست — جاں طلب میکند چراغ بدست

چہ برد دزد تا کہ شمع نمرد — طرفہ دزدی کہ شمعِ روشن برد

گرچہ مرگ از جفا ستیزہ گرست — بیوفائیِ عمر ازاں بتر ست

گل مبیں خشک بر سراچۂ گور — آں گلِ خشک را نگر تۂ گور

ورقِ گل بگور جاناں را — پندنامہ است کارداناں را

لالہ ترکہ رنگِ خوں دارد — خوں ز روہاے لالہ گوں دارد

یا رُخ از خونِ آدمی شُستست — یا خود از خونِ آدمی رستست

تن کہ خواہد گذاشت ہر چہ کہ داشت — نیکبخت آنکہ نامِ نیک گذاشت

آں بنا کن دریں کہن بنیاد — کز تو خلقے کنند بہ نیکی یاد

از پسِ مرگ یادِ نیک برند — وز پئے مرگِ مرد غم بخورند

آنکہ نامرد ہست و بے تمیز — مردہ باشد بزندگانی نیز

بانگ و شورے کہ میزنند برو — لعنت ست آنکہ می کنند برد

پس چناں باش کز تنِ پاکت — آفریں ہا کنند بر خاکت

دوستاں کز پئے تو در شورند — با تو ہمراہ تا لبِ گورند

ہست تا خاک ہمرہِ تو بسے — نیست در خاک ہمرہِ تو کسے

پس ورا یاد کن کہ جاں بخشد — مرد منت عمرِ جاوداں بخشد

لہ حجب = ہر دمت

واں کہ زینگونہ شد مسیح نفس | در صفِ اہل درد یابی و بس

خسروا پاے نیک مرداں گیر | با مسیحا نفس ز پیش بمیر

بایدت خانۂ حیات درست | از خضر باید آبِ حیواں جُست

خواہی از خاک بر سپہر خرام | خاک شو زیرِ پاے شیخ نظام

در تمام شدنِ عمارتِ ہشت بہشت و سیراب گشتنِ مناہلِ لطائف و برآمدنِ نہالہای نامی و در رسیدنِ میوہای جانی و مُرغانِ بی نوا را آواز دادن و بیارِ عام صلا گفتن و از شاخِ امرودِ خام برشکستن و دوستانِ جانی را بفاکہۂ کثیرۂ لامقطوعہ ولاممنوعہ سراپا برخورداریِ کام ارزانی داشتن و صادر و وارد را بدیں خلدِ نعیم دعوت کردن

چوں شد آراستہ بنقش و نگار | روے ایں کارگاہ جادوکار

کرد و بر دیدہ مشتری جایم | و آسماں بوسہ داد بر پایم

دید رضواں ز ہشت خلدِ بریں | ہشت خلدِ بریں بروئے زمیں

از نسیمش که مغز پرور گشت | مغزِ روحانیان معطر گشت

شربتش ذوقِ سلسبیلی داد | خامه را پرِ جبرئیلی داد

زیں مروّق[4] رحیقِ نوش گوار | عقل ہم مست گشت و ہم ہشیار

این مصفّا زجاجۂ مے ناب | کہ رود جاں ز بوئے او در خواب

از ارم ساغرے ست پر ز نسیم | بل ارم خانہ ایست پر ز نعیم

از مے نو بہ نزہت و رونق | مثلہا فی البلاد لم یخلق

خانۂ خاکِ او عبیر سرشت | خانہاے دگر درو چو بہشت

ہمہ بیتش بگاہِ عرض شمار | سہ صد و پنجہ و دو و سہ ہزار ۳۳۵۲

سال ہجرش یکے و ہفصد بُود | کیں بنا برد سر بچرخِ کبود

گر بقارا بنائے محکم نیست | چوں من این خانہ ساختم غم نیست

زیں ہنر نامۂ ہمایوں ساز | ہر خطے زندگانی ست دراز

این نمونہ کہ نقشِ پرکاریست | از طرازِ کہن[1] نمودارے ست

ہر چہ در گنج پیش پنہاں ست | ہم عیارش درونِ این کان ست

آں زر ار چہ سرہ[2] است عیارش | نیست جز دہ دہیِ[3] من یارش

پوست گرچہ چو مغز شیریں نیست | بہتر آں مغز پوست بہ زیں نیست

---

[1] مراد از مثنوی ہفت پیکر مولانا نظامی ۱۲

[2] سرہ بفتحتین وتخفیف در فارسی بمعنی خالص و پاکیزہ و بے عیب ۱۲

[3] بفتح ہر دو دال و یائے معروف بمعنی خالص و کامل عیار و زریکہ در آتش بہنند مطلقاً ازاں سوختہ نشود و کم نگردد ۱۲

[4] مروق صاف کردہ شدہ کہ اصلاً غش درد نبود و رحیق شراب خالص ۱۲

گرچه این دارد انگبین کارے — هر که را هم بود خریدارے

گرچه گوهر بقیمت ست عزیز — قیمتی هست کهربا را نیز

دُر بتاجِ ملک بود شایان — گوشِ ماهی بزعفران سایان

این رقم کاندرو صفائی هست — گرچه زر نیست زر نمائی هست

نکند گر نشاطِ زیرک تیز — ابلهان را بود فریب انگیز

گر همه کس گزیده باشد و اہل — کس چو من نیز باشد آخر سهل

آنکه باشد چو من تهی مایه — بو که ریزد بدین رقم سایه

خوش بود گل فروش را بستان — خارکش را هوائے خارستان

مرغِ صحرا که سنگ خور باشد — سنگش از دُر عزیزتر باشد

نوبتی کز دہل نیاید تنگ — دردِ سر خیزدش ز نغمهٔ چنگ

چون شتابنده راگه و بیگاه — رفتنی شد ازین تماشاگاه

هست در زیرِ کاخِ فیروزه — آدمی میهمانِ ده روزه

نیکبخت آن کسے که در انجام — زندهٔ جاودانه گشت بنام

آنچه مقصودِ آدمی زاد ست — نامِ نیک ست و آن دگر باد ست

و انچه زان نامِ مرد ماند دیر — سخن ست و نه خامه نے شمشیر

گر کسے را بود جواهر و گنج — ق — بیش ز اندیشهٔ جواهر سنج

یا زند بر بساطِ سلطانی — ملک را سکهٔ سلیمانی

یا برآرد بگاہِ سر فگنی | سر بروئیں تنی و تہمتنی
چوں فرو رفت قالبش در خاک | نام او گردد از ورقہا پاک
چند گاہے چو در میاں اُفتاد | ہیچکس را ازو نیاید یاد
مگر از نامۂ سخن سازے | کہ بماند بعالم آوازے
ایں ورق کز نشاط دار دہر | یادگارے ست از من اندر دہر
چند بایست سینہ سوزی کرد | کہ شد ایں در بآبِ حیواں خورد
پختگاں را اگر نماید خام | ہست پختہ بکامِ من ناکام
ہر کسے را بکارِ خویش ہش ست | کس نگوید کہ نارِ[52] من ترش ست
زنگی ار چہ سیاہ فام بود | نزدِ مادر مہِ تمام بود
گر قبولی ز غیب یارش گشت | سکہ تا محشر استوارش گشت
چوں شد ایں نامہ در زمانہ عزیز | نامِ من زو عزیز گردد نیز
ور گرافتد ز میلِ دلہا دور | خود بماند ز چشمہا مستور
پیشِ بدگوے کو پسم[53] باشد | عیب پوشی[54] ہماں بسم باشد
زیورے را کہ گم شد اندر خاک | کس چہ داند زر ست یا خاشاک
گوہرے کاں بدرج روے نہفت | جوہری قیمتش چہ داند گفت
کاش کیں بکر روے پوشیدہ | ماند از چار سوے پوشیدہ

---

۵۱ حب = دوغ   ۵۲ انار ۱۲   ۵۳ اے پسِ من ۱۲   ۵۴ حجب = پردہ پوشی

تا بماند بر روزگارِ دراز　　ناقصان را بخندہ دندان باز

شورِ ایشاں ز من رباید خواب　　شاں بغیبت گری و من بعذاب

گفتہ اند آنچنانکہ باید گفت　　کز پسِ مردہ بد نشاید گفت

آنکہ در ما کند بدی نگہے　　آخر او نیز مردہ خواست گہے

ہر کہ گفت از جفا چو بے ہنراں　　بشنود بعدِ مردن از دگراں

گنبدِ پر صدائے خالی ساز　　ہر چہ گوئی ہمانت گوید باز

چوں بد و نیک را جزائے ہست　　گفتہ ناگفتہ را سزائے ہست

گرچہ ایں گلشنِ مدّور کار　　ہست در بوستانِ عقبیٰ خار

لیک گر عفوِ[1] کردگار بود　　خارِ من جملہ لالہ زار بود

دارم امیدِ رحمتِ جاوید　　چوں تواں گشتن از درش نومید

چوں کند رحمتش مدارائے　　چیست حرفِ سیہ بدریائے[2]

مایہ گر عودی ست و گر بیدی　　کفر باشد رضا بنومیدی

چوں امیدم بکف سپردہ عناں　　رستم از حربۂ درک[3] فگناں

ہر چہ کردارِ من ز پیش و پس ست　　عذر خواہم ہماں امید بس ست

یا رب ایں نو عروسِ زیبا را　　ق　　کہ برد آب نقشِ دیبا را

---

[1] جب = عون　　[2] یائے عظمت اے مقابل دریائے عظیم ۱۲

[3] درک بفتحتین طبقہ دوزخ ۱۲

جلوهٔ ده بچشمِ دانایاں — که دل و دیده را بود شایاں
خاص گردانش در دلِ ہمہ کس — ہم بریں نکتہ ختم کردم و بس

در شکر گزاری حق تعالیٰ

شکر حق را که از خزانهٔ غیب — ریخت چنداں جواہرم در جیب
که ازاں نقدِ قیمتی بسہ سال — کردم ایں پنج گنج مالامال
درِ ہر گنج کش فرو بستم — کیمیائے دگر درو بستم
داند آنکس که سنجد ایں گفتار — کیمیائے مرا بوزن و عیار
نیست اندیشه گر بد اندیشے — رگِ بے رنج را زند نیشے
کز علل ہر چہ دیدم از تمییز — چیده ام معنوی و لفظی نیز
راست کردم ہر آنچه روشن گشت — راست و روشن[ل] دل از خطا نگذشت
واں خطا کاندرو گماں نرسد — دل ز پوشیدگی بداں نرسد
یک یک ایں پنج نامه تا پایاں — عرض کردم بچشمِ دانایاں
ہر کسے را چنانکه روئے نمود — در بد و نیک گفتگوئے نمود
ہر چہ بینندہ راست را خم دید — بجوابِ سخن فرا ہم دید
وآنکه در گفتن از دلم کژ خاست — راست گو چوں نمود کردم راست

ل دل موصوف و راست و روشن صفت ۱۲

زیں ہمہ ناقدانِ نکتہ شناس ‏ ‏ ہر کسے زو دمے بوہم و قیاس

لیکن آں کاندریں خزائنِ پُر ‏ ‏ مہرۂ قلب دور کرد ز دُر

نیست الّا کہ آں جہانِ علوم ‏ ‏ کہ شدش ہر چہ در جہاں معلوم

آسماں عالمِ زمانش خواند ‏ ‏ دہر علّامۂ جہانش خواند

چوں فرو شد درو کمالِ اندیش ‏ ‏ از کمالش فرو شد اندر خویش

بوحنیفہ سراجِ امّت بود ‏ ‏ نور افزائے دین و ملّت بود

مجتہد در خلافِ نکتہ کشی ‏ ‏ مالکِ فقہ کوفی و شافعی[1]

بس کہ در علم راست تدبیرست ‏ ‏ راستی ہم شہاب و ہم تیرست

راستی ساکن اندرو بصواب ‏ ‏ رست ہمچوں الف میانِ شہاب

چوں ازو موج زد کلامِ احد ‏ ‏ نَفِدَ الْبَحْرُ[2] قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ

روشن اندر دلِ چو مصباحش ‏ ‏ کشفِ کشّاف و فتحِ مفتاحش

رقمِ عنبرینش بر کافور ‏ ‏ از بروں سود خاں[3] دروں سو نور

او شہاب و دل و تنش ز اخبار ‏ ‏ نیّرینِ مشارق الانوار

از تمامِ فنون و فضلِ تمام ‏ ‏ غیرتِ[4] بحتری و بو تمّام

گاہِ تحریر گر بہ بیتِ عتیق ‏ ق ‏ یافت اشعارِ تازیاں تعلیق

---

[1] مراد از امام ابوحنیفہ و امام شافعی رحمہما ۱۲ ‏ ‏ [2] تمام خرچ شود دریا قبل ازاں کہ کلام احد تمام شود ۱۲

[3] دخان و نور نام سورہائے قرآن نیز ہست از کافور مراد صفحات کتاب کہ سفید اند و از رقم عنبریں مراد سواد تحریر ۱۲

[4] غیرت بحتر و بو جعفر ہمام ۱۲

شعر او را که مطلعِ نورست — جائے تعلیق بیتِ معمورست

موجِ بحرست در عطا رقمش — تیرِ چرخ ست بر[51] خطا قلمش

در تشابہ یقینِ او اعلیٰ ست — در تناسخ درستِ بو اعلیٰ ست

چرخ چوں راست کرد دستارش — بست عزّ اللّٰہی بہ تارش

گر کند سوئے آں عمامہ نظر — مشتری را فتد عمامہ زسر

حکمتش داد از بس افزونی — ملکِ بقراطی و فلاطونی

در الٰہی فنش نہ در حدِ کس — حدِ او ہم الٰہ داند و بس

در طبیعی شناختہ بتمام — رازِ مولودِ عنصر و اجرام

در ریاضی بیک صریرِ قلم — باز کرد ست گوشِ جذرِ اصم

عقلیش از قیاسِ عقل بروں — نقلیش از مقامِ نقل فزوں

دُرِّ مبسوط[52] در یکے مشتش — صد اشارات[53] در ہر انگشتش

ہرچہ در دہر نقشِ دانائی ست — دلِ او را براں توانائی ست

او چو ابرِ کرم بغرقِ جہاں — زیرکاں چوں صدف کشادہ دہاں

نورِ دل چوں بعالم افگندہ — سایہ بر کارِ من ہم افگندہ

من بدو عرض کردہ نامۂ خویش — او باصلاح راندہ خامۂ خویش

---

[51] حجب = بے خطا — [52] مبسوط نام کتاب فقہ نیز ۱۲ — [53] نام کتاب شیخ بو علی سینا کہ در فنِ حکمت ست ۱۲

دیدہ ہر نکتہ را رقم بر تسم   رنج بر خود نہاد و منت ہا ہم
نظرِ تیز کرد موے شگاف   نے بعمیا نظارۂ بگزاف
گرچہ چوں دوستاں پسندیدہ   لیکن از چشمِ دشمناں دیدہ
دیدۂ خصم عیب کوش بود   دیدۂ دوست عیب پوش بود
دید چوں دشمناں دریں دفتر   تا ہمہ عیب آمدش بنظر
چوں ہمہ عیب دید دشمن وار   شست چوں دوستانِ آئینہ وار
کلکِ او تیرِ راست را بگماشت   کہ دریں روضہ آہوے نگذاشت
چوں شد آہو ہمہ نشانۂ تیر   چہ غم ست از سگانِ آہو گیر
زیں دقایق کہ شد ز مغزش و پت   مو بمو شعر بیز کردۂ اوست
شمعِ من یافتہ ضیا از وے   مسِ من گشتہ کیمیا از وے
ہر چہ او گفت من نہادم گوش   بر کشیدم نمکس ز شربتِ نوش
وآنچہ بنمود من نجستم پے   عیبِ آں بر من ست نے بر وے
گر بماندہ ز دشنہ اش جائے   بے خسے نیست ہیچ دریائے
جز ہنر بیں از و نیاساید   عیب جو راز عیب کم ناید
صد ہزار آفریں بر آں دلِ پاک   کہ بروں بُرد زیں چمن خاشاک
آنچہ او دید تا[لہ] نہایت دید   خس و خارے ز گلشنے برچید

لہ جب = بے

آنچه ماند از نظر به پرده نهان   هم نهان داردش خدای جهان

یارب او چون ز پنج نامهٔ من   ق   برده بیرون خطای خامهٔ من

نامهٔ او که حرزِ جانش باد   در قیامت خطِ امانش باد

تمّت بالخیر